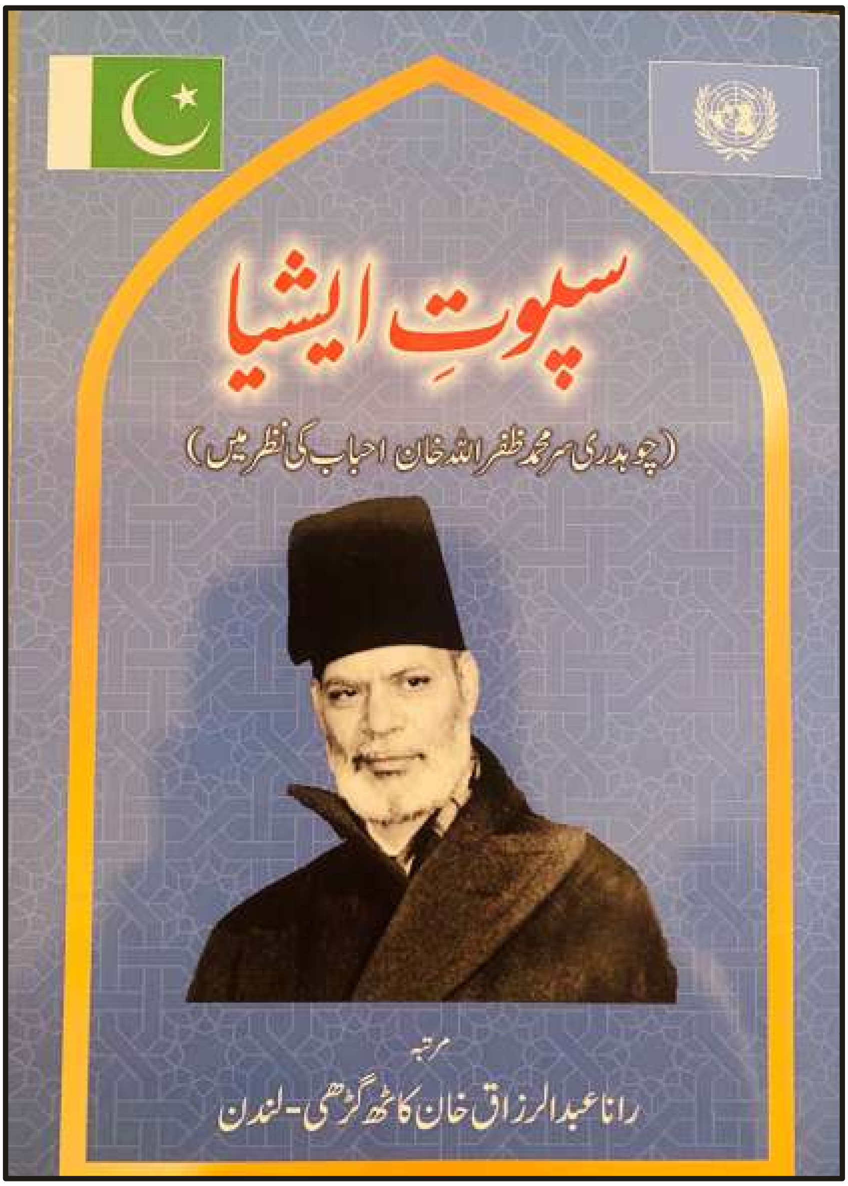
مدیر: اے آر خان

سہ ماہی قندیل حق لندن

شمارہ: 19
جولائی، اگست، ستمبر 2022

QINDEEL-E-HAQ

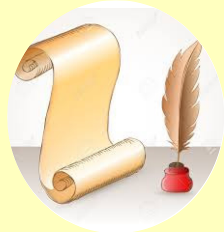
A.R. Khan: +44-7886304637 E-Mail : qindeelehaq@gmail.com



فہرست

فہرست

۞۞۞۞۞۞



ادار یہ۔ذات دی کوڑ کرلی تے شہتیراں نوں جپھے

رانا عبدالرزاق خان۔لندن



ہم اسلامی دنیا میں ایک ایسا ملک بھی رکھتے ہیں۔جو اسلامی کہلاتا ہے مگر اس کے باسیوں میں اسلام نام کو نہیں۔اس کے مقتدر حلقے اسقدر اخلاق باختہ ہیں کہ الامان والحفیظ۔اس ملک کو شروع قیام سے ہی علمائے سُو نے پلیدستان کا نام دیا۔جو امیر شریعت عطاءاللہ شاہ بخاری تھا۔دیوبندی اور بریلوی حضرت اس ملک کے دشمن تھے۔اور کانگرس کے ایجنڈے پر عمل کناں رہے۔خاکسار، لال رومال پارٹی۔باچا خان،جمیت علمائے ہند نے اس ملک کو دل سے ہی تسلیم نہیں کیا۔جماعت اسلامی اور احرار قائداعظم محمد علی جناح کو اور ساری مسلم لیگ کو کافر اعظم کے نام سے پکارتی رہی۔۱۹۴۵ کے الیکشن میں ان جماعتوں نے ہندوؤں کو ووٹ دیا۔اور پاکستان کی ڈٹ کر مخالفت کی۔خاکسار پارٹی کے رفیق صابر نے قائداعظم پر چاقو سے حملہ کیا۔اب ستر سال کے بعد ان خفیہ طاقتوں کا گھناؤنا چہرہ سامنے آچکا ہے۔ان کے آباؤاجداد تو تھے ہی کانگرسی۔یہ بھی مکمل غدارانِ وطن نکلے۔ان کے ارادوں اور حرکات سے وطن دشمنی عیاں ہوچکی۔

۱۹۷۱ میں بنگلہ دیش بنانے والے مکروہ چہرے بھی منظر عام پر آئے۔آزاد بلوچستان اور پختونستان بنانے والے منافقین کا چہرہ بھی سامنے آیا۔اب اسلام دشمن طاقتوں کے گماشتے اس ملک کے ٹکڑے کرنے کے درپے ہیں۔ایم کیو ایم کی انڈیا سے ساز باز پکڑی گئی۔بلوچستان کے سرداروں کی سازش پکڑی گئی۔زرداری اور نواز شریف کی انڈیا سے ملی بھگت پکڑی گئی۔کئی مذہبی جماعتوں کے سرکردہ باریش لیڈر انڈیا سے ماہانہ بھتہ لے کر ملک کے خلاف سازش کرتے ہوئے پکڑے گئے۔اسرائیل کو تسلیم کرنے ارادے ظاہر و باہر ہیں۔مذہبی جماعتیں اور تبلیغی جماعت کو سعودی عرب نے اسلام کے لئے خطرہ قرار دے دیا۔ان کے بستروں سے ہیروئن سمگلنگ کے ثبوت پکڑے گئے۔کشمیر کا سودا کر دیا گیا۔اور انڈیا کی اسرائیل امریکہ کی اطاعت کا ٹھیکہ لے لیا گیا۔ہماری حکومت بھی شام اور عراق کی طرح ایک ہفتے میں ختم کر دی گئی۔ہمارے فوجی اور غیر فوجی، نیز سیاستدان ملک کو معاشی طور پر کنگال کر چکے ہیں۔ان مقتدر لوگوں کی جائیدادیں اور اولادیں یقیناً بیرون ممالک میں محفوظ ہیں۔بیس اور بائیس گریڈ والوں کے پاس بیرون ممالک کے پاسپورٹس ہیں۔

عام آدمی مہنگائی کی چکی میں پس رہا ہے۔ملک ڈیفالٹ کی طرف تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ہمارے ملک کا نہ امیج باقی رہا ہے۔عوام مہنگائی اور انارکی وجہ سے کرپٹ ترین ہو چکی ہے۔ناپ تول کا نظام تباہ ہو چکا ہے۔عدلیہ راشی اور انتظامیہ بدمعاشی ہو چکی ہے۔سیاست دان رزق حرام کے پروردہ ہیں۔جاگیردار در مایہ دار طبقہ بے راہ روی کا شکار ہے۔رشوت،سود، ملاوٹ،شیرِ مادر سمجھ لی گئی ہے۔ملازمت بغیر معیار کے لاکھوں روپے رشوت لے کر دی جاتی ہے۔میرٹ ختم ہو چکا۔فوج سفید ہاتھی سے کم نہیں۔اسٹیل ملز اور باقی ادارے کرپشن کا شکار ہو چکے۔باہمی اعتماد عنقا ہو چکا۔ملک خانہ جنگی کے دہانے پر کھڑا ہے۔کوئی بھی مرد مجاہد نظر نہیں آتا جو اس ملک کی کشتی کو کنارے لگا سکے۔ہر ڈاکو چور اُچکا عقلمند اور جج بن کر قوم کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہا ہے۔قوم جائے تو کدھر جائے۔مسجدوں میں جادو ٹونے اور جن کے بہانے زنا بالجبر کے واقعات ہو رہے ہیں۔

محکمہ تعلیم جیسا مقدس ادارہ بھی بدنام ہو چکا۔اسکول کالج میں جانے کے بغیر ہی تنخواہ گھر پر مل جاتی ہے۔اسلامی ملک میں زنا،شراب،مساج سنٹر عام ہیں۔لونڈے بازی کو مغرب کی طرح ۔گے میرج کا قانون تو نہیں بنا مگر عملی طور پر لونڈے بازی جائز قرار دے دی گئی ہے۔لاکھوں مدرسہ باز اس جرم میں جیلوں میں بند ہیں۔کچھ لوگ ضمانت پر رہا ہو کر مساجد میں امامت کے عہدے پر فائز ہیں۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔ہمارے پر یہود و نصاریٰ سے بھی بدتر اقوام کا قبضہ ہے۔کوئی بھی نظام اسلامی نہیں بلکہ حرامی ہے۔جس کی جتنی بڑی داڑھی اس کی اس سے لمبی گاڑی۔علمائے سُو کا دور دورہ ہے۔ہیرا پھیری اور مار دھاڑ کا موسم گرم ہے۔فحاشی نے اس بدقسمت قوم میں ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں۔مساجد بے آباد اور مساج سنٹر، ڈرامہ آڈیٹوریم آباد ہیں۔سارے ملک میں

شراب کی پیداوار بڑھ چکی ہے بلکہ برآمد کی جاتی ہے۔ پارلیمنٹ لاجز میں تو ولایتی شراب عام مل جاتی ہے۔شراب اور شباب مسلمان کی صدیوں سے کمزوری رہی ہے۔

ہمارے اکثر جرنیل اور سیاسی لیڈر شراب وشباب کے رسیا رہے ہیں۔بھٹو جب تھک جاتا تھا تو تھوڑی سی پی لیتا تھا۔یحیٰی خان کو جنرل رانی پلاتی تھی۔زرداری کو ایشوریا رائے اور اس کی داشتائیں پلاتی رہی ہیں۔جرنیلوں کا نام لینا منع ہے۔ہمارے اسلامی ملک میں مردہ عورت کو قبر سے نکال کر بھی اس سے زنا کیا جاتا رہا ہے۔کم سن بچیوں سے سے زنا کے بعد ان کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے۔کسی پڑھی ہوئی لڑکی کو ملازمت درکار ہو تو اس کی عزت لوٹ کر اسے من پسند ملازمت پر مقرر کیا جاتا ہے۔عورت کی عزت اس معاشرے میں بالکل نہیں۔اسے مالِ مفت سمجھا جاتا ہے۔ہمارے بڑے بڑے صدور اور وزرائے اعظم ایسی بدکاریوں میں ملوث ہو کر بڑا نام کما چکے ہیں۔قوم لوط کا اگر ذکر سننا ہے تو پشاور چلتے ہیں۔جہاں لونڈے فروخت بھی ہوتے ہیں اور پیش بھی کئے جاتے ہیں۔

اسی طرح جماعت اسلامی کے امیر قاضی حسین احمد اسی جرم میں تین سال سوات جیل میں قید رہے۔جب سے ہی اس جرم کو حلال سمجھا جانے لگا۔اب تو مساج سنٹر بھی حلال قرار دے دیا گیا ہے۔ملک خداداد کی تعریفیں بیان کرنے لگوں تو انگشت بدنداں رہ جاؤ گے۔اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔یہ پندرہویں صدی ہے۔اور مزید دیکھئے آگے آگے ہوتا ہے کیا۔اور یہ ہے اس قوم کی حالت جس کے پاس ایک بھی ایسا انسان نہیں جو کہ باکردار ہو۔ سچ بولتا ہو۔شرم وحیا والا ہو۔باعزت ہو۔ہر طبقہ بدترین گمراہی کا شکار ہے۔مگر پھر بھی ابو جاہل اور یزید کی طرح بضد ہے کہ وہ پکا مسلمان ہے مختون ہے۔اسے حق حاصل ہے کہ وہ لوگوں کے ایمان کا فیصلہ کرتا پھرے۔**انا للہ و انا الیہ راجعون**۔اقلیتوں پر اپنی حکمرانی جتائے۔

ہندوؤں کی بیٹیوں سے زبردستی شادی کرے۔کافروں کو قتل کرے،زکوٰۃ کو خرد برد کرے۔لوگوں کی عبادت گاہوں کو مسمار کرے۔اور دین میں جبر کو روا رکھے۔امام وقت کے انکار کی وجہ سے یہ قوم دھتکاری گئی ہے۔اس قوم پر قسم قسم کے عذاب مسلط کر دیئے گئے ہیں۔بدترین حکمران قارون کی طرح زرداری کی شکل میں ان پر وارد کر دیئے گئے ہیں۔حرام حلال کی پہچان،ان کی ختم کر دی گئی ہے۔ماں بہن،اور رشتوں کا تقدس بھی ختم کر دیا گیا ہے۔ان کو بدشکل بھی کر دیا جاتا ہے۔ان کو خبر نہیں۔ان کی زندگیوں سے سچ کو عنقا کر دیا گیا ہے۔ان میں طرح طرح کی بیماریاں چھوڑ دی گئی ہیں۔مہنگائی کا جن بھی ان کو شب و روز ستا رہا ہے۔روزی اور خوراک کم ہو رہی ہے۔سکون اور امن سے یہ مخلوق محروم کر دی گئی ہے۔

اس قدر اس قوم کا معیار گر گیا ہے کہ کوئی کمتر ملک بھی پاکستانی کو ویزہ دینے کے لئے تیار نہیں۔کوئی ملک ان کو کوئی قرضہ دینے کے لئے تیار نہیں۔ساری دنیا میں یہ لوگ قوم بنی اسرائیل کی طرح بھٹکتے وادی سینا میں پھر رہے ہیں۔یہ کشکول بردار بھکاری کی طرح در بدر گھوم رہے ہیں کبھی سعودیہ،ابوظبی،قطر،چین،روس جاتے ہیں۔مشرک ہو کر مشرک کو خدا بنائے بیٹھے ہیں۔اور ایٹمی پاور کے حوالے سے ساری اُمت کی لیڈری کے خیال میں گم ہیں۔ایسی قیادت ہوتی ہے۔سقوط ڈھاکہ کے بعد سقوط پاکستان کے منتظر ہیں۔قوم کی بدحالی عروج پر ہے۔ذات دی کوڑ کرلی تے شہتیراں نوں جپھے

یہ قوم اور اس کے علمائے سُو اس قدر بے غیرت ہو چکے ہیں۔کہ احمدیوں کی قبروں پر لکھی ہوئی آیات پر ان کی توہین ہوتی ہے۔اور رات کے اندھیرے میں ان آیات کے کتبے پاش پاش کر دیتے ہیں۔مگر ان کو اس بات پر غیرت نہیں آتی جب کسی بھی مسجد کے حجرے میں دم درود کی آڑ میں زنا ہوتا ہے۔درباروں پر نشہ فروخت ہوتا ہے۔رحیم یار خاں میں کنواری کالج گرلز کو عربی سانڈوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ہر شہر میں کھلے عام شراب وشباب کی محافل شب و روز سجائی جاتی ہیں۔توہین رسالت اور توہین قرآن آئے دن ہوتی ہے۔قائداعظم کی تصویر پر مفتی محمود کی تصویر لگا کر اس کا فاش بیٹا دن دیہاڑے توہین کرتا ہے۔کہاں گئی اس نام نہاد مسلمانوں کی غیرت۔صرف کمزور اور نہتوں پر ان کی غیرت جاگتی ہے۔یا کفن پوش مردوں پر ان کا زور چلتا ہے۔یہ امریکہ اور انڈیا کے غلام مسلمان پاکستان کو ایک بند گلی کی طرف دھکیل رہے ہیں۔ذاتی مفادات کی خاطر کسی نے بنگلہ دیش بنا ڈالا اور کسی نے احمدیوں کو قانونی اغراض کے لئے غیر مسلم قرار دلوایا۔مگر کرسی پھر بھی چھن گئی۔اس قوم کا ٹھکانا دوزخ کا ایندھن ہے۔یہ قرآن اور اسلام کو بھول چکی۔اور اب یہ قوم خود ساختہ اسلام کی پیرو ہے۔ختم نبوت کے معانی اکثریت کے بل بوتے پر لوگوں پر ٹھونستی ہے۔اور پھر بھی ایک اسرائیلی نبی ابن مریم کی منتظر بھی ہے۔**انا للہ و انا الیہ راجعون**۔



ہر قسم کی قربانی کے فلسفے

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشادات کی روشنی میں (ادارہ)

خلافت سے کامل اطاعت کی ضرورت

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں کہ

''آج عمومی طور پر جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے مقصد کو سمجھتے ہوئے خلفاء وقت کی آواز پر لبّیک کہتے ہوئے اس قابل ہوگئی ہے جہاں وہ ہر قسم کی قربانی کے فلسفے کو سمجھتی ہے۔ آج اللہ تعالیٰ کے فضل سے افراد جماعت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ماننے کے بعد اس بات کا فہم حاصل کرنے کے قابل ہو گئے ہیں کہ الٰہی جماعتوں کی ترقی کے لئے جان، مال، وقت اور عزت کی قربانی انتہائی اہم ہے۔ بعض سختیوں اور امتحانوں اور قربانیوں میں سے گزر کر ہی پھر اس منزل کے آثار نظر آتے ہیں جس کے لئے اللہ تعالیٰ کا ایک مومن بندہ الٰہی جماعت میں شامل ہوتا ہے۔ قربانیوں کے معیار حاصل کرنے سے ہی اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔

پس یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آج ہمیں اللہ تعالیٰ محض اور محض اپنے فضل سے اس بات کا موقع دے رہا ہے کہ ہم فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ کی روح کو سمجھتے ہوئے نیکی کے مواقع حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور کوشش کرنی چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ یہی تمہارا مطمحِ نظر ہونا چاہئے۔ اگر صالحین میں شمار ہونا ہے تو پھر کوشش کر کے ہی نیکیوں میں آگے بڑھنا ہوگا تبھی تم یہ مرتبہ پا سکتے ہو۔ ہمیشہ یاد رکھو کہ جب اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو گے تو ان قربانیوں اور نیکیوں سے ہی اللہ کے فضل سے اللہ کا قرب پاؤ گے۔ یہ مالی اور جان کی قربانیاں تمہاری فلاح کا ذریعہ بنیں گی۔ ہمیشگی کی زندگی تمہیں ان قربانیوں سے ہی حاصل ہوگی۔ پس آج اللہ تعالیٰ کے حکموں کا یہ ادراک اللہ تعالیٰ کے فضل سے اگر حاصل ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت کو حاصل ہے۔ آج دین کی خاطر اگر وقت کی قربانی کوئی دے رہا ہے تو وہ احمدی ہے۔ آج دین کی خاطر اگر اولاد کی قربانی کوئی دے رہا ہے تو وہ احمدی ہے۔ آج دین کی خاطر اگر مال کی قربانی کوئی دے رہا ہے تو وہ احمدی ہے۔ آج دین کی خاطر اُس روح کو سمجھتے ہوئے اور اُس تعلیم پر عمل کرتے ہوئے جس کی طرف ہمیں زمانے کے امام نے توجہ دلائی ہے اور اس راستے پر ڈالا ہے اور دین پر مضبوطی سے قائم کیا ہے، کوئی جان کی قربانی دے رہا ہے تو وہ احمدی ہے۔ پس یہ ہماری کتنی خوش قسمتی ہے کہ آج اللہ تعالیٰ نے ہمیں آخرین کے گروہ میں شامل کر کے ان پہلوں سے ملایا ہے جو دین کی خاطر عظیم قربانیاں دیتے چلے گئے۔

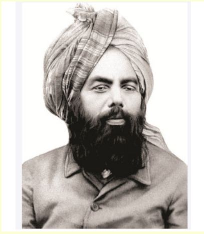
ہمارا بھی فرض بنتا ہے کہ ہم اپنی حالتوں پر ہر وقت نظر رکھتے ہوئے ان پہلوں کی قربانی کو ہر وقت سامنے رکھیں جنہوں نے اپنا سب کچھ اللہ تعالیٰ کی خاطر قربان کر دیا۔ تبھی ہم اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے مطابق ان فضلوں کے وارث ٹھہریں گے، اس کا قرب پائیں گے، اپنی دنیا و آخرت سنواریں گے اور آگے اپنے بچوں کی ہدایت کے سامان پیدا کریں گے۔ پس آج ہم سب جو یہ قربانیاں کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کریں یا حاصل کر سکیں تو اب ہمیں اپنی ہر قربانی کو خدا تعالیٰ کے حکموں کے تابع کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس بات کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے کیا چاہتا ہے۔ اگر ہم نے اس بات کو نہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے کیا چاہتا ہے تو ہمارا یہ دعویٰ بالکل کھوکھلا دعویٰ ہے کہ آج ہم ہر قسم کی قربانیوں کا فہم و ادراک رکھتے ہیں یا یہ کہ صرف احمدی کو یہ فہم حاصل ہے اور احمدی کی قربانی کا

کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

دنیا میں دوسرے مسلمان بھی قربانیاں کرتے ہیں یا یہ کہنا چاہئے کہ دوسروں کے لئے اپنا مال خرچ کرتے ہیں، غریبوں کی مدد کرتے ہیں۔ لوگوں کی ہمدردی اور ان کی مدد کے لئے انہوں نے ادارے بھی کھولے ہوئے ہیں۔ عیسائیوں نے، یہودیوں نے اور دوسرے مذہب والوں نے بڑی بڑی تنظیمیں بنائی ہوئی ہیں جہاں وہ غریبوں کی مدد کرتے ہیں اور بہت کرتے ہیں۔ لیکن اس سب خدمت اور ہمدردی کے پیچھے وہ جذبہ نہیں ہے کہ خدا کی رضا حاصل کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اس لئے یہ سب خدمت کرنی ہے۔ عارضی طور پر متاثر ہو کر کسی چیریٹی میں مدد تو کر دیں گے۔ لیکن یہ جذبہ نہیں کہ اللہ کا حکم ہے اس لئے مدد کرنی ہے یا اللہ کے نام کو دنیا میں پھیلانے کے لئے خرچ کرنا ہے۔ اللہ کی مخلوق کی خدمت اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے کرنی ہے۔ بعض لوگ دولت بھی ایسے ذرائع سے کماتے ہیں جو کسی لحاظ سے بھی جائز نہیں ہے۔ ان کے دولت کمانے کے ذریعے ناجائز ذریعے ہوتے ہیں لیکن اپنی کمپنیوں کے بجٹ میں چیریٹی کے لئے بھی کچھ رقم مختص کر دیتے ہیں تا کہ حکومت کے ٹیکسوں سے چھوٹ مل جائے۔ تو یہ سب قربانیاں جو کی جا رہی ہوتی ہیں یا ان کے خیال میں جو قربانیاں کی جا رہی ہوتی ہیں یہ عارضی اور سطحی اور اکثر اوقات دنیا دکھاوے کے لئے بھی ہوتی ہیں۔ لیکن ایک احمدی کی جو قربانی ہے اور جو ہونی چاہئے اس کا مقصد جیسا کہ میں نے کہا، اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی خدمت کرنا ہے اور اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ یہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مومن کی یہ ذمہ داری قرار دی ہے کہ وہ بنی نوع انسان کی خدمت کرے اور اگر مالی قربانی کر رہا ہے تو وہ بھی جائز ذرائع سے کمائی ہوئی آمد سے کرے۔

(خطبہ جمعہ 3 نومبر 2006ء بحوالہ الاسلام ویب سائٹ)

(بحوالہ روزنامہ الفضل آن لائن لندن)



اسلام اور بانیٔ اسلامؐ سے عشق

(کلام حضرت مسیح موعودؑ)

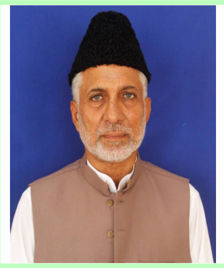
ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے
کوئی دیں۔ دینِ محمدؐ سا نہ پایا ہم نے
کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشاں دکھلاوے
یہ ثمر باغ محمدؐ سے ہی کھایا ہم نے
ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا
نور ہے نور اٹھو دیکھو سنایا ہم نے
اور دینوں کو جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا
کوئی دکھلائے اگر حق کو چھپایا ہم نے
تھک گئے ہم تو انہیں باتوں کو کہتے کہتے
ہر طرف دعوتوں کا تیر چلایا ہم نے
آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہر چند
ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے
یونہی غفلت کے لحافوں میں پڑے سوتے ہیں
وہ نہیں جاگتے سو بار جگایا ہم نے
جل رہے ہیں یہ سبھی بغضوں میں اور کینوں میں
باز آتے نہیں ہر چند ہٹایا ہم نے
آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے
لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے
آج ان نوروں کا اِک زور ہے اِس عاجز میں
دل کو ان نوروں کا ہر رنگ دلایا ہم نے
جب سے یہ نور ملا نور پیمبر سے ہمیں
ذات سے حق کی وجود اپنا ملایا ہم نے
مصطفی پر ترا بے حد ہو سلام اور رحمت
اس سے یہ نور لیا بار خدایا ہم نے
ربط ہے جانِ محمدؐ سے مری جاں کو مدام
دل کو وہ جام لبالب ہے پلایا ہم نے

(آئینہ کمالات اسلام صفحہ 224 مطبوعہ 1893ء)



مسلمان کی تعریف......اللہ اور رسول ﷺ کیا کہتے ہیں

(عبدالسمیع خان۔گھانا)



قرآن کی واضح ہدایات اور سنت رسول ﷺ اور حدیث و تاریخ اسلام سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مسلم کہلانے کے لیے اللہ اور رسول ﷺ پر ایمان کا اقرار ہی کافی ہے

عالم اسلام کے سلگتے ہوئے مسائل میں سے ایک سوال یہ ہے کہ مسلمان کی تعریف کیا ہے؟ اور کون شخص مسلمان کہلانے کا مستحق ہے؟ کیونکہ اسی تعریف کے فرق کے نتیجے میں کفر کے فتاویٰ کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوا ہے جو تھمنے میں نہیں آتا۔ ہر فرقہ کے نزدیک دوسرا فرقہ کافر ہے اور اگر بعض فرقے مل کر کسی کو کافر کہتے ہیں تو دوسروں کے نزدیک وہ کافر ہیں۔ اور یہی بات فسادات پنجاب پاکستان 1953ء کی تحقیقاتی عدالت نے بڑے غور و فکر کے بعد لکھی اور یہ بھی ذکر کیا کہ اگر ہم کسی کو مسلمان کہتے بھی ہیں تو دوسروں کے نزدیک ہم خود کافر ہیں۔ پس تمام مسلمان فرقوں کا اندرونی رشتہ کفر کا ہی ہے۔ اس سوال کو حل کرنے کے لیے ہمیں قرآن و سنت کی روشنی میں غور کرنا چاہیے۔

قرآن کس کو مسلمان کہتا ہے؟

قرآن میں رسول کریم ﷺ کے لائے ہوئے دین کو اسلام کا نام دیا گیا ہے وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا۔ (المائدۃ: 4) اور اس کے مادہ (س۔ل۔م) سے اسم اور فعل کے متعدد صیغوں میں اس کا ذکر آیا ہے۔ قرآن کریم اللہ اور رسول ﷺ کو نہ ماننے والوں کو عمومی طور پر کافر قرار دیتا ہے جن میں اہل کتاب بھی ہیں اور مشرکین بھی۔ لیکن کافر کے مقابلے پر قرآن دو اصطلاحیں استعمال کرتا ہے۔ مسلم اور مومن۔ اسلام عمومی معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے یعنی فرمانبرداری اور اطاعت جیسے مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ (البقرۃ:113) اور ان معنوں میں اپنے وقت کے تمام نبیوں اور ان کے سچے متبعین کو مسلمان کہا گیا ہے۔ جیسے فرمایا: هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هٰذَا (الحج: 79) اور اصطلاحی معنوں میں بھی جیسے فرمایا: إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ (الاحزاب: 36) رسول کریم ﷺ کے بعد صرف آپ کے ماننے والے اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔

سورۃ الحجرات میں اسلام اور ایمان کے فرق کو خوب کھولا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ ایک پہلو سے اسلام محض لفظی اظہار کا نام ہے اور ایمان دل کی کیفیت بیان کرتا ہے۔

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلٰكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ... (الحجرات:15)

اگلی آیت میں فرمایا: إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا (الحجرات: 16) اس کے بعد جہاد کا ذکر ہے۔ آیت 18 میں فرمایا: يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُلْ لَا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ... (الحجرات: 18) گویا دونوں کی بنیادی اکائی ایک ہی ہے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قبولیت کا زبانی اظہار اسلام ہے اور پھر یہ اسلام دلی کیفیت کے ساتھ مل کر ایمان میں تبدیل ہو جاتا ہے اس طرح پہلے مرحلے میں اسلام اور ایمان ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ اسلام کے سچے اقرار کے بعد ایک شخص مومن کا نام پاتا ہے۔

قرآن سے یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ اسلام کے مقابل پر ایمان قلبی واردات کا نام ہے أُولٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ (المجادلۃ: 23) جو مسلسل ترقی پذیر رہتا ہے۔ اسی لیے قرآن میں ایمان میں بڑھنے اور بڑھانے کا کم از کم 9 بار ذکر ملتا ہے مثلاً: هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَعَ إِيمَانِهِمْ (الفتح: 5) فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا (التوبۃ: 124) اسی طرح مومنوں کو یہ بھی کہا گیا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ (النساء: 137) یعنی

اے مومنو۔ اللہ اور رسول پر ایمان لاؤ یعنی اپنے ایمان کو بڑھاتے چلے جاؤ۔

قرآن نے جہاں رسول اللہ ﷺ کی عالمگیر رسالت کا ذکر کیا ہے وہاں صرف ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کا مطالبہ کیا ہے: قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا... فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ۔ (الاعراف: 159) إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا۔ لِتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَّأَصِيلًا۔ (الفتح: 9 تا 10) إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ (النور: 63) آمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَأَنْفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِينَ۔ (الحدید: 8)

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ سارے قرآن میں مومنوں کو مخاطب کیا گیا ہے یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا...... کہہ کر 89 دفعہ خطاب کیا گیا ہے۔ نیز أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ (النور: 32) بھی کہا ہے۔ مگر کسی جگہ بھی مسلمانوں کو خطاب نہیں کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے بہت بڑے دائرہ کے اندر ایمان کے متعدد دائرے ہیں نچلے درجہ سے اسلام شروع ہوتا ہے جس کے ساتھ ہی ایمان کی پہلی پرت کھلتی ہے اور یہی اسلام ایمان کی ساری پرتیں طے کرتے ہوئے اسلام کے آخری دائرہ میں پہنچ جاتا ہے۔ جس کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً (البقرۃ: 209) اس میں ایمان والوں کو کلی طور پر اسلام میں داخل ہونے کا حکم ہے۔ اسی لیے رسول کریم ﷺ کو اَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ (الانعام: 164) کہا گیا ہے یعنی آغاز میں بھی اوّل اور آخری بلند ترین درجہ میں بھی اول۔ سورت البقرۃ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے تمام ایمانیات کی تفصیل بھی بیان کر دی ہے آمَنَ الرَّسُولُ بِمَآ أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ (البقرۃ: 286) اور سورۃ النسا, میں ان کے انکار کا نام گمراہی رکھا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا۔ (النساء: 137)

قرآن کریم کی کئی آیات نیکوکاروں کی متعدد صفات اور مدارج کا ذکر کرتی ہیں اور نیکی کا آغاز ایمان سے کرتی ہیں مثلاً: لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ الْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ۔ (البقرۃ: 178) اس کے بعد نیک اعمال کا ذکر ہے۔ مندرجہ ذیل آیت میں بھی پہلے مسلمانوں اور پھر مومنوں کا ذکر کیا ہے اور پھر اعمال صالحہ کا۔ فرمایا: اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّاۗىِٕمِيْنَ وَالصّٰۗىِٕمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا۔ (الاحزاب: 36)

قرآن میں مومنوں کی اور بھی بے شمار صفات بیان کی گئی ہیں اور أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا (الانفال: 5) یعنی حقیقی مومن کہہ کر ان کے کردار کی نشان دہی کی ہے۔ پس قرآن کی روشنی میں ایک شخص محض اللہ اور رسول ﷺ کو قبول کر کے اسلام میں داخل ہو جاتا ہے اور اللہ اسے مسلمان کہلانے کا حق دیتا ہے۔ قرآن تو یہاں تک کہتا ہے کہ کوئی سلام بھی کرے تو اس کو غیر مومن نہ کہ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا۔ (النساء: 95)

اسلام اور ایمان پر قرآن جو تسلی بخش روشنی ڈالتا ہے اس کی عملی تائید سنت رسول ﷺ کرتی ہے۔

رسول کریم ﷺ نے اپنے قول و فعل سے مسلمان کس کو کہا ہے؟

مجھے ہمیشہ تعجب ہوتا ہے کہ مسلمان کی جتنی بھی تعریفیں کی گئی ہیں وہ سب احادیث سے مستنبط ہیں جو مختلف پس منظر رکھتی ہیں اور بعض تعریفیں نہیں صفات ہیں۔ تنبیہات ہیں۔ ان پر تعریف کا لفظ صادر نہیں آتا۔ ہمارا یہ مسئلہ سنت رسول حل کر دیتی ہے رسول اللہ ﷺ کے دَور کی تاریخ واضح طور پر یہ بیان کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر لوگ کس طرح ایمان لاتے تھے اور کیسے مسلمان ہوتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کس بات کا اقرار کراتے تھے؟ کیا تلقین فرماتے تھے؟ اس لحاظ سے یہ ایک کھلی تاریخ ہے جو امت کو بہت سے جھگڑوں سے نجات دلا سکتی ہے۔

حضرت خدیجہؓ، ابوبکرؓ اور علیؓ کیسے ایمان لائے تھے؟ یاد رہے کہ اس وقت تک ابھی صرف سورۃ العلق کی ابتدائی آیات نازل ہوئی تھیں اور ان میں نبی یا رسول یا قرآن یا توحید کا کوئی لفظ نہیں تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں اور دشمنوں سب کی تفہیم یہ تھی کہ آپ نبی ہیں اور توحید کے منادی ہیں پہلی وحی کے بعد ورقہ بن نوفل سے جب رسول اللہ ﷺ کی پہلی ملاقات ہوئی تو ورقہ نے سارے حالات سن کر کہا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، إِنَّكَ لَنَبِيُّ هٰذِهِ الْأُمَّةِ۔ (سیرۃ ابن ہشام باب خَدِيجَةُ بَيْنَ يَدَيْ وَرَقَةَ 1 جلد صفحہ 238) اور حضرت خدیجہ نے بھی یہی کہا أَشْهَدُ أَنَّكَ نَبِيُّ هٰذِهِ الْأُمَّةِ۔ (السیرۃ النبویۃ لابن کثیر جلد 1 صفحہ 408)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو دعوت اسلام دیتے ہوئے فرمایا: فأدعوك إلى الله وحده، وإلى عبادته، و كفر باللات والعزى۔ (سیرۃ ابن اسحاق، السیر والمغازي صفحہ 137)

حضرت محمد ﷺ کو نبی ماننے کا مطلب ہی توحید کا اقرار تھا۔ اور توحید ماننے کا مطلب محمد ﷺ کی نبوت کا اقرار تھا چنانچہ جن لوگوں نے اس دعویٰ کو قبول کر لیا وہ مسلم کہلائے اور انکار کرنے والے کافر۔ اور یہ تفریق نبوت کے پہلے دن سے ہوگئی۔ مسلمین اور کافر کا لفظ پہلی دفعہ سورۃ القلم (آیت 36،52) میں آیا ہے جو نزولِ قرآن کی ترتیب سے دوسری سورت ہے۔ رسول کا لفظ پہلی دفعہ سورۃ المزمل میں آیا ہے (آیت 16) جو نزولِ قرآن کی ترتیب سے تیسری سورت ہے۔

بعد میں جوں جوں قرآن مجید نازل ہوتا گیا اور مختلف صداقتوں مثلاً فرشتوں، نبیوں الٰہی کتب وغیرہ کا اضافہ ہوتا گیا نیز اعمال صالحہ کی تفصیل بیان ہوتی گئی تو وہ ایمانیات کا حصہ بنتی رہی۔ اسی لیے قرآن نے ہمیشہ ایمان کو اعمال صالحہ سے باندھا ہے اور 50 کے قریب آیات میں اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

مگر اسلام کی بنیادی شرائط اللہ اور رسول پر ایمان ہی ہیں۔ چنانچہ حضرت بلالؓ کے تمام دکھوں کی وجہ آپ کا اَحد اَحد کہنا ہی تھا۔ کئی مکی صحابہ کو رسول اللہ ﷺ کی دعوت اسلام کا ذکر کرتے ہوئے سیرت کی کتب میں لکھا ہے: قرأ عليهم القرآن، فأسلموا وشهدوا أنه على هدى ونور۔

(سیرۃ ابن اسحاق السیر والمغازي صفحہ 143)

ابتدائی مسلمانوں کے بعد 6 نبوی میں حضرت عمرؓ اسلام لائے جب ان کا دل اسلام کی طرف مائل ہوا تو انہوں نے اپنی مسلمان بہن اور بہنوئی سے پوچھا کہ اسلام کیسے قبول کیا جاتا ہے تو انہوں نے کہا اشهد ان ألا إله إلا الله وحده لا شريك له وأن محمدا عبده ورسوله اور یہی فقرات انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے دہرائے۔

(سیرۃ ابن اسحاق السیر والمغازي صفحہ 184،183)

رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا حضرت ابو طالب کو دعوت اسلام دیتے ہوئے فرمایا: أَيْ عَمِّ، قُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، كَلِمَةً أُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللهِ۔

(صحیح البخاری کتاب مناقب الانصار باب قصۃ ابی طالب حدیث نمبر 3884)

رسول اللہ ﷺ کا یہی پیغام حج کے موقع پر بھی ہوتا تھا۔ ایک صحابی حضرت ربیعہ اسلمیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اسلام لانے سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو حج کے موسم میں قائم ہونے والے بازاروں میں یہ کہتے ہوئے سنا۔ أَيُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ تُفْلِحُوْا۔ اور آپ کے پیچھے ابو لہب تھا جو کہتا تھا لوگو اس کی بات نہ سنو۔

(مسند احمد جلد 25 صفحہ 405 حدیث نمبر 16023)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک شخص کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور فرمایا: 'يَا خَالِ قُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ ....قَالَ: فَخَيْرٌ لِي أَنْ أَقُوْلَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نعم۔ (السیرۃ النبویۃ لابن کثیر جلد 2 صفحہ 189)

حضرت ثمامہ بن اثالؓ نے جب اسلام قبول کیا تو کہا فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ۔ (صحیح البخاری کتاب المغازی باب وفد بنی حنیفہ حدیث نمبر 4372)

حضرت جریرؓ کہتے ہیں کہ میں نے ان باتوں پر بیعت کی بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ، اس کے بعد نماز۔ زکوٰۃ اور اطاعت......۔

نبوت کے 11 ویں سال مدینہ کے 12 آدمیوں نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی۔ اس واقعہ کو بیعت عقبہ اولیٰ کہا جاتا ہے جن الفاظ میں رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیعت لی وہ صحابہ کے الفاظ میں محفوظ ہیں: بَايِعُونِي عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئًا، وَلَا تَسْرِقُوا، وَلَا تَزْنُوا، وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ وَلَا تَأْتُوا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُونَهُ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ، وَلَا تَعْصُوا فِي مَعْرُوفٍ۔ (صحیح البخاري کتاب الایمان باب علامۃ الایمان حدیث نمبر 18)

یہ الفاظ قرآن کی سورۃ الممتحنہ میں ہیں جو بعد میں مدینہ میں نازل ہوئی:
يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِىْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ...۔(الممتحنۃ:13) شاید یہ الفاظ وحی خفی کے طور پر پہلے نازل ہو چکے تھے۔ اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ بنیادی اقرار توحید و رسالت کا ہے اس کے بعد اعمال صالحہ کا ذکر ہے

اس آیت سے 2 آیات پہلے مومنات مہاجرات کے امتحان کا بھی ذکر ہے
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ...۔(الممتحنۃ:11)

یہ امتحان کیسے لیا جاتا تھا حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں ان امتحانھنّ أن یشهدن أن لا إله إلا الله وأن محمدًا عبده ورسوله۔
(تفسیر طبری جلد 23 صفحہ 328)

یاد رہے کہ قرآن مجید میں کلمہ طیبہ کا اکٹھا ذکر نہیں ہے لا الہ الا اللہ الگ ہے اور محمد رسول اللہ الگ۔ مگر مسلمان ہونے کے لیے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی کا اقرار کراتے تھے کہیں صرف یہ کلمہ طیبہ ہے اور کہیں اس کے ساتھ اشھد کے الفاظ ہیں یعنی میں گواہی دیتا ہوں۔ مضمون ایک ہی ہے۔ غالباً وحی خفی سے یہ الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائے ہیں۔ اور اس سے بہتر کلمات ہو بھی نہیں سکتے۔

ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اكْتُبُوا لِي مَنْ تَلَفَّظَ بِالإِسْلاَمِ مِنَ النَّاسِ فَكَتَبْنَا لَهُ أَلْفًا وَخَمْسَ مِائَةِ رَجُلٍ۔ (صحیح البخاري کتاب الجهاد باب کتابۃ الامام الناس حدیث نمبر 3060)

کچھ علماء کا خیال ہے کہ یہ واقعہ جنگ احد کا ہے اور بعض کے خیال میں حدیبیہ کا ہے۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری) اس سے واضح ہے کہ جو اپنے آپ کو منہ سے مسلمان کہتا ہے وہ ہمارے نزدیک مسلمان ہے۔

ایک صحابیؓ نے جنگ میں ایک ایسے دشمن کو قتل کر دیا جس نے موت کے خوف سے لا الہ الا اللہ کہہ دیا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ قیامت کے دن خدا کو کیا جواب دو گے۔
(صحیح البخاري کتاب المغازی باب بعث النبیؐ اسامۃ حدیث نمبر 4269)

ایک اور صحابیؓ نے پوچھا کہ اگر جنگ میں دشمن میرا ہاتھ کاٹ دے اور پھر میرے وار سے بچنے کے لیے دشمن اسلمت للّٰہ کہہ دے کیا میں اسے قتل کر دوں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام لانے کے بعد وہ مسلمان ہو کر مرے گا اور تو کافر ہو جائے گا۔ لَا تَقْتُلْهُ، فَإِنْ قَتَلْتَهُ فَإِنَّهُ بِمَنْزِلَتِكَ قَبْلَ أَنْ تَقْتُلَهُ، وَإِنَّكَ بِمَنْزِلَتِهِ قَبْلَ أَنْ يَقُولَ كَلِمَتَهُ الَّتِي قَالَ۔
(صحیح البخاري کتاب المغازی غزوہ بدر حدیث نمبر 4019)

حضرت سعد بن معاذؓ مدینہ میں اسلام لائے تو اپنے قبیلے سے کہا کہ جب تک تم اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان نہیں لاتے تم سے بات کرنا میرے لیے حرام ہے۔ ان کی پارسائی کا اتنا اثر تھا کہ اسی روز ان کا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔
(سیرت ابن کثیر جلد 2 صفحہ 184)

مدینہ میں حضرت عبد اللہ بن سلامؓ حاضر ہوئے اور کہا أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللهِ حَقًّا۔ (عیون الاثر جلد 1 صفحہ 238)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذؓ بن جبل کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو فرمایا: ادْعُهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ۔
(صحیح البخاری کتاب الزکوۃ باب وجوب الزکوٰۃ حدیث نمبر 1395)

فتح مکہ کے موقع پر ہزاروں لوگ مسلمان ہوئے وہ بھی صرف توحید و رسالت کے اقرار سے ہوئے تھے۔

الغرض قرآن کی واضح ہدایات اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حدیث و تاریخ اسلام سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مسلم کہلانے کے لیے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان کا اقرار ہی کافی ہے باقی سب ایمان کے درجات اور مراتب ہیں۔ جس قدر کوئی اعمال صالحہ میں ترقی کرے گا وہ ایمان میں بڑھتا چلا جائے گا اور کسی عمل کی کمی کی وجہ سے اسے کمزور ایمان تو کہا جا سکتا ہے اسے غیر مسلم یا کافر نہیں کہا جائے گا بلکہ اس کا کوئی ایسا قول یا عمل جس کے ذریعہ وہ اپنے اسلام کا اظہار

کرنا چاہتا ہوا سے بھی قبول کیا جائے گا جیسے سلام کرنے کا ذکر گزر چکا ہے۔

ایک جنگ میں دشمنوں نے ہتھیار ڈالتے ہوئے اَسْلَمْنَا کی بجائے صَبَأْنَا صَبَأْنَا کے الفاظ کہہ دیے مگر حضرت خالدؓ نے ان کی بدنیتی پر محمول کر کے لڑائی جاری رکھی تو رسول اللہ ﷺ نے ان پر ناراضگی فرمائی۔
(صحیح البخاری کتاب المغازی غزوہ بعث النبیؐ خالد حدیث نمبر 4339)

جنگ کے دوران اگر کہیں سے اذان کی آواز آتی تو رسول اللہؐ اس قوم پر حملہ نہ کرتے فَإِنْ سَمِعَ أَذَانًا كَفَّ عَنْهُمْ، وَإِنْ لَمْ يَسْمَعْ أَذَانًا أَغَارَ عَلَيْهِمْ۔ (صحیح البخاری کتاب الاذان باب ما یحقن بالاذان من الدماء حدیث نمبر 610) اذان بھی توحید و رسالت پر ہی مشتمل ہے۔

رسول کریم ﷺ نے متعدد جگہوں پر اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کے حقوق و فرائض کا ذکر کیا ہے۔ ان کی مختلف صفات بیان فرمائی ہیں: بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ۔
(صحیح البخاری کتاب الایمان باب بنی الاسلام علی خمس حدیث نمبر 8)

ظاہر ہے کلمہ طیبہ کے بعد نیک اعمال کا ذکر ہے مشہور حدیث جبریل کے مطابق حضرت جبریل نے رسول کریم ﷺ سے پوچھا: مَا الْإِسْلَامُ؟ قَالَ: اَلْإِسْلَامُ: أَنْ تَعْبُدَ اللهَ، وَلَا تُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا۔ اس کے بعد نماز، روزہ اور زکوٰۃ کا ذکر ہے۔
(صحیح البخاری کتاب الایمان باب سوال جبریل حدیث نمبر 50)

اسی طرح فرمایا: مَنْ صَلَّى صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا، وَأَكَلَ ذَبِيحَتَنَا فَذَلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِي لَهُ ذِمَّةُ اللهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ، فَلَا تُخْفِرُوا اللهَ فِي ذِمَّتِهِ۔
(صحیح البخاری کتاب الصلوۃ باب فضل استقبال القبلۃ باب حدیث نمبر 391)

یہ سب مسلمان کی مختلف علامات ہیں۔ ایک خصوصیت یہ بھی ہے۔ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ۔ (صحیح البخاری کتاب الایمان باب بنی الاسلام علی خمس حدیث نمبر 10)

پوچھا گیا أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ؟ فَقَالَ: إِيمَانٌ بِاللهِ وَرَسُولِهِ۔ (صحیح البخاری کتاب الایمان باب الایمان ھو العمل حدیث نمبر 26)

اسی طرح رسول کریم ﷺ نے بعض ایسی ناپسندیدہ باتوں کا بھی ذکر کیا جن کے حاملین سے آپ نے لاتعلقی کا اظہار فرمایا: مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا۔ (مسند الدارمی کتاب البیوع باب فی النھی عن الغش حدیث نمبر 2583) سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ۔ (صحیح البخاری کتاب الایمان باب خوف المؤمن حدیث نمبر 48) مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ متعمدًا فَقَدْ كفر (صحیح ابن حبان جلد 4 صفحہ 323) مگر کبھی بھی رسول اللہ ﷺ نے ان کو عالم اسلام سے باہر قرار نہیں دیا اور امت مسلمہ کا تعامل بھی یہی ہے کسی فرقہ نے اپنے بے نمازی یا دھوکا باز کو باہر نہیں نکالا۔ اس کی مثال بہت آسان ہے کسی بھی ادارے مثلاً یونیورسٹی میں طالب علم بنیادی شرائط پوری کر کے داخل ہوتا ہے۔ داخلے کے بعد تعلیم بنیادی فرض ہے لیکن اس کے علاوہ بھی طالب علم سے بہت سی توقعات ہوتی ہیں۔ اچھے کردار کا مظاہرہ کرے ڈسپلن کی پابندی کرے کھیلوں اور دیگر غیر نصابی سرگرمیوں میں شامل ہو۔ نیک نامی کا موجب ہو۔ ان سب کو فرائض، واجبات، مستحبات اور نوافل میں شمار کیا جا سکتا ہے وہ اعلیٰ اور ادنیٰ طالب علم ہو سکتا ہے مگر وہ اس ادارہ کا ممبر ضرور ہے۔

کیا ہی اچھا ہو کہ عالم اسلام اختلافات کی جنگ میں الجھنے کی بجائے قدر واحد پر اکٹھا ہو۔ مسلمان ہونے کے لیے رسول اللہ ﷺ صرف اللہ اور رسول پر ایمان لانے کی تلقین کرتے تھے۔ سارے صحابہ اسی طرح مسلمان ہوئے تھے تو ہم کیوں نہیں ہو سکتے۔ کسی کو دین میں اضافہ کی کیا ضرورت ہے یا کیا حق ہے؟ اگر اس بات پر سب فرقے اکٹھے ہو جائیں کہ جو اللہ اور رسول ﷺ پر ایمان لاتا ہے اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے وہ مسلمان ہے اس کے بعد اس کا اور خدا کا معاملہ ہے تو کتنے ہی مسلمان گویا نئے سرے سے اسلام میں داخل ہو جائیں گے اور عالم اسلام کتنی بڑی طاقت بن کر ابھرے گا۔ مگر آخری اور بڑا سوال یہ ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ واقعی آسان نہیں۔ مذہب کو اصلی اور سچی بنیادوں پر قائم کرنا، ٹوٹے دلوں کو جوڑنا اور باہمی دشمنیوں کو ختم کرنا کسی عالم، فلاسفر اور دانشور کا کام نہیں۔ سنت اللہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام صرف اور صرف خدا کے مامور ہی کر سکتے ہیں۔

(بحوالہ الفضل انٹرنیشنل 15 جون 2022)

☆......☆......☆

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ اقدس پر ایک اور حملہ اور اس کا جواب

(محمد سلطان ظفر۔کینیڈا)

مئی 2022 میں بھارت کی حکمران پارٹی بی جے پی کی قومی ترجمان نوپور شرما نے ٹی وی کے ایک پروگرام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہستی پر شدید اعتراضات کئے۔ ان کے اعتراضات کرنے کا طریقہ انتہائی جارحانہ اور ناقابلِ برداشت تھا۔اس پروگرام کے بعد دُنیا کے اکثر مسلمان ممالک میں بجا طور پر ایک شدید بے چینی پھیل گئی ہے اور کئی مسلمان حکومتوں نے بھارتی حکومت سے شدید احتجاج کیا ہے۔جس کے نتیجہ میں بھارتی حکومت نے مذکورہ لیڈر کی پارٹی رکنیت معطل کر دی ہے۔

اس ساری صورتحال میں مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ ہمارے پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر کئے گئے اعتراضات کے جوابات علمی رنگ میں بھی دیں تا کہ سوشل میڈیا پر جو نام نہاد ''غیر جانبدار'' یہ نکتہ اٹھا رہے ہیں کہ آخر اس سرکردہ لیڈر نے آخر غلط کیا کہا ہے؟ ان کی بھی تشفی ہو سکے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر جو دو اعتراضات اس خاتون نوپور شرما نے کیے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

1. بچی کے ساتھ نکاح کر کے جسمانی تعلق قائم کیا
2. گھوڑے پر بیٹھ کر آسمانوں پر چلے گئے تھے

پہلا اعتراض:

مذکورہ بالا خاتون نے پہلا اعتراض کیا کہ ''ایک بچی کے ساتھ نکاح کر کے جسمانی تعلق قائم کیا''

یہاں یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ اسلامی روایات میں نکاح اور رخصتی دو مختلف امور ہیں۔نکاح ایک مذہبی اور بعض ملکوں میں قانونی ضرورت ہے جس سے مرد اور عورت کو بطور میاں بیوی اکٹھا رہنے کی اجازت مل جاتی ہے۔جبکہ رخصتی وہ عمل ہے جب لڑکی بلوغت کی عمر میں پہنچ کر اپنے شوہر کے ساتھ اکٹھا رہنا شروع کر دیتی ہے۔نکاح پہلے ہو جاتا ہے اور بعد ازاں رخصتی ہوتی ہے۔

یہ دونوں امور اکٹھے بھی ہو سکتے ہیں اور دِنوں، ہفتوں، مہینوں یا سالوں کے وقفہ سے بھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے، بعض روایات کے مطابق سات سال کی عمر میں ہو گیا تھا، جب کہ بعض روایات کے مطابق 9 سال بلکہ بعض روایات کے مطابق 17 سال کی عمر میں ہوا۔

ابن سعد نے طبقات میں یہ روایت نقل کی ہے کہ

'كَانَتْ عَائِشَةُ وَلَدَتِ السَّنَةَ الرَّابِعَةَ مِنَ النُّبُوَّةِ فِي أَوَّلِهَا۔

یعنی حضرت عائشہ سنہ 4 نبوی کے ابتداء میں پیدا ہوئیں تھیں۔''

اور کئی روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؓ کی رخصتی 2 ہجری میں ہوئی۔ اس طرح آپ کی عمر 12 سال بنتی ہے۔

(بحوالہ سیرۃ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب۔صفحہ 423 تا426)

مخالفینِ اسلام نے تاریخ اسلام میں حضرت عائشہ کے نکاح کے واقعہ کو، اسلامی روایات سے بنیادی لاعلمی کی وجہ سے، رخصتی سمجھ کر شادی قرار دے دیا جو کہ خلافِ واقعہ ہے۔

یہ بات ثابت شدہ ہے کہ بعض ممالک، جن میں عرب ممالک بھی شامل ہیں ،کی بچیاں بہت جلد جوان ہو جاتی ہیں۔اور اب بھی کئی ممالک میں بارہ سال کی عمر میں شادی معمولی بات ہے۔اس وقت بھی پاکستان کی عدالتوں میں ایک کیس زیر سماعت ہے جس میں کراچی کی ایک لڑکی دُعا زہرا نے والدین سے اجازت لیے بغیر شادی کر لی ہے اور والدین کے مطابق اس کی عمر صرف 13 سال ہے۔ چونکہ صوبہ سندھ میں کم عمر شادی پر قانوناً پابندی ہے لہذا اس نے صوبہ پنجاب جا کر شادی کی تا کہ قانون کی گرفت میں نہ آ سکے۔ یہ بیان کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اگر پاکستان جیسے ملک میں جہاں عموماً لڑکیاں کمزور ہوتی ہیں اگر وہاں 13 سال کی بچی بلوغت کی عمر کو پہنچ سکتی ہے تو عرب میں جہاں

لڑکیاں جسمانی لحاظ سے قد کاٹھ میں کہیں بڑھی ہوتی ہیں، بلوغت کی عمر کو کیوں نہیں پہنچ سکتی؟

معترضین کے مطابق اگر یہ شادی نفسانی خواہشات کا نتیجہ تھی تو پھر کیوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راتیں بستر کی بجائے رکوع وسجود میں گزرتی تھیں؟

حضرت عائشہؓ خود فرماتی ہیں کہ نماز باجماعت کے علاوہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم باقاعدگی سے نوافل اور نماز تہجد کا التزام فرمایا کرتے تھے۔ جب سب دنیا سو رہی ہوتی آپؐ اپنے بستر کو چھوڑ کر بے قرار دل کے ساتھ اپنے خالق و مالک اور محبوب ازلی کے حضور حاضر ہو جاتے۔ اور اپنی مناجات پیش کرتے۔ گویا دربار خاص لگ جاتا جس میں آپؐ ہوتے اور سامنے آپ کا رب ہوتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت اس قدر دعائیں کرتے اور اس قدر لمبی نماز پڑھتے کہ حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ بعض دفعہ کھڑے کھڑے آپؐ کے پاؤں متورم ہو جاتے اور پھٹنے لگتے۔

(بخاری کتاب التہجد باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

رات کا وقت ہے۔ حضرت عائشہؓ کی آنکھ کھلتی ہے وہ آپؐ کو اپنے بستر پر نہیں پاتیں۔ وہ کہتی ہیں

''ایک رات (میری آنکھ کھلی) تو میں نے حضورؐ کو اپنے بستر پر نہ پایا۔ مجھے خیال آیا کہ حضورؐ مجھے چھوڑ کر کسی اور بیوی کے پاس چلے گئے ہیں۔ پھر میں حضورؐ کو تلاش کرنے لگی تو کیا دیکھتی ہوں کہ حضورؐ (نماز میں) رکوع میں ہیں (یا شاید) آپؐ اس وقت سجدہ کر رہے تھے اور یہ دعا کر رہے تھے کہ اے اللہ تو اپنی تمام تعریفوں کے ساتھ ہر قسم کی بزرگی کا حامل ہے (تو میرا رب ہے) تیرے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں اور آپؐ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ اے اللہ جو کچھ میں لوگوں سے چھپ کر کرتا ہوں اور جو کچھ میں ان کے سامنے کرتا ہوں ان میں سے ہر عمل کو اپنی رحمت اور مغفرت سے ڈھانپ لے۔''

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ مَیں نے حضور کو جب (نماز میں) اس طرح اپنے مولیٰ کے حضور دعا کرتے دیکھا تو مجھے اپنی حالت پر افسوس ہوا اور میں نے دل ہی دل میں کہا تم کیا سمجھ بیٹھیں خدارا ان کی تو شان ہی کچھ اور ہے۔

(نسائی کتاب عشرۃ النساء باب الغیرۃ و کتاب الصلوٰۃ باب الدعاء فی السجود)

ایک بار حضرت ابن عمرؓ نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ آپ مجھے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی ایسی بات بتائیں جو آپ کو بہت ہی عجیب معلوم ہوتی ہو۔ اس پر حضرت عائشہؓ رو پڑیں اور ایک لمبے عرصہ تک روتی رہیں اور جواب نہ دے سکیں پھر فرمایا کہ

آپؐ کی تو ہر بات ہی عجیب تھی کس کا ذکر کروں اور کس کا نہ کروں۔ ایک رات میرے ہاں باری تھی حضورؐ میرے پاس تشریف لائے بستر میں داخل ہوئے اور فرمایا اے عائشہ کیا مجھے اِس بات کی اجازت دیں گی کہ مَیں اپنے رب کی عبادت میں یہ رات گزاروں۔

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یقیناً مجھے تو آپ کا قُرب پسند ہے اور آپؐ کی خوشنودی مقصود ہے میں آپ کو خوشی سے اجازت دیتی ہوں۔ اس پر حضور اٹھے اور گھر میں لٹکے ہوئے ایک مشکیزہ کی طرف گئے اور وضو کیا پھر آپؐ نماز پڑھنے لگے اور قرآن کا کچھ حصہ تلاوت فرمایا۔ آپؐ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی پھر آپؐ بیٹھ گئے اور خدا کی حمد اور تعریف کی اور پھر رونا شروع کر دیا پھر آپؐ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور پھر رونے لگے یہاں تک میں نے دیکھا کہ آپؐ کے آنسوؤں سے زمین تر ہو گئی اور اسی حال میں وہ رات گزر گئی اور جب صبح کے وقت حضرت بلالؓ نماز کے لئے آپؐ کو بُلانے آئے تو اس وقت بھی آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ رو رہے ہیں کیا آپؐ کے متعلق اللہ نے یہ خوشخبری نہیں دی وَقَدْ غَفَرَ اللّٰہُ لَکَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ پھر آپ کیوں روتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ''اے بلال کیا میں خدا تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔''

(تفسیر کشاف زیر آیت ان فی خلق السمٰوٰت والارض)

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رویا میں حضرت عائشہؓ سے شادی کا اشارہ پایا تھا۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے الٰہی اشارہ پا کر اپنے بیٹے کو دریا میں بہا دیا تھا، جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو الٰہی اشارہ پا کر پہلے لق و دق صحرا میں چھوڑ دیا اور پھر ان کے گلے پر چھری پھیرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ (اور ایک بھاری مسلم وغیر مسلم اکثریت کے مطابق چھری پھیر بھی دی تھی)۔ لیکن کوئی یہودی یا عیسائی اس بات پر اعتراض نہیں کرتا کہ کیسے ایک شیر خوار بچے کو ایک سگی ماں نے دریا میں بہا دیا یا کیسے ایک باپ اپنے بیٹے کے گلے پر

چھری پھیر سکتا ہے بلکہ پوری دُنیا بڑے فخر سے ان واقعات کو بیان کرتی ہے اوران کے نقشِ قدم پر چلنے کی تلقین کرتی ہے کیوں کہ سب کو معلوم ہے کہ یہ الٰہی منشاء تھی نہ کہ ذاتی خواہش اسی طرح حضرت عائشہؓ سے شادی الٰہی منشاء کے مطابق تھی نہ کہ رسول اللہ ﷺ کی نفسانی خواہشات کے مطابق۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ نے، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کے جن پاک گوشوں کو اجاگر کیا ہے وہ کسی اور صحابی کے لئے ناممکن تھا اور پاک شادی کی یہ بھی ایک بنیادی وجہ تھی۔اس کم عمری کی شادی کی وجہ سے حضرت عائشہؓ کو کم عمری میں ہی رسول کریم ﷺ کے ساتھ دن رات، دس سال گزارنے کا موقع مل گیا۔اور چونکہ چھوٹی عمر میں یادداشت اچھی ہوتی ہے لہذا رسول اللہ ﷺ کے سیرت کے جو پہلو حضرت عائشہؓ نے، رسول کریم ﷺ کی وفات کے 50 سال بعد تک بیان فرمائے ہیں، وہ کوئی اور بیان کرہی نہیں سکتا تھا۔ یہ ایک ایسا عظیم الشان احسان امتِ مسلمہ پر ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ ان 50 سالوں میں آپؓ نے امت مسلمہ کو سنتِ نبوی اوراحادیث سے روشناس کروایا اور ہم آج تک اُن سے فیض مند ہو رہے ہیں اور یہ فیض انشاء اللہ تا قیامت جاری رہے گا۔حضرت ابو ہریرہؓ کے بعد سب سے زیادہ روایات حضرت عائشہؓ سے ہی مروی ہیں۔آپؓ نے نہ صرف احادیث امتِ مسلمہ تک پہنچا کر امتِ مسلمہ پر احسانِ عظیم فرمایا بلکہ دین کی وضاحت اور تشریح بھی کی۔اور ایسا کیوں نہ ہوتا! رسول کریم ﷺ نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ تم آدھا دین عائشہؓ سے سیکھ سکتے ہو۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپؓ کو آدھا دین آتا تھا۔حضرت عائشہؓ، جو کہ اپنے آقا کے ہر رنگ میں رنگی ہوئی تھیں تو ہر پہلو سے دین کو سمجھتی تھیں، لہذا حضور ﷺ کی حدیث کا یہی مطلب بنتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا رتبہ آدھے نبی جتنا ہے، کیونکہ یہ نبی کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ اپنی امت کو دین سکھائے۔

دوسرا اعتراض:

1.نوپور شرما نے دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ (رسول اللہ ﷺ) ”گھوڑے پر بیٹھ کر آسمانوں پر چلے گئے تھے“

اس اعتراض کے جواب میں WWW.ALISLAM.ORG پر شائع شدہ مضمون میں سے چنیدہ اقتباسات پیشِ خدمت ہیں۔جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ معراج اور اسراء کے واقعات جسمانی نہیں بلکہ نہایت اعلیٰ درجہ کے روحانی تجربات تھے۔

معراج یعنی آسمان پر جانے کا واقعہ 5 نبوی میں ہوا جب آپ خانہ کعبہ یعنی مسجدِ حرام میں سو رہے تھے جبکہ اسراء یعنی بیت المقدس جانے کا واقعہ 11 نبوی میں ہوا جب آپ اپنی چچا زاد بہن امّ ہانیؓ کے گھر سو رہے تھے۔ دونوں واقعات میں سونے کی حالت کا مشترک ہونا بتاتا ہے کہ یہ واقعات جسمانی نہیں بلکہ روحانی تھے۔

اگر معراج جسمانی ہوتا تو پھر نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کو جسمانی آنکھ سے دیکھتے لیکن قرآن وحدیث میں ذکر ہے کہ جو کچھ بھی دیکھا گیا دل سے دیکھا گیا۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى

(سورۃ النجم آیت 12)

ترجمہ: اور دل نے جھوٹ بیان نہیں کیا جو اس نے دیکھا۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ

(سورۃ بنی اسرائیل آیت 61)

ترجمہ: اور وہ خواب جو ہم نے تجھے دکھایا اُسے ہم نے نہیں بنایا مگر لوگوں کے لئے آزمائش۔۔۔

”ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اپنے دل سے دوبار دیکھا۔“

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رَاٰهُ بِفُؤَادِهٖ مَرَّتَيْنِ

(مسلم کتاب الایمان)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں

”من زعم ان محمد صلی الله علیه وسلم رای ربه فقد اعظم علی الله القرية... اولم تسمع ان الله عزوجل يقول لا تدركه الابصار وهو يدرك الابصار...“

(مسلم کتاب الایمان)

”جو اس بات کا قائل ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا اس

نے اللہ پر بڑا جھوٹ باندھا۔۔۔کیا تو نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آنکھیں اس تک نہیں پہنچتیں بلکہ وہ آنکھوں تک پہنچتا ہے۔''

کفارِ مکّہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ اگر آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہمارے لئے ایک کتاب لے آئیں تب ہم آپ پر ایمان لائیں گے۔اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ ایسی باتوں سے پاک ہے۔یعنی وہ کبھی بھی کسی انسان کو جسم سمیت اوپر نہیں لے کر گیا اور میں تو صرف ایک بشر رسول ہوں۔

اَوۡ یَکُوۡنَ لَکَ بَیۡتٌ مِّنۡ زُخۡرُفٍ اَوۡ تَرۡقٰی فِی السَّمَآءِ ؕ وَ لَنۡ نُّؤۡمِنَ لِرُقِیِّکَ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیۡنَا کِتٰبًا نَّقۡرَؤُهٗ ؕ قُلۡ سُبۡحَانَ رَبِّیۡ هَلۡ کُنۡتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوۡلًا

(سورۃ بنی اسرائیل آیت 94)

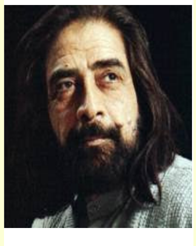
"یا تُو آسمان میں چڑھ جائے۔مگر ہم تیرے چڑھنے پر بھی ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ تُو ہم پر ایسی کتاب اتارے جسے ہم پڑھ سکیں۔تُو کہہ دے کہ میرا ربّ (ان باتوں سے) پاک ہے (اور) میں تو ایک بشر رسول کے سوا کچھ نہیں۔''

صحیح بخاری میں مذکور مندرجہ ذیل حدیث پوری وضاحت سے یہ ثابت کر رہی ہے کہ یہ سارا نظارہ روحانی تھا۔اس حدیث کے شروع میں کہا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ حرام میں سو رہے تھے۔آپ کی آنکھیں تو بند تھیں لیکن دل جاگ رہا تھا۔پھر اس حدیث کا اختتام ان الفاظ سے ہوتا ہے کہ پھر حضور جاگ گئے اور آپ مسجدِ حرام میں ہی تھے۔چنانچہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ سارا نظارہ دل نے دیکھا جو جاگ رہا تھا جبکہ آنکھیں سو رہی تھیں۔

'و ھو نائم فی المسجد الحرام ... یریٰ قلبہ و تنام عینہ ولا ینام قلبہ ... واستیقظ و ھو فی المسجد الحرام"

(بخاری کتاب التوحید)

"اور آپ مسجدِ حرام میں سو رہے تھے۔۔۔آپ کا دل دیکھ رہا تھا اور آپ کی آنکھیں سو رہی تھیں لیکن دل نہیں سو رہا تھا۔۔۔اور آپ بیدار ہوئے تو مسجدِ حرام میں تھے۔''



غزل

عبیداللہ علیم

آنکھ سے دور سہی دل سے کہاں جائے گا
جانے والے تو ہمیں یاد بہت آئے گا

خواب سا دیکھا ہے تعبیر نہ جانے کیا ہو
زندگی بھر کوئی اب خواب ہی دہرائے گا

ٹوٹ جائیں نہ کہیں پیار کے نازک رشتے
وقت ظالم ہے ہر اک موڑ پہ ٹکرائے گا

عشق کو جرم سمجھتے ہیں زمانے والے
جو یہاں پیار کرے گا وہ سزا پائے گا

حضرت عائشہ صدیقہؓ خدا کی قسم کھا کر بیان فرماتی ہیں کہ معراج میں حضور کا جسم غائب نہیں ہوا تھا۔

وَ اللہِ مَا فُقِدَ جَسَدَ رَسُولِ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم وَلٰکِن عُرِجَ بِرُوحِہ (تفسیر کشّاف)

ترجمہ: اللہ کی قسم (معراج میں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم غائب نہیں ہوا تھا بلکہ آپ کی روح کے ذریعے معراج ہوئی تھی۔

قارئینِ کرام! روزِ اوّل سے اسلام اور رسول اللہ ﷺ پر بڑے سخت، گھٹیا اور جھوٹے الزامات لگائے جا رہے ہیں اور ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم غیرت کا مظاہر کرتے ہوئے ہر لحظہ اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی عزت کی حفاظت کے لئے تیار رہیں اور ان کے خلاف ہر حملہ کے آگے سیسہ پلائی دیوار بن کر کھڑے ہو جائیں۔ نیز اسلام کا پُرامن پیغام دُنیا کے ہر کونے تک پہنچا دیں تاکہ وہ اعتراضات جو ابھی بیج ہیں اگنے سے پہلے سے ہی ختم ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے۔آمین۔



نظامِ خلافت اور ہماری ذمہ داریاں

جمیل احمد بٹ



نظام خلافت اور اس کے حوالے سے ہماری ذمہ داریوں کا مضمون قرآن کریم کی آیت استخلاف (نور ۲۴:۵۶) میں پورے طور پر بیان ہوا ہے۔اس وقت اس میں سے چند باتوں کا دہرانا مقصود ہے۔

1۔خلیفہ خدا بناتا ہے:

یہ وعدۂ خلافت خدا کی طرف سے ہے جیسا کہ فرمایا کہ: وَعَدَ اللّٰهُ ۔پھر مزید یہ وضاحت فرمائی کہ: لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ کہ ضرور (وہی) خلیفہ بنائے گا۔ كَمَا اسْتَخْلَفَ جیسا کہ اس نے خلیفہ بنائے قَبْلِهِمْ پہلے۔جو وعدہ کرتا ہے وہی پورا کرتا ہے۔سو اس وعدہ کو پورا کرتے ہوئے اللہ ہی خلیفہ بناتا ہے۔

عملاً ہمیشہ ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔جیسا کہ درج ذیل مثالوں سے ثابت ہے:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ: پہلے خلیفہ راشد کے خدا کے خلیفہ بنائے جانے کے بارے خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درج ذیل ارشاد موجود ہے:

لَقَدْ هَمَمْتُ أَوْ أَرَدْتُ أَنْ أُرْسِلَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ وَ ابْنِهِ وَ أَعْهَدَ أَنْ يَقُوْلَ الْقَائِلُوْنَ أَوْ يَتَمَنَّى الْمُتَمَنُّوْنَ ثُمَّ قُلْتُ يَأْبَى اللّٰهُ وَ يَدْفَعُ الْمُؤْمِنُوْنَ (صحیح بخاری کتاب المرضیٰ باب قول المریض)

ترجمہ: مَیں نے ایک بار ارادہ کیا تھا کہ ابوبکر اور آپ کے بیٹے کو بلاؤں اور خلافت کی وصیت لکھ دوں تا کہ باتیں بنانے والے باتیں نہ بنا سکیں اور اس کی تمنا کریں والے اس کی تمنا نہ کریں پھر مَیں نے کہا (ابوبکر کے علاوہ کسی بھی دوسرے کا) اللہ تعالیٰ لازماً انکار کر دے گا اور مومن بھی اسے ضرور ردّ کر دیں گے۔

(سیرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلد دوم از ہادی علی چوہدری صفحہ نمبر ۸۱۱ شائع کردہ اسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز ٹلفورڈ ایڈیشن ۲۰۱۰ء)

اس انتخاب کے الٰہی ہونے کے بارے میں حضرت مسیح موعود نے فرمایا:

’ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیوں اپنے بعد خلیفہ مقرر نہ کیا اس میں بھی یہی بھید تھا کہ آپ کو خوب علم تھا کہ اللہ تعالیٰ خود ایک خلیفہ مقرر فرما دے گا کیونکہ یہ خدا کا ہی کام ہے۔۔۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کام کے واسطے خلیفہ بنایا‘۔

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ نمبر ۵۲۴ نیا ایڈیشن)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: دوسرے خلیفہ ٔراشد نے اس حقیقت کا خود یوں اظہار فرمایا:

’’جس شخص نے مال کے متعلق کوئی بات دریافت کرنی ہو وہ میرے پاس آئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خلیفہ بنا کر قوم کے مالوں کا امین بنایا ہے‘۔

(تاریخ عمر ابن خطاب صفحہ نمبر ۸۷)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ: تیسرے خلیفہ ٔراشد کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ خبر دی۔جیسا کہ فرمایا:

روجل لعله ان يقمصك قميصا، فان ارادوك على خلعه فلا تخلعه

(ترمذی و مسند احمد بن حنبل)

ترجمہ: اے عثمان! اللہ تعالیٰ تمہیں ایک قمیض پہنائے گا اگر منافق اس کو اتارنے کا قصد کریں تو تم اسے نہ اتارنا۔

(تاریخ الخلفاء از حضرت امام جلال الدین سیوطیؒ اردو ترجمہ از مولوی محمد منشا تابش قصوری صفحہ نمبر ۲۲۲ ناشر شبیر برادرز، اردو بازار لاہور)

اس پیش گوئی میں خلیفہ بنایا جانا اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور اس کی مخالفت کو لوگوں کی طرف۔

وقت آنے پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی الفاظ دہرائے اور فرمایا:

لا انزع قميصاً قمصنيه الله (طبری جلد ۵ صفحہ نمبر ۱۲۱)

ترجمہ: مَیں اس قمیصِ خلافت کو ہرگز نہ اتاروں گا جو اللہ تعالیٰ نے مجھے پہنائی ہے۔

خلافتِ راشدہ دورِ ثانی: حضرت مسیح موعود نے اپنے بعد جہاں سلسلۂ خلافت کے قیام کی خبر دی وہیں اسے خدا تعالیٰ کی طرف منسوب بھی کیا۔جیسا کہ فرمایا:

'مَیں جب جاؤں گا تو پھر خدا اس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا'۔ (رسالہ الوصیت روحانی خزائن جلد نمبر ۲۰ صفحہ نمبر ۳۰۵ نیا اڈیشن)

اور پھر یونہی ظہور میں آیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نوّر اللہ مرقدہ: قدرتِ ثانیہ کے پہلے مظہر حضرت مولانا حکیم نور الدین نے اپنے خلیفہ ہونے کو اللہ کا کام قرار دیتے ہوئے فرمایا:

' اللہ تعالیٰ نے ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو خلیفہ بنایا۔۔میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے بھی خدا ہی نے خلیفہ بنایا ہے'۔

(الحکم ۲۱،۲۸ جون ۱۹۱۲ء بحوالہ خطاباتِ نور صفحہ ۴۷۱ نظارت اشاعت ربوہ ۲۰۱۳ء)

نیز آیندہ بھی ایسا ہی ہونے کی خبر دیتے ہوئے فرمایا:

'خلیفہ اللہ ہی بناتا ہے میرے بعد بھی اللہ ہی بنائے گا'۔ (پیغامِ صلح ۲۴ فروری ۱۹۱۴ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نوّر اللہ مرقدہ: اسی طرح قدرتِ ثانیہ کے دوسرے مظہر حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے فرمایا:

'خدا نے مجھے خلیفہ بنایا ہے اور خدا تعالیٰ اپنے انتخاب میں غلطی نہیں کرتا'۔ (کون ہے جو خدا کے کام کو روک سکے بحوالہ انوار العلوم جلد دوم صفحہ نمبر ۱۸)

2۔خدا کا انتخاب کیسے؟

خلفاء کا انتخاب بظاہر مومنوں کی رائے سے ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود اسے خدا کا انتخاب قرار دیا جانا اس مخفی خدائی تقدیر کی وجہ سے ہے جو اوّل خود خلیفہ چنتی ہے اور پھر اس کی مشیت اپنے خاص تصرف سے مومنوں کے دل اس چنندہ وجود کی طرف مائل کر دیتی ہے اور کثرت رائے اس طرف ہو جاتی ہے۔ اس وقت مجلسِ منتخبہ کی حیثیت ایک آلہ کی سی ہوتی ہے جسے خدا اپنی تقدیر کو جاری کرنے کے لئے اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔

خدائی انتخاب پر واقعاتی شہادات: اس چناؤ کے خدائی انتخاب ہونے کی مزید تائید ان تین امور سے ہوتی ہے کہ یہ منتخبہ وجود اس منصب کے خواہش مند نہیں ہوتے، انتخاب کے بعد ایک نئے وجود بن جاتے ہیں اور یہ کہ خلافت کے قیام کی دنیوی کوششیں ہمیشہ ناکام رہتی ہیں۔ بار بار ظاہر ہونے والی ایسی چند واقعاتی شہادات درج ذیل ہیں:

ا۔خواہش نہ رکھنا: منتخب وجود خود اس منصب کا خواہش مند نہیں ہوتا بلکہ اس ذمہ داری کو بوجھ جانتا ہے۔

i۔جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد ہے:

'بخدا مجھے کبھی بھی امارت کی حرص نہیں تھی اور نہ مجھے اس میں رغبت تھی اور نہ کبھی ظاہر و پوشیدہ میں مَیں نے اللہ تعالیٰ سے اس کا ہی سوال کیا تھا'۔

(مستدرک بحوالہ تاریخ الخلفاء از حضرت امام جلال الدین سیوطیؒ اردو ترجمہ از مولوی محمد منشا تابش قصوری صفحہ نمبر ۱۰۲ ناشر شبیر برادرز اردو بازار لاہور)

ii۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نوّر اللہ مرقدہ نے بھی انتخاب خلافت کے بعد اپنی پہلی تقریر میں فرمایا:

'میری پچھلی زندگی پر غور کر لو مَیں کبھی امام بننے کا خواہش مند نہیں ہوا ۔۔۔مَیں ہرگز ایسی باتوں کا خواہش مند نہیں اگر خواہش ہے تو یہ کہ میرا مولیٰ مجھ سے راضی ہو جائے'۔

(الحکم ۶ جون ۱۹۰۸ء بحوالہ خطاباتِ نور صفحہ ۲۴۷ نظارت اشاعت ربوہ ۲۰۱۳ء)

iii۔اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نوّر اللہ مرقدہ نے انتخابِ خلافت کے چند دنوں کے بعد فرمایا:

'مَیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مَیں نے کبھی انسان سے خلافت کی تمنا نہیں کی اور یہی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ سے بھی کبھی یہ خواہش نہیں کہ وہ مجھے خلیفہ بنا دے'۔

(کون ہے جو خدا کے کام کو روک سکے بحوالہ انوار العلوم جلد دوم صفحہ نمبر ۱۴)

iv۔ اور یہی بات حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

سے بزبانِ حال ظاہر ہوئی۔ انتخاب کے بعد آپ کی کیفیت کا جو حال ہم نے MTA پر دیکھا وہ خوب ظاہر کرتا ہے کہ آپ کس طرح اپنے آپ کو اس بوجھ تلے دبا پاتے تھے۔ پھر بعد میں آپ کا یہ ارشاد گویا اس باب میں حرفِ آخر ہے:

'میں تو جب اپنا جائزہ لیتا ہوں تو شرمسار ہوتا ہوں۔ میں تو ایک عاجز ، ناکارہ، نااہل پُرمعصیت انسان ہوں۔ مجھے نہیں پتہ کہ خدا تعالیٰ کی مجھے اس مقام پر فائز کرنے کی کیا حکمت تھی'۔

(خطاب فرمودہ خلافت جوبلی 27 مئی 2008ء بحوالہ الفضل انٹرنیشنل ۲۵ جولائی تا ۷ اگست ۲۰۰۸ء صفحہ ۱۲ الندن)

۲۔منصبِ خلافت پر فائز ہونے والوں کا یکدم ایک نیا وجود بن جانا

:منتخب ہونے والے حضرات کا منصب خلافت کے تقاضوں کے مطابق یکدم ایک نیا وجود ہو جانا اس امر پر ایک حیرت انگیز شہادت ہے کہ وہ خدا کے انتخاب سے ہی خلیفہ ہوتے ہیں۔ اس بارے میں حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں:

'یہ قانونِ قدرت ہے کہ جب خدا کے رسول کا کوئی خلیفہ اس کی موت کے بعد مقرر ہوتا ہے تو شجاعت اور ہمت اور استقلال اور فراست اور دل قوی ہونے کی روح اس میں پھونکی جاتی ہے'۔

(تحفۂ گولڑویہ روحانی خزائن جلد نمبر ۱۷ صفحہ نمبر ۱۸۵ نیا ایڈیشن)

یہ تبدیلی اس قرآنی ارشاد کے تابع ہے کہ:

یَعۡبُدُوۡنَنِیۡ لَا یُشۡرِکُوۡنَ بِیۡ شَیۡئًا ؕ (نور ۵۶:۲۴)

ترجمہ: وہ میری عبادت کریں گے ۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

اس حصۂ آیت کے ذیل میں حضرت مصلح موعود نوّراللہ مرقدہ نے تحریر فرمایا ہے:

'یہاں بت پرستی کا ذکر نہیں بلکہ اس امر کا ذکر ہے کہ وہ بندوں سے ڈر کر کسی مقام سے اپنا قدم پیچھے نہیں ہٹائیں گے بلکہ جو کچھ کریں گے خدا تعالیٰ کے منشاء اور اس کی رضا کو پورا کرنے کے لئے کریں گے اور اس امر کی ذرا بھی پرواہ نہیں کریں گے کہ اس راہ میں انہیں کن بلاؤں اور آفات کا سامنا کرنا پڑتا ہے'۔

(تفسیر کبیر از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نوّراللہ مرقدہ جلد ششم صفحہ نمبر ۳۸۲)

اس تبدیلی کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

i۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ انتہائی رفیق القلب تھے۔ قرآنِ کریم پڑھتے تو زاروقطار رونے لگتے لیکن جب خلیفہ ہوئے تو یکدم ایسے باہمت اور قوی ہو گئے کہ صحابہ کی اجتماعی رائے کے برخلاف اس لشکر کو جسے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے قبل تیار کیا تھا یہ کہہ کر روانہ کر دیا:

والذین لا الہ الا ھو لو جرت الکلاب با رجل ازواجِ النبیؐ ما ردوث جدیثاً و جلصہ رسول اللہ

ترجمہ: اس خدا کی قسم جس کے سوائے کوئی معبود نہیں ہے کہ اگر رسول اللہ کی (پاک) بیویوں کے پاؤں کتے پکڑ کر گھسیٹیں جب بھی مَیں اس لشکر کو واپس نہیں بلاؤں گا جس کو میرے آقاؐ نے روانہ فرمایا تھا

(تاریخ الخلفاء از حضرت امام جلال الدین سیوطیؒ اردو ترجمہ از مولوی شمس بریلوی ، صفحہ نمبر ۲۰۷۔۲۰۸ پروگریسو بکس ۴۰۔بی اردو بازار لاہور)

ایسا ہی سخت رویہ آپ نے منکرینِ زکوٰۃ کے ساتھ رکھا۔

ii۔حضرت عمرؓ کے بارے میں لکھا ہے کہ

'مزاج قدرتی طور پر نہایت تند، تیز اور زود مشتعل واقع ہوا تھا'۔

(الفاروق از علامہ شبلی نعمانی صفحہ ۳۸۸، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

لیکن خلیفہ ہونے کے بعد آپ بالکل بدل گئے۔ جیسا کہ لکھا ہے کہ

'اس عہدۂ جلیلہ کے بعد یہ سختی صرف ظالموں اور تعدّی کرنے والوں کے لئے رہ گئی۔ ورنہ جہاں خدا کا حکم سنا، تکلیف میں مبتلا کو دیکھا تو طبیعت میں رقّت پیدا ہو گئی۔ آپ کی طبیعت کی نرمی اور رحم کے لئے یہی کافی ہے کہ بازار میں نکلتے تو بچے دوڑ کر آپ کو تھام لیتے۔ 'اے پیارے باپ' کہتے ہوئے آپ سے چمٹ جاتے۔ آپ ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے۔ ان سے پیار کرتے'۔

(ازالۃ الخلفاء از حضرت ولی اللہ شاہؒ مقصد دوم صفحہ ۶۳، بحوالہ سیدنا حضرت عمر فاروق ؓ از مولانا غلام باری سیف، صفحہ ۵۵، ۵۶، ضیاء الاسلام پریس، ربوہ)

iii۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نوّراللہ مرقدہ بھی انتہائی نرم مزاج ہوتے تھے لیکن زمانۂ خلافت میں جب انکارِ خلافت کے فتنہ نے سر اٹھایا تو آپ نے سختی سے اس کا سر کچلا اور اُس کے لیڈروں کو دوبارہ بیعت کا حکم دیا اور ایک بار ان الفاظ میں تنبیہ فرمائی:

'اگر تم زیادہ زور دو گے تو یاد رکھو کہ میرے پاس ایسے خالد بن ولید ہیں جو تمہیں مرتدوں کی طرح سزا دیں گے'۔(بدر ۱۱ جولائی ۱۹۱۱ء)

۳۔قیامِ خلافت کے دنیوی منصوبوں کا ناکام رہنا :چونکہ خلیفہ خدا بناتا ہے اس لئے کوئی شخص اپنے منصوبہ اور کوشش سے خود کو یا کوئی گروہ کوشش سے اپنے نمائندہ کو خلیفہ نہیں بنوا سکتا اور نہ کسی دنیوی اسکیم اور کوشش سے نظامِ خلافت قائم ہوسکتا ہے۔ایسی پہلی کوششیں بھی ناکام رہی ہیں اور جو آیندہ کی جائیں گی ان کا انجام بھی ناکامی ہی ہے۔گزشتہ ناکام کوششوں کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

i۔چودھری رحمت علی صاحب کا یہ منصوبہ کہ :

'اوّل تمام مسلح ممالک کے سربراہ اپنے میں سے کسی کو خلیفہ چن لیں اور باقی اپنے ملکوں (جواب صوبے ہو جائیں گے) کے گورنر بن جائیں۔دوسرے کوئی حکمران خود کو خلیفہ بنالے اور باقی تمام ممالک کو مدغم کر کے ایک مملکت بنالے۔ تیسرے اور آخر صورت یہ کہ پوری اسلامی دنیا کے عوام سڑکوں پر نکل آئیں اور اپنے حکمرانوں کو بحالیٔ خلافت پر مجبور کریں'۔

(خلافت اور ہمارے جملہ مسائل از چودھری رحمت علی ملخص صفحہ نمبر ۱۱۱۔۱۱۲ لاہور ۱۹۹۱ء)

ii۔ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا یہ منصوبہ جس کے تحت ان کی جماعت تنظیم اسلامی کے انقلابی عمل کے ذریعہ پہلے پاکستان میں احیائے خلافت ہو اور پھر آگے پھیلایا جائے۔

(پاکستان میں نظامِ خلافت،امکانات،خدوخال اوراس کے قیام کے طریق از ڈاکٹر اسرار احمد ملخص صفحہ نمبر ۳۳،۳۵)

iii۔ حزب التحریر کا یہ نعرہ :

'اے مسلمانوں خلافت کو قائم کرو'۔

(اشتہار حزب التحریر کی پکار ۱۳ اپریل ۲۰۰۳ء)

اس حوالے سے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کا یہ ارشاد فیصلہ کُن ہے :

'سارا عالمِ اسلام مل کر بھی زور لگالے اور خلیفہ بنا کر دکھا دے وہ نہیں بنا سکتا کیونکہ خلافت کا تعلق خدا کی پسند سے ہے'۔

(خطبہ فرمودہ ۱۲ اپریل ۱۹۹۳ء بحوالہ ہفت روزہ بدر ۶ مئی ۱۹۹۳ء)

اوراس باب میں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایداللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا یہ ارشاد تو گویا نوشتۂ دیوار ہے:

'اے دشمنانِ احمدیت!میں تمہیں دوٹوک الفاظ میں کہتا ہوں کہ اگر تم خلافت کے قیام میں نیک نیت ہو تو آؤ اور مسیح محمدی کی غلامی قبول کرتے ہوئے اُس کی خلافت کے جاری و دائمی نظام کا حصہ بن جاؤ ورنہ تم کوششیں کرتے کرتے مرجاؤ گے اور خلافت قائم نہیں کرسکو گے۔تمہاری نسلیں بھی اگر تمہاری ڈگر پر چلتی رہیں تو وہ بھی کسی خلافت کو قائم نہیں کر سکیں گی۔قیامت تک تمہاری نسل درنسل یہ کوشش جاری رکھے تب بھی کامیاب نہیں ہو سکے گی۔خدا کا خوف کرو اور خدا سے ٹکر نہ لو اور اپنی اور اپنی نسلوں کی بقا کے سامان کرنے کی کوشش کرو'۔

(خطاب فرمودہ خلافت جوبلی 27 مئی 2008ء بحوالہ الفضل انٹرنیشنل ۲۵ جولائی تا ۷ اگست ۲۰۰۸ء صفحہ ۱۲، لندن)

3۔ خلافت کے مخالف ناکام رہتے ہیں:

خدا کے منتخب کردہ خلیفہ کی مخالفت کی وجوہات قرآنِ کریم نے حضرت آدم علیہ السلام کے ذکر میں بیان فرمائی ہیں۔فرشتوں نے اس انتخاب پر اپنی گزشتہ خدمات کا حوالہ دیا کہ:

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ (بقرہ ۳۱:۲)

ترجمہ:ہم تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح اور تیری تقدیس کرتے ہیں۔

اور ابلیس نے اپنے آپ کو زیادہ اہل اور بڑا جانا اور انکار کردیا جیسا کہ مذکور ہے: اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ (بقرہ ۳۵:۲)

ترجمہ:اس نے انکار کیا اور تکبر کیا۔

خدا تعالیٰ نے اعلیٰ خدمات اور زیادہ اہلیت کے ان دونوں دعووں کو اس آدم کے مقابلہ میں رد کردیا جو اپنی کوئی بڑائی اور خدمت پیش نہیں کرسکتا تھا اور آئندہ خلفاء کے بارے میں بھی یہی اصول ٹھہرایا کہ:

وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (نور ۵۶:۲۴)

ترجمہ از حضرت مسیح موعود: بعد خلیفوں کے پیدا ہونے کے جب وہ وقتاً فوقتاً پیدا ہوں اگر کوئی بغاوت اختیار کرے اور ان کی اطاعت اور بیعت سے منہ پھیرے تو وہ فاسق ہے۔

(شہادت القرآن روحانی خزائن جلد نمبر ۶ صفحہ نمبر ۳۳۴ نیا ایڈیشن)

خلفاء کے مخالف ہمیشہ اپنے مقصد میں ناکام رہتے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نوّر اللہ مرقدہ کے انتخاب کی مخالفت بڑے منظم طور پر کی گئی جس میں اس وقت کے بہت سے بڑوں نے حصہ لیا لیکن خدائی تقدیر کے مطابق وہ سب چھوٹے کئے گئے اور انہوں نے صرف اپنا نقصان کیا۔ اس خلافت کے دوران مستری، مصری، وہاب و منان کے اٹھائے ہوئے فتنے بھی اسی طرح اپنے بد انجام کو پہنچے۔ بعد کے خلفاء کے ادوار میں بھی ایسی کوششیں سعیٔ لاحاصل رہ کر صرف زیاں پر منتج ہوئیں۔

4۔ نظامِ خلافت کی برکات :

نظامِ خلافت ایک زندہ اور زندگی بخش نظام ہے۔ اس سے وابستہ ہر فرد اس کی بارش کی طرح برستی عظیم الشان برکات کا ذاتی تجربہ رکھتا ہے۔

تمام برکتیں خلافت سے ہیں : خلافت نبوت کا تتمہ ہے اور وہ تمام برکات جو نبوت سے خاص ہیں خلافت کے دور میں بھی جاری رہتی ہیں کیونکہ یہ سب روحانی نہریں اسی چشمۂ صافی سے زندگی لیتی ہیں جو برکات کا اصل سوتا ہے یعنی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نوّر اللہ مرقدہ نے اس حقیقت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے:

'گو جسدِ عنصری کے ساتھ آپ ﷺ دنیا میں موجود نہیں تھے مگر ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ موجود تھے، عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں محمد رسول اللہ ﷺ موجود تھے، عثمان رضی اللہ عنہ کے دل میں محمد رسول اللہ ﷺ زندہ موجود تھے، علی رضی اللہ عنہ کے دل میں محمد رسول اللہ ﷺ زندہ موجود تھے'۔ (تفسیر کبیر جلد نہم صفحہ نمبر ۸۸)

اسی لئے خلافت نورِ نبوت کو پھیلانے کا ذریعہ ہے۔ حضرت مصلح موعود نوّر اللہ مرقدہ کا ایک اور ارشاد ہے:

'اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے مگر اس نور کو مکمل کرنے کا ذریعہ نبوت ہے اور اس کے بعد اس دنیا میں پھیلانے اور اسے زیادہ عرصہ تک قائم رکھنے کا اگر کوئی ذریعہ ہے تو وہ خلافت ہے گویا نبوت ایک چمنی ہے جو اس کو آندھیوں سے محفوظ رکھتی ہے اور خلافت ایک ریفلیکٹر ہے جو اس کے نور کو دور تک پھیلاتا ہے'۔ (تفسیر کبیر جلد ششم صفحہ نمبر ۳۳۸)

یوں یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تمام برکتیں خلافت کے دَم سے ہیں۔ یہ ایک سیل رواں ہے۔ حضرت مصلح موعود کا یہ فرمان اس بات کو خوب سمیٹتا ہے:

'اے دوستو! میری آخری نصیحت یہ ہے کہ سب برکتیں خلافت میں ہیں نبوت بیج ہوتی ہے جس کے بعد خلافت اس کی تاثیر کو دنیا میں پھیلا دیتی ہے۔ تم خلافتِ حقہ کو مضبوطی سے پکڑو اور اس کی برکات سے دنیا کو متمتع کرو تا خدا تعالیٰ تم پر رحم کرے اور تم کو اِس دنیا میں اونچا کرے اور اُس جہاں میں بھی اونچا کرے'۔ (الفضل ۲۰ مئی ۱۹۵۹ء)

ان برکات میں سے اس آیت کے حوالے سے دو یہ ہیں۔

ا۔ تمکنتِ دین : خلافت کی اس برکت کا آیت استخلاف میں ان الفاظ میں ذکر فرمایا گیا ہے:

وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ

(نور 56:24)

ترجمہ: اور ان کے لئے ان کے دین کو جو اس نے ان کے لئے پسند کیا ضرور تمکنت عطا کرے گا۔

دین کی تمکنت اس کے قیام، پھیلاؤ، ترقی اور غلبہ پر محیط ہے۔ قانون طبعی کی رو سے عمریں محدود ہیں اور نبی کی وفات کے وقت اس کا لگایا ہوا پودا ابھی ابتدائی مرحلے میں ہوتا ہے اور اس کا نشو و نما پانا اور ایک مضبوط درخت بننا خلفاء کے ذریعہ ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود نے اس مضمون کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

'جس راستبازی کو وہ دنیا میں پھیلانا چاہتے ہیں اس کی تخم ریزی انہیں کے ہاتھ سے کر دیتا ہے لیکن پوری تکمیل ان کے ہاتھ سے نہیں کرتا'۔
(الوصیت، روحانی خزائن جلد نمبر ۲۰ صفحہ نمبر ۱۴)

انبیاء کی بظاہر ناوقت وفات اور اس پر مخالفوں کے ہنسی ٹھٹھے کے بعد

'پھر ایک دوسرا ہاتھ اپنی قدرت کا دکھاتا ہے اور ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے جن کے ذریعہ سے وہ مقاصد جو کسی قدر نا تمام رہ گئے تھے اپنے کمال کو پہنچتے ہیں'۔ (الوصیت، روحانی خزائن جلد نمبر ۲۰ صفحہ نمبر ۱۴)

یوں الٰہی جماعتوں کی ترقی خلافت سے وابستہ ہوتی ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نوّر اللہ مرقدہ نے فرمایا:

’سوائے امام کے ترقی نہیں ہوتی ۔۔۔سوائے امام کے ترقی نہیں ہوسکتی‘ ۔(خطباتِ نور صفحہ نمبر ۶۲۲)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نوّر اللہ مرقدہ کا ارشاد ہے:

’اسلام کبھی ترقی نہیں کرسکتا جب تک خلافت نہ ہو ہمیشہ خلفاء کے ذریعہ اسلام نے ترقی کی ہے اور آئندہ بھی اسی کے ذریعہ ترقی کرے گا‘۔

(درس القرآن صفحہ نمبر ۷۲ مطبوعہ ۱۹۲۱ء)

خدا تعالیٰ کی رہنمائی، تائید اور نصرت: ان ترقیات کی بظاہر وجہ خلفاء کو حاصل ہونے والی اللہ تعالیٰ کی راہنمائی ہوتی ہے جس کی روشنی میں وہ جماعت کی ترقی اور بڑھوتی کے لئے اسکیمیں اور پروگرام بناتے ہیں اور ان کے لئے ضروری وسائل کی فراہمی کے لئے افرادِ جماعت کو قربانیوں پر ابھارتے ہیں اور پھر ان اِسکیموں کی کامیابی کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو رہتے ہیں۔ پھر چونکہ خلیفہ خدا کا بنایا ہوا ہوتا ہے اس لئے وہ تائیدِ الٰہی کا مَورد ہوتا ہے۔ خدا خلفاء کی تائید و نصرت فرماتا ہے اور وہ کامیابیاں عطا کرتا ہے جن کے ذریعہ دین کو تمکنت اور سرخروئی ملتی ہے۔ خلفاء کے ادوار میں قدم قدم کامیابیاں اور ترقیات ایک ایسی روشن حقیقت ہے جو کسی ا وضاحت کی محتاج نہیں۔

حضرت مصلح موعود نوّر اللہ مرقدہ کے ان الفاظ میں ایک اور وجہ یہ ہے کہ:

’خلفاء نبی کی قوتِ قدسیہ کو جو اس کی جماعت میں ظاہر ہو رہی ہوتی ہے ضائع ہونے سے بچا کر ایک خاص پروگرام کے ماتحت استعمال کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں جماعت کی طاقتیں پراگندہ نہیں ہوتیں اور تھوڑی سی طاقت سے بہت کام نکل آتے ہیں کیونکہ طاقت کا کوئی حصہ ضائع نہیں ہوتا۔ اگر خلافت نہ ہوتی تو بعض کاموں پر تو زیادہ طاقت خرچ ہو جاتی اور بعض کام توجہ کے بغیر رہ جاتے‘۔(تفسیرِ کبیر جلد ششم صفحہ نمبر ۳۲۰)

خلافت راشدہ دور اول میں تمکنتِ دین: خلافت کے ذریعہ ترقی مذہب کی معلوم تاریخ میں مشترک ہے۔ خلافتِ راشدہ دورِ اوّل کے تیس سالوں میں اسلام کا جھنڈا نصف دنیا پر پھیل گیا اور اسلام کو وہ شان اور شوکت نصیب ہوئی جو اپنی مثال آپ ہے۔ دیکھتے دیکھتے جزیرۂ عرب سے نکل کر وسط ایشیاء اور شمالی افریقہ تک پھیل گیا اور معلوم دنیا کی بڑی آبادی نے اسلام کو بطور مذہب قبول کرلیا۔ قیصر و کسریٰ کی مضبوط قدیم حکومتیں اس کے بڑھتے ہوئے قدموں کے آگے سرنگوں ہوگئیں اور ایک بڑی عظیم اسلامی ریاست قائم ہوگئی جو امن و سکون، انصاف و رواداری اور حقوق کی ادائیگی کی ایک ایسی مثال تھی کہ تاریخ میں اس کا کوئی ثانی نہیں غرضیکہ حضرت مصلح موعود نوّر اللہ مرقدہ کے الفاظ میں:

’خلافتِ راشدہ کا زمانہ اسلام کی ترقی کا زمانہ تھا‘۔

(تفسیرِ کبیر جلد نہم صفحہ نمبر ۸۴)

خلافتِ راشدہ دورِ ثانی میں تمکنتِ دین: حضرت مسیح موعود کے بعد جب خلافت علیٰ منہاج النبوت کا دوبارہ قیام ہوا تو دنیا نے ایک بار پھر تمکنتِ دین کے نظارے دیکھے۔ خلافتِ راشدہ کے اس دورِ ثانی میں بھی ایک مسلسل عمل کے طور پر اسلام کا قافلہ ہر آن آگے سے آگے بڑھ رہا ہے۔ خلافتِ اولیٰ میں استحکامِ خلافت، خلافتِ ثانیہ میں جماعت کا ملک ملک پھیلنا، خلافتِ ثالثہ میں اس سفر کا جاری رہنا تاریخ کا حصہ ہیں پھر خلافتِ رابعہ میں MTA کے تاریخ ساز ظہور اور لکھوکھا افراد کی عالمی بیعتوں میں شرکت سے نگاہیں ابھی خیرہ ہی تھیں کہ خلافتِ خامسہ کے آگے بڑھنے کی تیز تر رفتار ہمارے سامنے آن رہی۔ ۲۰۰۸ء میں حضرت خلیفۃ المسیح نے یہ پر شوکت اعلان فرمایا:

’یہ دور جس میں خلافتِ خامسہ کے ساتھ خلافت کی نئی صدی میں ہم داخل ہو رہے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ احمدیت کی ترقی اور فتوحات کا دور ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی تائیدات کے ایسے باب کھلے ہیں اور کھل رہے ہیں کہ ہر آنے والا دن جماعت کی فتوحات کے دن قریب دکھا رہا ہے۔۔۔ میں علیٰ وجہِ البصیرت کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ اِس دور کو اپنی بے انتہا تائید و نصرت سے نوازتا ہوا ترقی کی شاہراہوں پر بڑھاتا چلا جائے گا۔ انشاء اللہ۔ اور کوئی نہیں جو اِس دور میں احمدیت کی ترقی کو روک سکے اور نہ ہی آئندہ کبھی یہ ترقی رُکنے والی ہے‘۔

(خطاب فرمودہ خلافت جوبلی 27 مئی 2008ء بحوالہ الفضل انٹرنیشنل ۲۵ جولائی تا ۷ اگست ۲۰۰۸ء صفحہ ۱۲، لندن)

ترقی کا جاری سفر: خلافتِ اولیٰ میں واعظین کی تقرری اور ملک سے باہر

انگلستان میں پہلے مشن کے قیام سے ترقی اور پھیلاؤ کے جس سفر کا آغاز ہوا وہ ہر گزرتے دن کے ساتھ آگے ہی آگے بڑھتا گیا اور اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت کے ساتھ دین کو وہ حیرت انگیز تمکنت نصیب ہوئی جو اپنی مثال آپ ہے جس کے چند پہلو یہ ہیں:

۲۰۶ ممالک میں جماعت کا باقاعدہ قیام، ایک ہزار سے زئد مبلغین، سات سو مشن ہاؤسز اور ۱۰۰۰ سے زائد مساجد کا مصروفِ عمل ہونا ۷۰ سے زائد زبانوں میں تراجم قرآنِ کریم کی اشاعت، بے شمار کتب کی اشاعت اور ۸۰ کے قریب جماعت اخبار و رسائل کا اجراء، عالمی بیعتوں کے ذریعہ کروڑہا افراد کی جماعت میں شمولیت، تبلیغِ دین، کے لئے مالی قربانیوں کا اربوں روپوں تک پہنچنا اور MTA کے معجزہ کا ظاہر ہونا اور اس مسلم ٹیلی ویژن احمدیہ کا اب آٹھ چینلز کے ذریعہ چوبیس گھنٹے پورے گلاب پر مختلف زبانوں میں دینِ حق کا پیغام پہنچانے میں مصروف رہنا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے افرادِ جماعت اپنے دنیوی معاملات میں بھی اپنے ہم عصروں سے ممتاز اور نمایاں رہتے ہیں اور ترقی کرتے ہیں۔ کئی ملکوں میں اپنی صلاحتیوں کے کے باعث اعلیٰ حکومتی عہدوں پر فائز ہیں چند نے عالمگیر شہرت پائی ہے۔ ایک عظیم احمدی سائنس دان نوبیل انعام کا حق دار ٹھہرا۔

نیز ہم نے دیکھا کہ تمام اطراف جماعت کی ہمہ گیر ترقی کے ساتھ کس طرح کئی ملکوں میں اس کے اجتماعات میں وہاں کے اعلیٰ حکام خوشی سے شرکت کرتے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہِ العزیز جب ان ملکوں کے دورہ پر جاتے ہیں تو انہیں شایانِ شان پروٹوکول دیا جاتا ہے دنیاوی سیاست کے مراکز امریکی کانگریس، یورپین یونین کی پارلیمنٹ، برطانوی پارلیمنٹ اور دیگر کئی ممالک کے چنندہ افراد کی مجالس میں حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہِ العزیز کو خوش آمدید کہا گیا اور آپ نے انہیں دینِ حق کی خوبصورت تعلیم سے آگاہ فرمایا۔ جماعت کی اس تیز رفتار ترقی سے کل کے روشن ترین مستقبل کی چاپ واضح تر ہوتی جاتی ہے۔

پس تمکنتِ دین نظامِ خلافت کی سدا بہار برکت ہے۔

۲۔ حالتِ خوف کا امن سے بدلا جانا: خلافت کی دوسری برکت آیت استخلاف میں ان الفاظ میں مذکور ہے:

وَلَيُبَدِّلَنَّهُمۡ مِّنۢ بَعۡدِ خَوۡفِهِمۡ اَمۡنًا (نور ۲۴:۵۶)

ترجمہ: اور ان کے خوف کی حالت کے بعد ضرور انہیں امن کی حالت میں بدل دے گا۔

الٰہی جماعتوں پر خوف کی حالت دشمنوں کی کوششوں کے علاوہ نبی یا خلیفہ کی وفات پر بھی آتی ہے۔ نبی کی وفات کے وقت جماعت اپنی ابتدائی کمزوری کی حالت میں ہوتی ہے اس وقت دشمن زور سے حملہ آور ہوتا ہے اور مومن جماعت کے مستقبل کے حوالے سے خوف کا شکار ہو جاتے ہیں۔ حضرت مسیحِ موعود نے اس کیفیت کو یوں بیان فرمایا ہے:

'نبی کی وفات کے بعد مشکلات کا سامنا پیدا ہو جاتا ہے اور دشمن زور میں آجاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اب کام بگڑ گیا ہے اور یقین کر لیتے ہیں کہ اب یہ جماعت نابود ہو جائے گی اور خود جماعت کے لوگ بھی تردّد میں پڑ جاتے ہیں اور ان کی کمریں ٹوٹ جاتی ہیں'۔

(الوصیت، روحانی خزائن جلد نمبر ۲۰ صفحہ نمبر ۱۵)

بعد میں خلفاء کی وفات پر گو جماعت کی حالت پہلے سے بہتر ہو چکی ہوتی ہے تاہم مفوضہ کام کا بڑا حصہ ابھی نا تمام ہوتا ہے اور قائد کی جدائی مومنین کو اسی طرح فکر مند کرتی ہے اور مستقبل کے اندیشے گھیر لیتے ہیں۔ ان اندرونی خوفوں کے علاوہ دشمن بار بار اور بعض دفعہ منافق بھی ایسے مواقع پیدا کرتے رہتے ہیں جو جماعت کے لئے خوف کا باعث ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس آیت میں خلافت کی یہ برکت بیان فرماتا ہے کہ ایسے سب خوف امن میں بدل جاتے ہیں۔ اسی بارے میں حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں

'جب کوئی رسول یا مشائخ وفات پاتے ہیں تو دنیا میں ایک زلزلہ آجاتا ہے مگر خدا تعالیٰ کسی خلیفہ کے ذریعہ اس کو مٹاتا ہے'۔

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ نمبر ۵۲۴۔۵۲۵ ایڈیشن)

اس برکت کے اظہار کے واقعات تاریخ میں بار بار ملتے ہیں چنانچہ آں حضرت ﷺ کی وفات کے عظیم ترین سانحہ کے برپا ہونے پر صحابہ کے گویا ہوش وحواس جاتے رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تلوار اٹھا کر یہ کہنا کہ جو کوئی آں حضرت ﷺ کو فوت شدہ کہے گا وہ اس کا سر قلم کر دیں گے۔ اسی کیفیت

کا اظہار تھا۔خوف کی یہ انتہائی حالت حیرت انگیز طور پر خلیفۂ راشد کا انتخاب ہوتے ہی امن وسلامتی میں بدل گئی۔

حضرت مسیحِ موعود کا اسی بارے میں یہ ارشاد ہے:

’جیسے خدا تعالیٰ نے فرمایا اور وعدہ کیا تھا کہ مَیں سچے خلیفہ پر امن کو قائم کر دوں گا یہ پیشگوئی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر پوری ہوئی اور آسمان اور زمین نے عملی طور پر شہادت دے دی‘۔

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ نمبر ۲۵۲ ایڈیشن)

بار بار دہرایا جانے والا تجربہ: ہر خلیفہ کی وفات اور نئے خلیفہ کے انتخاب پر یہ تجربہ دہرایا گیا۔

: خلافت راشدہ کے پہلے دور میں ارتداد کی رَو اور ادائیگیٔ زکوٰۃ سے انکار کے بڑے فتنوں نے سر اٹھایا جن کا خلیفۂ راشد نے پامردی سے مقابلہ کیا اور مسلمان ان خوفوں سے نجات پا کر امن میں آ گئے۔

حضرت مسیح موعود کی وفات بھی ایک بڑا سانحہ تھا جس نے تمام افرادِ جماعت کو خوف میں مبتلا کر دیا۔ دوسری طرف مخالف بھی بڑھ چڑھ کر بدگوئیاں کرنے اور جماعت کے خاتمہ کے خواب دیکھنے لگے۔ یہ سب خوف خلافت کے قیام کے ساتھ امن میں بدل گئے۔ افرادِ جماعت خلفاء سے جو گہری دِلی محبت رکھتے ہیں اس کے نتیجہ میں ان میں سے ہر ایک کی جدائی نے انہیں بے حال کیا اور ہر بار نئے انتخاب نے ان کی دادرسی کی اور وہ خوف سے امن میں آتے رہے۔

مخالفتوں کے خوف سے امن: جب مخالف اپنی سازشوں سے مومنین کے لئے خوف کے حالات پیدا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ خلفاء وقت کی راہنمائی فرماتا ہے اور عصمتِ صغریٰ کے تحت انہیں وہ راہیں سجھاتا ہے جو مومنوں کو ان مخالفتوں، ابتلاؤں اور فتنوں سے بچاتی ہیں۔ ایسے کئی واقعات تاریخ کا حصہ ہیں جیسے

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وقت میں فتنہ ہائے ارتداد، منکرینِ زکوٰۃ اور جھوٹے مدعیانِ نبوت کی اسلامی ریاست کے خلاف محاذ آرائی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نوّر اللہ مرقدہ کے وقت میں فتنہ انکارِ خلافت

،حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نوّر اللہ مرقدہ کے دور میں اہلِ پیغام کی مخالفت،

غزل



ڈاکٹر طارق انور باجوہ

زہے نصیب، پتہ دستیاب اُس کا تھا
وہ ماہتاب تھا کہ آفتاب اس کا تھا

ہوئے ہیں چُور نشے میں جو میکدے آئے
نگاہیں اس کی تھیں، قدَحِ شراب اس کا تھا

دلوں میں اس کی محبّت بھی پھر ہوئی پیدا
خدا نے خود کِیا جب انتخاب اس کا تھا

بتانے سب ہی مذاہب کی خوبیاں آئے
مگر خطاب ہوا کامیاب اس کا تھا

بدلتی رہتی ہیں یوں تو حکومتیں کتنی
بدل گیا ہے جو دل، انقلاب اس کا تھا

اگرچہ اس سے سوال اک کے بعد ایک ہوا
جواب جو بھی ملا لا جواب اس کا تھا

اُٹھائیں لذّتیں ہم نے بھی اس کی محفل کی
کہ ہم پہ لطف و کرَم بے حساب اس کے تھا

دم اور لوگ بھی طارقؔ بھریں محبّت کا
ہر ایک سجدہ ہوا مستجاب اس کا تھا

۱۹۳۴ء کی احراری شورش، فتنۂ مفافقین، ۱۹۴۷ء کی ہجرت، ۱۹۵۳ء کا ہنگامہ۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمۃ اللہ علیہ کے وقت 1974ء کا ابتلاء

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں ۱۹۸۴ء کا آرڈیننس اور ہجرت اور حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہِ العزیز کے وقت میں ۲۰۱۰ء کا سانحۂ لاہور ایسے واقعات تھے جن میں سے ہر ایک اپنی شدید خطرناکی کے سبب انتہائی خوف کا باعث تھے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر موقع پر خلیفۂ وقت کی رہنمائی فرمائی اور مومنوں کی جماعت ان میں سے ہر ابتلاء سے بحفاظت اور سرخرو ہو کر گزر گئی۔

5۔نظامِ خلافت کے پانے والوں کی ذمہ داریاں :

بڑے انعام بڑی ذمہ داریوں کے متقاضی ہوتے ہیں ۔انعام خلافت تو ویسے بھی اعمال اور مناسب حال اعمال سے مشروط ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

(نور ۵۶:۲۴)

ترجمہ:تم میں سے جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک اعمال بجالاتے ہیں اُن سے اللہ نے پختہ وعدہ کیا ہے

اس آیت کے ذیل میں حضرت مصلح موعود نوّر اللہ مرقدہ نے تحریر فرمایا ہے:

’چونکہ اس آیت میں خلافت کا ذکر ہے اس لئے اٰمَنُوْا سے مراد اٰمنو بالخلافۃ ہے اور عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سے مراد عملو تحملاً مناسباً لحصول الخلافۃ ہے۔اگر یہ شرط پوری نہ ہوگی تو خدا تعالیٰ کا وعدہ بھی پورا نہیں ہوگا‘۔

(تفسیرِ کبیر از حضرت مصلح موعود نوّر اللہ مرقدہ جلد ششم صفحہ نمبر ۳۷۵

یعنی اس اصول کے تابع خلافت کا انعام وہی پائیں گے جو خلافت پر ایمان رکھتے ہوں اور قیامِ خلافت کیلئے مناسب اور ضروری اعمال بجالاتے ہوں۔ اس ایمان کے مظاہرے کے لئے مطلوب ضروری اعمال میں نعمتِ خلافت پر اللہ کا شکر، ادب اور احترام کے ساتھ خلافت سے محبت اور وفا کا تعلق، خلیفۂ وقت کی دعاؤں اور مشوروں سے مدد، خلیفۂ وقت اور خلافت کی حفاظت اور ہر موقع پر بہترین انتخاب سب شامل ہیں۔

تاریخ کی گواہی:اس اصول کی صداقت پر خلافت راشدہ دور اول کا محدود زمانہ گواہ ہے۔حضرت عمرؓ پر سرِ عام نکتہ چینی اور ان کی حفاظت میں کوتاہی، حضرت عثمان ؓ کے فیصلوں پر اعتراضات، ان سے معزولی کا مطالبہ اور اپنوں کے ہاتھوں ان کی شہادت، حضرت علیؓ کے خلاف محاذ آرائی اور ان کی حفاظت میں ناکامی اور حضرت حسنؓ کی خلافت سے دست برداری، یہ سب واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ اس وقت کے مسلمانوں کا

ایمان بالخلافت تھا اور نہ ان کے اعمال ایسے تھے جو اس انعام کے لئے مطلوب تھے۔

مزید ذمہ داریاں: نظامِ خلافت سے وابستہ افراد کی مزید ذمہ داریاں آیت استخلاف سے اگلی آیت میں یوں بیان ہوئی ہیں:

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ

(نور ۵۷:۲۴)

ترجمہ:اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔

یہ تینوں ذمہ داریاں پوری انفرادی اور اجتماعی زندگی پر محیط ہیں۔

پہلی ذمہ داری ۔ نماز: نماز بندگی کی معراج ہے اور انسان کو اس کی پیدائش کے مقصد کی طرف متوجہ رکھتی ہے۔خدا تعالیٰ سے تعلق، اس سے محبت اور اس کی رضا کی خاطر تقویٰ کے ساتھ زندگی بسر کرنا انسان کی روحانی ترقی کی راہ ہے اور نماز انسان کو اس راستہ پر ڈالتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس نماز کا قیام پہلی ذمہ داری قرار دیا ہے۔اسی لئے اس فریضہ کی ادائیگی کے بارے میں خلفاء بار بار توجہ دلاتے ہیں۔

دوسری ذمہ داری ۔مالی قربانی: زکوٰۃ مالی قربانی کا فریضہ ہے اور یہ خدا کی راہ میں اپنے اموال خرچ کرنے کی بنیادی تعلیم ہے۔اصل حکم یہی ہے کہ انسان کو جو کچھ نعمتیں، صلاحیتیں اور استعدادیں عطا کی گئی ہیں وہ انہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرے اور یوں انفاق فی سبیل اللہ کا حکم بہت وسیع ہے۔اموال کی قربانی اس کا ایک حصہ ہے۔اس دور میں بڑھی ہوئی مال کی محبت کے ساتھ یہ قربانی مشکل تر ہوگئی ہے اور اسی لئے زائد انعام کی حق دار ہے۔

اسی ذمہ داری کی موثر ادائیگی کے لئے خلفاء افرادِ جماعت کو بار بار مالی قربانی کی تحریک فرماتے ہیں اور ایسے مواقع بہم پہنچاتے ہیں جن میں یہ قربانیاں کی جاسکیں۔

ہر قسم کے چندے اس ذیل میں آتے ہیں اور یہ لازم ہے کہ ہم سب استعداد بھر مالی قربانی کر کے اس ذمہ داری کی ادائیگی کریں۔

تیسری ذمہ داری ۔ اطاعت : اس آیت میں اطاعت کا حکم رسول کے حوالے سے دیا گیا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے امیر کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے جیسا کہ فرمایا :

مَن اَطَا عَ اَلامِیرِ فَقَد اَطَا عِنِی وَ مَن عَصیٰ الاَمِیرِ فَقَد عَصَانیِ

(مسند احمد بن حنبل والمذکر والتذکیر از علامہ ابنِ ابی عاصمؒ حدیث نمبر ۲۲ صفحہ نمبر ۹۷)

ترجمہ: جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

اس حکم میں خلفاء کی اطاعت بدرجۂ اولیٰ شامل ہے۔

اطاعت ۔محبت سے: اطاعت کے محرک عام طور پر خوف یا محبت ہوتے ہیں لیکن خلیفۂ وقت کی اطاعت تمام تر محبت کا مضمون ہے۔ یہ محبت ہمارا سرمایہ ہے۔ہم خلیفۂ وقت کو دیکھ کر جیتے ہیں اور ان کی خیر و عافیت ہمیں اپنی فلاح سے زیادہ محبوب ہے۔یہی محبت ہمیں حضور کے ہر حکم کی تعمیل میں بے ساختہ حرکت میں لاتی ہے۔اگر ہم لندن کے ٹھٹھرتے موسم میں رات گئے خلیفۂ وقت کا یہ ارشاد سنتے ہیں کہ' بیٹھ جائیں' تو ہم وہیں کھلے آسمان تلے گردآلود سڑک پر آناً فاناً یوں بیٹھ جاتے ہیں گویا وہاں ہزار ہا افراد کا مجمع نہیں کوئی مشین تھی جس کا سوئچ دبا دیا گیا ہو۔

محبت سے ابلتے دل: احمدی خلیفۂ وقت سے بے پایاں محبت کرتے ہیں اور ہر دل اس محبت سے ابلتا رہتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ ایک خط کے حوالے سے ذکر فرمایا:

'کہ کس طرح TV پر حضور کی تصویر دیکھ کر ایک چھوٹی بچی لپکی اور تصویر پر انگلی رکھ کر بولی حضور! شائد اماں ابا کے بعد یہ پہلا لفظ تھا جو اس بچی کی زبان سے نکلا' یہ محبت ہر احمدی کی زندگی کا لازمی حصہ ہے۔

محبت سے دعائیں: یہ محبت دوطرفہ ہے۔جہاں افرادِ جماعت خلیفۂ وقت سے محبت کرتے ہیں اور اُن کے لئے دعائیں کرتے ہیں ۔ وہیں خلیفۂ وقت افرادِ جماعت سے محبت کرتے ہیں اور سب کے لئے دعا گو رہتے ہیں۔خلفاء کی جماعت سے محبت کا نمایاں اظہار دعائیں ہیں۔حضرت مسیح موعود کا طریق بھی یہی تھا۔جیسا کہ فرمایا:

' مَیں ہمیشہ دعاؤں میں لگا رہتا ہوں اور سب سے مقدم یہی دعا ہوتی ہے کہ میرے دوستوں کو ہموم اور غموم سے محفوظ رکھے کیونکہ مجھے تو ان کے ہی افکار اور رنج غم میں ڈالتے ہیں'۔

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ نمبر ۶۶، نیا ایڈیشن)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نوّر اللہ مرقدہ اس بارے میں ایک ارشاد ہے:

' تم میں اور اُن میں جنہوں نے خلافت سے روگردانی کی ہے ۔۔۔ایک بہت بڑا فرق بھی ہے اور وہ یہ کہ تمہارے لئے ایک شخص تمہارا درد رکھنے والا، تمہاری محبت رکھنے والا، تمہارے دکھ کو اپنا دکھ سمجھنے والا، تمہاری تکلیف کو اپنی تکلیف جاننے والا، تمہارے لئے خدا کے حضور دعائیں کرنے والا ہے۔مگر اُن کے لئے نہیں ہے۔تمہارا اُسے فکر ہے، درد ہے اور وہ تمہارے لئے اپنے مولیٰ کے حضور تڑپتا رہتا ہے۔مگر ان کے لئے ایسا کوئی نہیں ہے'۔

(برکاتِ خلافت انوار العلوم جلد ۲، صفحہ نمبر ۱۵۸، مطبوعہ فضل عمر فاؤنڈیشن)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہِ العزیز نے مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد اپنے پہلے خطبۂ جمعہ میں اپنے لئے یہی راہ پسند فرمائی اور یہ چاہا کہ:

''اللہ تعالیٰ مجھے بھی حضرت مسیح موعود کی اس سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کا درد مجھے اپنے درد سے بڑھ کر ہو جائے۔

(خطباتِ مسرور جلد اوّل صفحہ نمبر ۶ نظارتِ اشاعت ربوہ سنِ اشاعت ۲۰۰۵ء)

6۔حرفِ آخر:

اللہ کرے کہ ہم سب نظامِ خلافت سے متعلق ان تینوں ذمہ داریوں کو انتہائی اعلیٰ طور پر ادا کرنے والے اور اپنی اولادوں کو بھی اسی راستہ پر چلانے والے ہوں تا کہ یہ نعمت نسل در نسل منتقل ہوتی چلی جائے اور وہ سب بھی حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہِ العزیز کی فرمودہ اس بشارت سے حصہ پانے والے ہوں:

'ہر وہ شخص جو خلافت سے جڑا رہے گا، جو اپنے ایمان اور اعمالِ صالحہ میں ترقی کرے گا اُسے اللہ تعالیٰ اُن انعامات کے نظارے کرائے گا جو خلافت کے ساتھ جڑے رہنے سے ہر فردِ جماعت پر بھی ہوں گے۔اور اللہ تعالیٰ خلافتِ احمدیہ کو بھی ایسے افراد عطا فرماتا رہے گا جو اخلاص و وفا میں بڑھتے چلے جانے والے ہوں گے جو قیام و استحکامِ خلافت کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دینے والے ہوں گے۔جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ خود خلافت کی محبت سے بھر دے گا'۔

(خطاب فرمودہ خلافت جوبلی 27 مئی 2008ء بحوالہ الفضل انٹرنیشنل ۲۵ جولائی تا ۷ اگست ۲۰۰۸ء صفحہ ۱۲، لندن)

۞۞۞۞۞۞۞

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کا وصفِ شعر وسخن

(ہادی علی چوہدری۔ واقف زندگی)

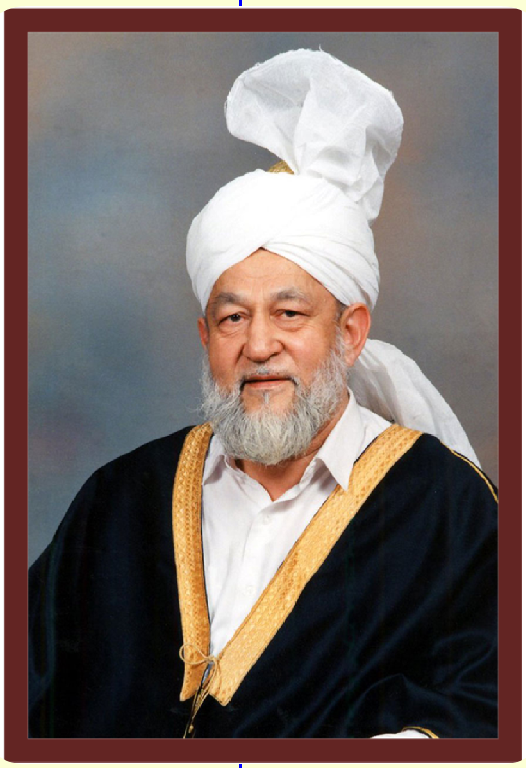
ہر صاحبِ ذوق تجزیہ نگار کسی شاعر کی شعر وسخن میں بلندی اور کمال کے تجزیہ کے لئے اپنے ذوق کے مطابق معیار مقرر کر لیتا ہے۔لیکن اگر اس کے لئے حسبِ ذیل چار امور مدّنظر رکھے جائیں تو اُمید ہے کہ یہ ایک حقیقی جائزہ ہوگا مثلاً۔

اوّل: یہ کہ اس کے شعری تخیّل ،استغراق اور تخلیق کا سرچشمہ کیا ہے۔

دوم: یہ کہ اس کا کلام کن خصائل اور خواص وخوبیوں سے مزّین ہے۔

سوم: یہ کہ وہ شعر وسخن میں صاحب کمال شعراء اور اساتذۂ فن کے کلام کا فہم و ادراک کس حد تک رکھتا ہے اور چہارم:

یہ کہ وہ داد داوری میں کس درجہ خالص وصادق،تنقید میں کس قدر بلند ورفیع اور اصلاح وتجویز میں کتنا بلیغ ووسیع ہے۔



شاعری کے تجزیہ میں عموماً شعر کے تکنیکی فن مثلاً علمِ عروض وغیرہ کو بھی ضروری سمجھا جاتا ہے۔اس سے انکار نہیں کہ شعر کی صنعت اور اس میں الفاظ و جمل کی تنصیب میں علمِ شعر کی جملہ شاخیں انتہائی اہم کردار کی حامل ہیں۔مگر اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ دستِ قدرت کے تراشے ہوئے شاعر کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ بذاتِ خود قدرت کی صنّاعی کا ایک شاہکار ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا کلام شاعری کے مروّجہ مآخذ اور علم نقد ونظر کی تیشہ زنی سے بالا بھی ہوتا ہے اور اعلیٰ بھی۔جس طرح ایک خوش گلو کچھ بھی گنگنائے،اس کی آواز میں خاص کھنک اور نغمگی مترنّم ہوتی ہے،اسی طرح دستِ قدرت کے تخلیق کردہ شاہکار شاعر کا عام کلام بھی شعریّت کی بُو باس سے لبریز اور عروض کے اُوزان میں تُلا ہوا ہوتا ہے۔سو حقیقی شاعر اپنا کلام مشقِ سخن کے ذریعہ قطع وضع نہیں کرتا، استغراقِ ذات سے تخلیق کرتا ہے یا دستِ قدرت خود اسے تراشتا ہے۔پس جس درجہ کا استغراقِ ذات ہوتا ہے یا جس مرتبہ کی صنعتِ قدرت کی کارفرمائی ہوتی ہے،اسی مقام کا شعر ظہور کرتا ہے۔

شعر وسخن کی آگہی کے ان دریچوں سے بھی اگر حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب کے شعری کلام کو دیکھا جائے تو آپؒ بحیثیتِ شاعر اسی زمرہ میں سروقامت دکھائی دیتے ہیں جن کو خدا تعالیٰ اپنے معجزانہ تصرّف سے اور خاص اغراض کے لئے شعر وسخن عطا فرماتا ہے۔لہٰذا آپؒ کا کلام نہ صرف شاعری کے مروّجہ معیاروں پر کماحقہٗ پورا اترتا بلکہ ان کی پرکھ سے بالاتر ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔کیونکہ درحقیقت اہلُ اللہ کی شاعری کا اوّل مقصد ترسیلِ پیام اور ابلاغ عام ہے۔غالباً اسی کے پیشِ نظر کسی نے خوب کہا ہے کہ "شاعری جزویست از پیغمبری"۔کہ شاعری پیغمبری ہی کا ایک جزو ہے۔لہٰذا شعر وسخن ایسے باکمال لوگوں سے اپنی سند لیتے ہیں۔لہٰذا یہ باکمال لوگ شاعری کی روایات واسالیب کے پابند نہیں ہوتے بلکہ فنِ شعر وسخن ان سے سند حاصل کرتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شعر تخیّلاتِ روح کے سوتوں سے پھوٹتا ہے،فکر و

ادراک کی گود میں پروان چڑھتا ہے اور مشقت ومزاولت کی منزلیں طے کرتا ہوا روح، احساس اور شعور کے سرچشموں سے سیراب ہوتا ہے۔ لہٰذا چشمے کا بڑا یا چھوٹا ہونا کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اصل یہ ہے کہ اس کا منبع کیا ہے اور اس سے پھوٹتا کیا ہے، اس میں زور ہے تو کتنا، اس کی تاثیر ہے تو کیا، اس میں لذّت ہے تو کیسی اور درد ہے تو کونسا؟ نیز یہ کہ پڑھنے اور سننے والا بقدرِ ہمّت وقدرت سیراب بھی ہوتا ہے یا نہیں؟۔ وغیرہ وغیرہ

آپؒ کے کلام کا سرچشمہ

دیگر بیشمار صفات کی طرح شاعری بھی انسان کے ان اوصاف میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ اسے ودیعت کرتا ہے۔ اور درحقیقت یہی اصل شاعری ہے یا شاعری کی اصل ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مبارک اولاد میں سے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدّین محمود احمد، حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد اور حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ رضی اللہ عنھم کو بھی اللہ تعالیٰ نے بچپن میں ہی شعری وصف سے نوازا تھا۔ اس مبارک خاندان کے اور افراد بھی اس وصف سے مزیّن ہوئے۔ اسی تسلسل میں حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمدؒ کو بھی قادر و علیم صناعِ قدرت نے یہ وصف خود اپنی جناب سے عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ آپؒ نے بھی بازیچۂ اطفال میں ہی شعر بُننے شروع کر دیئے تھے۔ الفاظ کا جڑاؤ اور شعر و مصرعے کی تراش خراش اور ان کا وزن آپ کے اندر قدرتی طور پر ودیعت تھا۔ چنانچہ حسبِ ذیل شعر غالباً آپؒ کا پہلا شعر ہے۔ جو آپؒ 1934ء میں پانچ برس کی عمر میں گنگناتے پھرتے تھے کہ

"نام میرا طاہر احمد۔ طاری طاری کہتے ہیں
مسیح موعود کے گھر میں بڑی خوشی سے رہتے ہیں"

اللہ بہتر جانتا ہے کہ آپؒ کو اس کا شعور تھا بھی یا نہیں کہ یہ شعر ہے یا ایّامِ طفولیت کی وہ لہر جس میں بچے بسا اوقات ان چند الفاظ کو جو زبان پر مچل جائیں، گنگنانے لگتے ہیں۔ چنانچہ پانچ سالہ صاحبزادہ صاحب جب گنگنانے لگے تو وہ الفاظ منتشر اور غیر منظم نہیں تھے بلکہ ایک شعر میں مرصّع و منضبط تھے۔ یعنی یہ ایک مکمل شعر تھا۔ اس شعر کا پہلا مصرعہ علمِ شعر و عروض کے لحاظ سے اپنی صنعت میں مکمل طور پر درست ہے۔ گو دوسرے مصرعے میں اس کا وزن معمولی سا الجھا ہے۔ مگر اپنی شعریّت میں مکمل ہے۔ ہاں اسے اگر ماحول کے مروّجہ پنجابی لہجے میں پڑھا جائے تو یہ اپنے وزن میں بھی قائم ہو جاتا ہے۔


مکرم ہادی علی چوہدری صاحب واقفِ زندگی

اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ عام قانونِ قدرت کے تحت اس عمر کے بچے کے تخیّلات اس کے آشیانے کی دیواروں کو نہیں پھاند سکتے۔ اس کی یہی کل کائنات ہوتی ہے جس میں وہ اپنی زندگی کی تمام لذتوں، راحتوں اور خوش بختیوں کو محسوس کرتا اور ان سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ یہی راحتیں اور خوش بختیاں اس کی گنگناہٹوں کو راگ عطا کرتی ہیں۔ شعری صنعت سے بے نیاز بچپن کی موج ترنگ میں ڈھلی ہوئی اس گنگناہٹ میں بھی آپؒ کی اس فطرتی سعادت کی آواز سنائی دیتی ہے جو حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام کے "الدّار" سے وابستہ ہے۔ اس زمانے میں تصنّع اور تکلّف سے مبرّا جن جذباتِ امتنان و اطمینان کا اظہار اس شعر سے پھوٹتا ہے، حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام سے آپؒ کی قلبی وابستگی کا غمّاز ہے۔ اس کے بعد جب آپؒ کچھ شعور کی عمر کو پہنچے تو باقاعدہ شعر کی تخلیق ہوگئی۔ 1944ء میں آپؒ کی والدہ ماجدہؓ کا انتقال ہوا تو آپؒ نے ان کو سفرِ آخرت کے لئے الوداع کرتے ہوئے کہا:

گو جُدائی ہے کٹھن دُور بہت ہے منزل
پر مرا آقا بلا لے گا مجھے بھی اے ماں
اور پھر تم سے میں مل جاؤں گا جلدی یا بدیر
اُس جگہ۔ مل کے جُدا پھر نہیں ہوتے ہیں جہاں

اُس وقت جب آپؒ نے یہ اشعار قلمبند کئے، آپؒ کی عمر سولہ برس تھی۔ یہ گویا آپؒ کی شاعری کی شروعات تھیں۔ درِ نہاں کے سوتوں سے پھوٹتی ہوئی آپؒ کی ابتدائی شاعری میں سے ایک نظم جس کا پہلا شعر آپ کی والدہ مرحومہؓ

کی اک تصویر کا مرہونِ منّت ہے۔دل کا جو درد اس شعر میں جھلک رہا ہے،وہ ہر قاری کے دل میں بھی درد کی ایک کسک جگا دیتا ہے۔آپؒ کہتے ہیں:

تیرے لئے ہے آنکھ کوئی اشک بار دیکھ
نظریں اٹھا خدا کے لئے ایک بار دیکھ

پھر آپؒ ضبطِ الم کی کیفیتِ بے ضبط کو کس بے اختیاری سے بیان کرتے ہوئے بندِ صبر و شکیب کو آنسوؤں سے سجاتے ہوئے کہتے ہیں:

تُو مجھ سے آج وعدۂ ضبطِ الم نہ لے
ان آنسوؤں کا کوئی نہیں اعتبار دیکھ
بندِ شکیب توڑ کر آنسو برس پڑے
اپنوں پہ بھی نہیں ہے مجھے اعتبار دیکھ

یعنی اس دنیا میں اگر کسی پر اعتبار ممکن ہے تو خدا تعالیٰ پر ہے جو ہمیشہ سہارا اور ساتھ دینے والا رفیقِ اعلیٰ ہے۔اپنوں پر کوئی کیا انحصار کر سکتا ہے۔اس آخری شعر میں لفظ "اپنوں" ذو معنی بھی ہے اور سچائیوں سے سینچا ہوا بھی۔اس شعر میں سموئے ہوئے تخیّل کی گہرائی میں ایک منزل بھی اتریں تو اس کی پنہائیوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔مثلاً یہ کہ دنیا میں ماں سے زیادہ اپنا کوئی نہیں ہوگا۔اگر وہی چھوڑ جائے تو انسان پھر کس پر اعتبار کرے۔پس دنیا میں انسان کو کبھی اپنے چھوڑ جاتے ہیں اور کبھی وہ اپنوں کو چھوڑ جاتا ہے۔یہاں "اپنوں" کا لفظ ایک گہرا اور لطیف پہلو بھی لئے ہوئے ہے جو اپنی "ذات" کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ خود مجھے اپنے آپ پر بھی اختیار نہیں کہ آنسوؤں کو اپنے قابو میں رکھ سکوں۔پس اصل حقیقت، پناہ، ساتھی اور سہارا خدا تعالیٰ ہے جو ساتھ بھی رہتا ہے اور باقی بھی۔ سیّدنا حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام اسی سچائی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں: ؎

خویش، قوم و قبیلہ پُر ز دغا　　تُو بریدہ برائے شاں ز خدا

کہ اپنے ہوں یا قوم و قبیلے والے، سب ایک طرح کے دھوکے سے بھرے ہوئے ہیں۔کیا تُو ان کی خاطر خدا تعالیٰ سے تعلق قطع کرتا ہے؟۔یعنی وہ جو چھوڑ جانے والے ہیں، ان پر اعتبار کی بجائے خدا تعالیٰ پر اعتبار اور انحصار کرنا ہی اصل حقیقت ہے۔

آپؒ نے اپنی زندگی کے آخری سالوں میں اپنی ان ابتدائی نظموں



غزل

(راجہ غالب احمد)

بے شک ہزار بار ملے عمر بھر ملے
لیکن عجیب لگتے گئے جس قدر ملے

منصور و قیس سے تو کئی معتبر ملے
دشتِ جنوں میں کاش کوئی بے ہنر ملے

تعمیر ہم نے بے درو دیوار کی بہت!
پھر کیوں ہمارے گھر سے وہی سنگ و سر ملے

سات آسمان، سات زمینیں، تمام گم
گم گشتہ خیال کو حدِ نظر ملے

وہ امتیازِ ہوش و جنوں جانتا ہے خوب
جی پھر بھی چاہتا ہے مجھے بھول کر ملے

پھر نیند مجھ کو آئے اُسی خمار میں
اک لمحہ خواب کا مجھے پھر دار پر ملے

اے سکنانِ دیر و حرم ڈھونڈتے رہو
کیا جانیں اب کہاں وہ تمہیں، کس کے گھر ملے

اُس لا مکاں کے کھوج میں اِس شہر کے قریب
سوچا ہے کھٹکھٹائیں گے جو پہلا در ملے

پت جھڑ میں بن ملے کی ملاقاتیں ہو گئیں
آنا کبھی بہار میں فرصت اگر ملے

چشمِ خزاں میں خواہشِ بیدار دیکھنا
کچھ تازہ پھول سوکھی ہوئی شاخ پر ملے

اور اشعار پر نظرِ ثانی فرمائی جو"کلامِ طاہر" میں" ابتدائی کلام کے چند نمونے" والے حصّے میں شائع شدہ ہیں۔ان میں سے چند اشعار بطور نمونہ درج ہیں ۔

منتظر میں ترے آنے کا رہا ہوں برسوں
یہ لگن تھی تجھے دیکھوں تجھے چاہوں برسوں
اے مجھے ہجر میں دیوانہ بنانے والے
غمِ فرقت میں شب و روز ستانے والے
اے کہ تو تحفۂ درد و غم وہم لایا ہے
دیر کے بعد بڑی دُور سے آنے والے
جا کہ اب قرب سے تیرے مجھے دکھ ہوتا ہے
اے شب غم کے سویرے مجھے دکھ ہوتا ہے

1944ء کی ایک اور نظم ملاحظہ ہو۔

یہ دو آنکھیں ہیں شعلہ زا۔ یا جلتے ہیں پروانے دو
یہ اشکِ ندامت پھوٹ پڑے۔یا ٹوٹ گئے پیمانے دو
پہلے تو مری موجودگی میں تم اکتائے سے رہتے تھے
اب میرے بعد تمہارا دل گھبراتا ہے گھبرانے دو

شعری تخلیق کا سلسلہ جاری ہو چکا تھا اور جاری رہا۔تقسیمِ ہند کے بعد بھی آپؒ نے کچھ نظمیں کہیں جن میں"خدّام احمدیّت" نغمہ بھی قابلِ ذکر ہے۔اسی طرح لندن میں تعلیم کے لئے قیام کے دوران بھی آپؒ اپنے رہائشی کمرے کی تنہائیوں میں ،حسبِ آمد وآوُرد،فکرِ سخن کرتے تھے۔لیکن آپؒ کے صرف چند ایک ہم عصر ہی اس سے واقف تھے۔ان دنوں ٹیپ ریکارڈر کی ایجاد نئی نئی تھی ۔ مکرّم چوہدری انور احمد کاہلوں صاحب مرحوم نے پاکستان جاتے وقت آپؒ سے خواہش ظاہر کی کہ اپنی کچھ نظمیں اور غزلیں ریکارڈ کروادیں تاکہ ربوہ جاکر وہ آپؒ کے والد ماجد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پیش کرسکیں۔

مکرّم چوہدری انور احمد کاہلوں صاحب مرحوم نے آپؒ کا کچھ کلام ریکارڈ کیا اور پاکستان جانے سے قبل ایک دن اتفاقاً حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحبؓ کو آپؒ کا ریکارڈ کردہ منظوم کلام سنایا۔بڑی توجہ اور غور سے سماعت کے بعد حضرت چوہدری صاحبؓ فرمانے لگے:

"ان اشعار میں تو ان زخموں کے نشان صاف دکھائی دے رہے ہیں جو اُن کے قلب وذہن پر ان کی والدہ کی وفات کی وجہ سے مُرتسم ہوئے ہیں۔"

سالوں بعد جب حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خانؓ کے اس تبصرے کا صاحبزادہ صاحبؒ کو علم ہوا تو اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

"یہ صحیح ہے کہ میرے ابتدائی اشعار غم واندوہ میں ڈوبے ہوئے ہوتے تھے شعر کیا تھے میرے قلبی حزن وملال کا اظہار تھا۔میں سطحی موضوعات پر شعر کہہ ہی نہیں سکتا تھا۔شعر میں جذبے کا ہونا ضروری ہے۔..............ہوسکتا ہے کہ شعر کے اس تخلیقی عمل کا تعلق اس صدمے سے ہو جس کی طرف چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ نے اشارہ کیا تھا۔

۔۔لیکن حقیقت تمام تر یہ نہیں تھی۔میں اپنے گردوپیش اوروں کے غم دیکھ کر بھی اکثر غمگین ہو جایا کرتا تھا اور دل ہی دل میں غم کی یہ صلیب اٹھائے پھرتا تھا اور پھر غم کا یہ احساس شعر کے قالب میں ڈھل جاتا تھا۔مجھے بتایا گیا کہ جب میرے والد ماجد نے میرے اشعار کے ریکارڈ سُنے تو فرمایا:"میری خواہش تو یہ ہے کہ نوجوان اپنی نظریں بلند رکھیں"۔اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ نوجوان چاروں طرف پھیلے ہوئے غم اور اندوہ کے اس طوفان کے سامنے ڈٹ جائیں اور اپنی منظومات میں اسی عزم کا اظہار کریں اور اسی کو موضوعِ سخن بنائیں۔ ہمارے والد ماجد ہماری تعریف کرتے وقت بڑے حُزم واحتیاط سے کام لینے کے عادی تھے۔اپنی خوشنودی کا اظہار بڑے محتاط لفظوں میں کرتے۔کبھی کبھی تعریف بھی کرتے لیکن اکثر خاموش رہتے۔ان کی خواہش تھی کہ ہماری شخصیت بلا روک ٹوک کسی قسم کی دخل اندازی اور سہارے کے بغیر پروان چڑھے۔

۔۔۔ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ ہمارے اندر یہ شعور بیدار ہو کہ ہم بھی عام انسانوں کی طرح کے انسان ہیں اور امامِ وقت کا فرزند ہونے کی وجہ سے ہمیں کوئی خصوصیت یا برتری حاصل نہیں"۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے نوجوانوں کے لئے مذکورہ بالا اظہارات اور توقعات کی جھلک بھی آپؒ کے کلام میں نمایاں نظر آتی ہے۔آپؒ نے نہ

صرف اپنی نظروں کو بلند و بلیغ رکھا اور رفعتوں کا سفر اختیار کیا بلکہ اپنے ساتھیوں اور اپنی جماعت کو بھی ان رِفعتوں سے ہمکنار ہونے کا درس، حوصلہ اور زادِ راہ دیا۔

آپؒ کے کلام کے محاسن

حضرت صاحبزادہ صاحبؒ کا کلام شعر و سخن کی تمام درخشندہ خوبیوں سے مزیّن اور اس کی صنعت و ترکیب کے ہر پہلو پر حاوی ہے۔ حمد و ثنا میں آپؒ کا کلام بے نظیر ہے تو طرب و مزاح میں بے مثال۔ نعت بھی اپنے مضمون میں کمال عروج پر ہے تو رنگِ تغزّل بھی دلفریب جوبن کی دلکشی پیش کرتا ہے۔ الغرض جس پہلو سے دیکھیں یا جس نوع سے بھی پرکھیں آپؒ شاعری کے روایتی معیاروں کی بلندیوں پر فائز ہیں۔ یعنی اصنافِ شاعری کے کسی پیمانے پر بھی پرکھا جائے اور دیگر شعراء سے موازنہ کیا جائے تو لاجرم آپؒ ان میں شمشاد قامت ہیں۔

صنفِ نعت

آپؒ کے نعتیہ کلام میں نعت "اے شاہِ مکّی و مدنی سیّد الوریٰ" میں رؤیا میں سنائی دینے والے کلمات "اے میرے والے مصطفیٰ ؐ" میں جہاں وارفتگی میں ٹوٹ کر ایک استغراقی اپنائیت کا اظہار ہوا ہے وہاں اس میں اپنے محبوب آقا و مولیٰ خاتم النبیّین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر اپنے اس خاص حقِ ایمان کا بھی اظہار ہے جس میں ایک احمدی دوسروں سے لاکھوں گنا ممتاز ہے۔ یہ حق وہ ہے جس کے بارے میں حضرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"مجھ پر اور میری جماعت پر جو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیّین نہیں مانتے۔ یہ ہم پر افترائے عظیم ہے۔ ہم جس قوّت، یقین، معرفت اور بصیرت سے آنحضرت ﷺ کو خاتم الانبیاء مانتے اور یقین کرتے ہیں، اس کا لاکھواں حصّہ بھی دوسرے لوگ نہیں مانتے اور ان کا ایسا ظرف ہی نہیں ہے۔ وہ اس حقیقت اور راز کو جو خاتم الانبیاء کی ختمِ نبوّت میں ہے، سمجھتے ہی نہیں ہیں۔ انہوں نے صرف باپ دادا سے ایک لفظ سنا ہوا ہے مگر اس کی حقیقت سے بے خبر ہیں اور نہیں جانتے کہ ختمِ نبوّت کیا ہوتا ہے، اس پر ایمان لانے کا مفہوم کیا ہے؟ مگر ہم بصیرت تامّ سے (جس کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے) آنحضرت ﷺ کو خاتم الانبیاء یقین کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ نے ہم پر ختمِ نبوّت کی حقیقت کو ایسے طور پر کھول دیا ہے کہ اس کے عرفان کے شربت سے جو ہمیں پلایا گیا ہے ایک خاص لذّت پاتے ہیں جس کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا بجز ان لوگوں کے جو اس چشمہ سے سیراب ہوں۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 342)

اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر اپنے اس حق ایمان کا اظہار اس نعت میں نمایاں ہے جو حضرت حضرت مسیح موعود علیہ السلا مکے اس مذکورہ بالا بیان میں علیٰ وجہ البصیرت اور عملی سچائیوں کے ہمراہ موجود ہے۔

جہاں تک مصرعے "اے میرے والے مصطفیٰ ؐ ...." کا تعلق ہے، آپؒ اس کی عمیق گہرائیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اس نظم کا شانِ نزول تو ایک رؤیا میں ہے جس میں ایک شخص کو دیکھا جو بڑی پُردرد آواز میں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کوئی کلام پڑھ رہا ہے۔ ان شعروں کا عمومی مضمون تو مجھے یاد رہا مگر الفاظ یاد نہیں رہے۔ البتہ ایک مصرعہ جو غیر معمولی طور پر میرے دل پر اثر کرنے والا تھا وہ ان الفاظ پر مشتمل تھا:

"اے میرے والے مصطفیٰ ؐ"

خواب میں اس کا جو مفہوم سمجھ میں آیا وہ یہ تھا کہ لفظ "والے" نے بجائے اس کے کہ سقم پیدا کیا ہو اس میں غیر معمولی اپنائیت بھر دی اور قرآن کریم کی بعض آیات کی بھی تشریح کر دی جن کی طرف پہلے میری توجہ نہیں تھی۔ عموماً یہ تأثر ہے کہ صرف رسول اللہ ﷺ ہی مصطفیٰ ہیں حالانکہ قرآن کریم میں حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، اور آل ابراہیم (اسحٰقؑ، یعقوبؑ، اسمٰعیلؑ) حضرت موسیٰ ؑ اور حضرت مریمؑ حتیٰ کہ بنی آدم کے لئے بھی لفظ اصطفیٰ استعمال ہوا ہے۔ تو مصطفیٰ ایک نہیں، کئی ہیں۔ پس اگر یہ کہنا ہو کہ باقی بھی مصطفیٰ ہوں گے مگر میرے والا مصطفیٰ یہ ہے تو اس کا اظہار ان الفاظ کے علاوہ دوسرے الفاظ میں ممکن نہیں۔ یہ بات ایسی ہی ہوگی جیسے کوئی بچہ ضد کرے کہ مجھے میرے والی چیز دو۔ میرے والی کہنے سے مراد یہ ہوتی ہے کہ مجھے محض یہ چیز نہیں چاہئے بلکہ وہی چیز چاہئے جو میری تھی۔ اس طرزِ بیان میں اظہارِ عشق بھی

محض "میرے مصطفیٰ" کہنے کے مقابل پر بہت زیادہ زور مارتا ہے۔ پس رؤیا میں ہی میں یہ نہیں سمجھ رہا کہ اس میں کوئی نقص ہے بلکہ اس ظاہری نقص میں مجھے فصاحت و بلاغت کی جولانی دکھائی دی اور مضمون میں مقابلۃً بہت زیادہ گہرائی نظر آنے لگی۔" (الفضل 4 ستمبر 2003)

صنفِ نعت میں جو کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی جماعت کو عطا کیا ہے وہ اپنے حسن و خوبی، عشقِ رسولؐ کے اظہار اور آپؐ کے مقام و مرتبہ کے بیان اور دیگر خصوصیات میں بے بدل ہے۔ ایسا اعجازی کلام کسی اور جگہ دستیاب نہیں ہے اور فارسی میں ایک شعر تو ایسا ہے کہ ہزاروں اشعار پر بھی وزنی اور فائق ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں: ؎

اگر خواہی دلیلے عاشقش باش　محمدؐ ہست برہانِ محمدؐ

کہ اگر محمد ﷺ کی صداقت و عظمت کی دلیل چاہتا ہے تو بس (آپؐ کا) عاشق ہو جا۔ پھر دیکھ کہ محمد ﷺ خود اپنی دلیل آپؐ ہیں۔ حضرت مرزا طاہر احمد صاحبؒ کی ذات میں اس شعر کا عکس نمایاں نظر آتا تھا۔ محمدؐ نام زبان پر آتے ہی آپؒ کا دل ہر بار آبِ چشم بن کر ٹپک پڑتا تھا اور وارفتگی میں آپؒ کی رندھی ہوئی آواز کے ہمراہ آپؒ کا سراپا اس بات کی شہادت دیتا تھا کہ:

؎ محمدؐ ہست برہانِ محمدؐ

وہ ایک عظیم الشان شخص جو عشقِ محمد ﷺ میں ایسا سرخوش ہوا، ایسا جذب اور ایسا فنا ہوا کہ سچ مچ اس کا مثیل و مہدی بن گیا۔ وہ پھر اس مقام پر پہنچا کہ جس کا مقتضائے حال یہ تھا کہ: "مَن فَرَّقَ بَینِی وَ بَینَ الْمُصطَفٰی فَمَا عَرَفَنِی وَمَا رَاَی" جس نے مجھ میں اور میرے مصطفی ﷺ میں فرق کیا اس نے نہ مجھے پہچانا نہ (میری محبت کی حقیقتِ عظمت کو) مشاہدہ کیا۔ حضرت صاحبزادہ صاحبؒ اپنی نعت "ظہورِ خاتم الانبیاء ﷺ" میں اس حقیقت کا بھی ذکر کرتے ہیں کہ ؎

وہ ماہِ تمام اس کا، مہدی تھا غلام اس کا
روتے ہوئے کرتا تھا وہ ذکر مدام اس کا
مرزائے غلام احمد۔ تھی جو بھی متاعِ جاں
کر بیٹھا نثار اس پر۔ ہو بیٹھا تمام اس کا



غزل

شائق نصیر پوری۔ لندن

کوچ کرتے ہیں تو دنیا کو خبر کرتے ہیں
ہم تو بنجارے ہیں ہر وقت سفر کرتے ہیں

کیوں بلندی سے ڈراتا ہے زمانہ ہم کو
ہم پرندے ہیں ہواؤں میں سفر کرتے ہیں

کھیلتے رہتے ہیں لفظوں کے کھلونوں سے مدام
ہم قلمکار ہیں عیبوں کو ہنر کرتے ہیں

ہجر کے ماروں کا انجام یہی ہے شاید
جاگتے رہتے ہیں رو رو کے سحر کرتے ہیں

سامنے آئے گی اک روز حقیقت ان کی
شعبدے جتنے بھی یہ شعبدہ گر کرتے ہیں

ہم جیالوں کی تو پہچان یہی ہے شائقؔ
زخم سیتے ھیں تو کب کس کو خبر کرتے ہیں

۞۞۞۞۞۞۞

دل اس کی محبت میں ہر لحظہ تھا رام اس کا
اخلاص میں کامل تھا وہ عاشقِ تامّ اس کا
اِس دَور کا یہ ساقی، گھر سے تو نہ کچھ لایا
مَے خانہ اسی کا تھا، مَے اس کی تھی، جام اس کا
سازِندہ تھا یہ، اِس کے۔ سب ساجھی تھے مِیت اس کے
دُھن اِس کی تھی، گیت اُس کے۔ لب اِس کے، پیام اُس کا

اور پھر اس کی وساطت سے ایک درد بھری یہ التجا بھی کرتے ہیں کہ ؎

اِک میں بھی تو ہوں یاربّ، صیدِ تہِ دام اس کا
دِل گاتا ہے گُن اُس کے، لب جپتے ہیں نام اُس کا
آنکھوں کو بھی دکھلا دے، آنا لبِ بام اس کا
کانوں میں بھی رس گھولے، ہر گام خرام اُس کا
خیرات ہو مجھ کو بھی اک جلوۂ عام اس کا
پھر یوں ہو کہ ہو دل پر الہام کلام اس کا

اس ضمن میں آخری بات یہ ہے کہ صنفِ نعت میں مبنی بر رؤیا آپؒ کی ایک نعت کا ذکر پہلے گزر چکا ہے، اب ایک اور نعت کا ذکر سنئے جو غزل کے نام پر از راہِ رؤیا اتری۔ یہ نعت نما غزل یا غزل نما نعت بھی یقیناً شعر وسخن میں ایک منفرد نوع کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں:

”میں نے رؤیا میں دیکھا کہ کوئی عزیز ہے وہ میرے لئے ایک مصرعہ پڑھتا ہے اور وہ مصرعہ خواب میں بالکل موزوں ہے یعنی باقاعدہ باوزن مصرعہ ہے لیکن اٹھنے کے بعد پورا یاد نہیں رہا۔ لیکن آخری حصہ اس کا یاد رہا جس کے مطابق پھر یہ غزل کہی گئی۔ مضمون اس کا یہ تھا کہ لوگ آج کل کے زمانہ میں، ابتلا کے زمانہ میں، ایسے ایسے شعر لکھ کر بھجواتے رہتے ہیں، نظمیں کہتے رہتے ہیں تو اجازت ہو تو میں بھی کہوں ایک غزل آپ کے لئے۔

”غزل آپ کے لئے“ کے لفظ بعینہٖ وہی ہیں جو رؤیا میں دیکھے گئے تھے .... چنانچہ اس ” آپ کے لئے“ کو پیشِ نظر ”غزل آپ کے لئے“ کے لفظ بعینہٖ وہی ہیں جو رؤیا میں دیکھے گئے تھے .... چنانچہ اس ” آپ کے لئے“ کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے جو میں نے غزل کہی اس کے پہلے چند اشعار اور آخری دراصل نعتیہ ہیں۔ وہ میں نے حضرت محمد ﷺ کو مخاطب کر کے کہے ہیں اور بیچ میں چند اشعار دوسرے مضامین کے لئے ہیں لیکن میں یہ سمجھا دینا چاہتا ہوں کہ وہ اپنے متعلق نہیں کہہ رہا۔ میں نے خود اپنے متعلق تو وہ غزل نہیں کہی تھی۔ اگرچہ کسی اور کے خیال سے بعض دفعہ انسان اپنے متعلق بھی اک آدھ شعر کہہ لیتا ہے کسی انسان کی زبان میں کہ گویا تم یہ چاہتے ہو کہ مجھے یہ پیغام دو۔ ایسے بھی ایک دو شعر اس میں ہیں لیکن دراصل اس کے اکثر شعر نعتیہ ہیں۔ پہلے چند اور آخری خصوصیت کے ساتھ۔ تو اس کا پس منظر ہے جو امید ہے معلوم ہونے کے بعد اس غزل کی طرز بھی سمجھ آ جائے گی کہ کیا طرز ہے۔“

(روزنامہ الفضل ربوہ 15/فروری 1990ء)

چُست بندشیں

حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمدؒ کے کلام کی خوبصورتی یہ بھی ہے کہ اس میں بندشیں بھی چست ہیں اور محاورے بھی۔ جس کی وجہ سے مضمون اور پیغام میں کمزوری یا زبوں کی جھلک تک نہیں ہے۔ آپؒ کے ابتدائی کلام میں سے ”عشقِ نارسا“ کے عنوان سے کہی گئی پچیس اشعار کی نظم کو دیکھیں۔ اس کی ردیف میں لفظ ’سا‘ اور اس کی سادگی نے ایک عجیب کیفیت پیدا کر دی ہے۔ ہر شعر کو صرف اس دو حرفی لفظ نے آسمان پر بٹھا دیا ہے۔ چنانچہ آپؒ لکھتے ہیں ۔

کبھی اپنا بھی اکشنا سا تھا
کوئی میرا بھی آسرا سا تھا
کبھی میں بھی کسی کا تھا مطلوب
یا مجھے بس یونہی لگا ساتھا
یوں لگا جب ملا وہ پہلی بار
جیسے صدیوں سے آشنا سا تھا
بھر دیا اس نے جو برسوں سے
میرے سینہ میں اک خلا سا تھا

ہمہ جہتی

اس پہلو کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ آپؒ چونکہ ایک ہمہ جہات، ہمہ صفات اور ہمہ اغراض الٰہی قائد تھے اور شاعری آپؒ کا مطمحِ نظر نہ تھی۔ اس لئے آپؒ نے زیادہ نہیں لکھا۔ لیکن آپؒ کے کلام میں طرب ومزاح کے ساتھ میرؔ و غالبؔ کے ہنر کی تابانی، معرفتِ یزدانی کی نور افشانی، تصوّف کے حال و مقام، جلوہ ہائے حسنِ فطرت بکمالِ تام، مسیحِ زماں کی مسیحائی، عشقِ رسولؐ کی دلربائی، نبیوںؑ سا انذار، رومی وسعدی مثال افکار، تقدیرِ خداوندی سے جُڑی ہوئی پیشگوئیاں اور خوشخبریاں نیز کروڑوں دلوں کی دھڑکنیں بھی موجود ہیں۔ وہ دَورِ گزشتہ کے فکر وادب سے بھی مرصّع ہے اور عصری فکر ونظر کے اعلیٰ سانچے اور زاویئے بھی دکھاتا ہے۔ یعنی اس میں دَورِ ماضی کی جوت بھی ہے اور نئے دَور کی دمک بھی۔

سلاست وروانی

سلاست وروانی آپؒ کے کلام کی ہمراز ہے، جو کسی بھاری بھرکم لفظ کو بھی بڑی آسانی اور ملائمت کے ساتھ اپنے اندر ایسے سمو لیتی ہے جیسے ایک خرام ناز ندی کسی سنگِ راسخ سے چھو کر ایک گداز ساز چھیڑتی ہوئی گزر جائے۔ پھر آپؒ کے کلام میں لفظوں پر بند بھی کمال کا ہے۔ مثلاً ایم ٹی اے کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں ۔

جو اُس کے ساتھ،اسی کی دعا سے اترا ہے
یہ مائدہ ہے ڈشوں میں اتار کر دیکھو

یہ شعر بتاتا ہے کہ قرآن کریم میں مذکور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی دعا والے آسمانی مائدہ کو اب مسیحِ زمان علیہ السلام کے ذریعہ آسمان سے اترنے والے آسمانی فیوض و برکات سے مماثلت ومشابہت ہے۔اس دَور کا یہ آسمانی مائدہ ہے، جسے طعام و طباق (ڈش) کی تشبیہ میں چن کر آپؒ نے سیٹلائٹ ڈشوں میں پیش فرمایا ہے۔

الغرض آپؒ کے میکدۂ سخن کے تمام جام وسبو پُر کیف و پُر سرور اور نشہ خیز ہیں جو قاری کو بقدرِ ہمّت عرفان ومطالب سے مخمور اور غور کرنے والے کو مسحور کرتے ہیں۔اورحق یہ ہے کہ آپؒ کے اشعار دِل میں اترتے ہیں،اثر کرتے ہیں اور انقلاب خیز ہیں۔

شدّت وتوازنِ جذبات

کہتے ہیں کہ شاعری تو جذبات اور احساسات کا اظہار ہے۔چنانچہ آپؒ کی شاعری میں شدّتِ جذبات ووسعتِ احساسات،لغت کا احاطہ اور پیرایۂ اظہار منفرد تھا۔دَورِ ہجرت میں اہلیہ حضرت سیدہ آصفہ بیگم نوّر اللہ مرقدھا کی وفات کا صدمہ بہت بھاری تھا۔مگر اس ضبطِ غم کا اظہار بھی ایک اعجاز تھا۔اور آپؒ اسی ضبطِ غم کو اللہ تعالیٰ کا ایک فیض پُر اعجاز بتاتے ہیں۔آپؒ نے لکھا۔

اسی کا فیض تھا ورنہ میری دعا کیا تھی
کہے سے اس کے دکھاتا تھا میرا غم اعجاز
جب اُس کا اذن نہ آیا خطا گئی فریاد
رہی نہ آہ کرشمہ نہ چشمِ نم اعجاز
غِنا نے اس کی جو عرفانِ بندگی بخشا
نہیں تھا وہ کسی جود و عطا سے کم اعجاز
اسی کو ہوگئیں تم اسی کے اَمر ہی سے تمہیں
اَمر بنانے کا دکھلا گئی عدم اعجاز
کبھی تو آکے ملیں گے چلو خدا حافظ
کبھی تو دیکھیں گے احیاءِ نو کا ہم اعجاز

یہاں چند اشعار نقل کئے گئے ہیں۔جبکہ پوری نظم اس ردیف قافیہ کے ساتھ ایک اعجاز سے کم نہیں۔زندگی کی ایک رفاقت ختم ہورہی ہے لیکن رفیقِ اعلیٰ کی رفاقت کا ذکر بھی دوش بدوش چل رہا ہے۔یہی نہیں۔صدمے کی اس شدّت میں بھی احساس کی وسعت اپنے دامن میں جن خیالات کو سمیٹتی ہے اور جن غریبوں کی محرومیوں کا احاطہ کرکے صدمے کی شدّت کو اور انگیخت کردیتی ہے،وہ آپؒ کے ایک خط کے اقتباس سے شاید کسی حد تک ظاہر ہوسکے۔فرمایا:

”ہجر وفراق کے موضوع پر اچھے شعراء کا پُر تاثیر کلام پڑھ کر بعض دفعہ میں سوچتا ہوں کہ شاعر تو انجمنِ خیال سجا کر اپنی خلوتوں میں کچھ نہ کچھ جلوتوں کے رنگ بھر ہی لیتے ہیں۔سادہ لوح صلاحیتِ سخن سے عاری لوگ کیا کرتے ہوں گے۔ان مجبوروں کی تنہائیوں کے خلا کے تصوّر سے بھی وحشت ہوتی ہے۔اس ویرانی میں تو الٰہیٔ صحرا کا سایہ بھی افق نظر آتا ہوگا۔“

ہجر وفراق کی ایک الگ داستاں

جدائی کا ذکر چلا ہے تو آپؒ کی ہجرت کے نتیجہ میں ہجر وفراق کی جو تاریخ شروع ہوئی،اس میں پاکستان میں پھیلے ہوئے آپؒ کے پیاروں پر ظلم وتشدّد کی داستانِ دلفگار بھی داخل ہے۔اس فضائے درد میں لگتا ہے کہ آپؒ کا کلام ان مہجوروں کے لئے وقف ہوگیا جو آپؒ کی جدائی میں تڑپ رہے تھے۔ان اسیرانِ راہ مولا کے لئے جن کا جرم کوئی نہیں تھا مگر پسِ دیوارِ زنداں پابندِ سلاسل تھے۔ان میں وہ بے قصور بھی تھے جو محض خدا تعالیٰ کی خاطر اپنے دین سے وابستگی کے ”جرم“ میں پھانسی کی سزائیں سُن چکے تھے اور کال کوٹھڑیوں میں موت کا انتظار کررہے تھے۔ان کے غم کو دل سے زبان تک لاتے ہوئے آپؒ اپنے خدا سے فریاد بھی کرتے ہیں اور بڑے پیار سے حقِ وفا میں لپٹا ہوا گلہ بھی کرتے ہیں کہ۔

ہیں کتنے ہی پابند سلاسل وہ گنہگار
نکلے تھے جو سینوں پہ ترا نام سجا کے
میں ان سے جدا ہوں مجھے کیوں آئے کہیں چین
دل منتظر اس دن کا کہ ناچے انہیں پا کے
عشاق تیرے جن کا قدم تھا قدمِ صدق

جاں دے دی نبھاتے ہوئے پیمان وفا کے
آدابِ محبت کے غلاموں کو سکھا کے
کیا چھوڑ دیا کرتے ہیں دیوانہ بنا کے

ایک طرف اگر اللہ تعالیٰ سے التجاؤں کے دوش بدوش محبتوں کے مان پر شکوے بھی ہو رہے تھے تو دوسری طرف پیار اور شفقتوں بھرے پیغاموں اور دل سے دلاسوں کی ترسیل جاری تھی۔ اپنی سانسوں میں بسنے والوں سے بڑی دل سوزی سے خطاب ہو رہا تھا ؎

دیارِ مغرب سے جانے والو! دیارِ مشرق کے باسیوں کو
کسی غریب الوطن مسافر کی چاہتوں کا سلام کہنا
ہمارے شام و سحر کا کیا حال پوچھتے ہو کہ لمحہ لمحہ
نصیب ان کا بنا رہے ہیں تمہارے ہی صبح و شام کہنا
تمہاری خاطر ہیں میرے نغمے، میری دعائیں تمہاری دولت
تمہارے درد و الم سے تر ہیں مرے سجود و قیام کہنا

اور اس کے ساتھ ساتھ یقین اور عزم کے ساتھ آنے والے اچھے دنوں اور ایک جہانِ نو کی بشارتیں بھی دی جا رہی تھیں کہ ؎

تمہیں مٹانے کا زُعم لے کر اٹھے ہیں جو خاک کے بگولے
خدا اُڑا دے گا خاک ان کی کرے گا رسوائے عام کہنا
بساطِ دنیا الٹ رہی ہے حسین اور پائیدار نقشے
جہانِ نو کے ابھر رہے ہیں بدل رہا ہے نظام کہنا
کلید فتح و ظفر تھمائی تمہیں خدا نے اب آسماں پر
نشانِ فتح و ظفر ہے لکھا گیا تمہارے ہی نام کہنا

پھر جلسہ سالانہ کے وہ دن بھی آتے ہیں جو کبھی ربوہ کے گلی کوچوں کو شاداں کر دیتے تھے۔ مگر اب وہ ایک بدیس آشیاں کو غم سے بھر دیتے ہیں۔ فضاؤں میں اُڑتے ہوئے قافلے دور دیسوں سے آ کر اُس کے آنگن میں اترتے ہیں مگر کچھ ایسے پر شکستہ بھی ہیں جو پیچھے رہ جاتے ہیں۔ ان کے لئے اس کا شاعر دل اداس ہو جاتا ہے اور کہتا ہے ؎

آئے وہ دن کہ ہم جن کی چاہت میں گنتے تھے دن اپنی تسکینِ جاں کے لئے
پھر وہ چہرے ہویدا ہوئے جن کی یادیں قیامت تھیں قلبِ تپاں کے لئے
پیار کے پھول دل میں سجائے ہوئے نورِ ایماں کی شمعیں اٹھائے ہوئے
قافلے دور دیسوں سے آئے ہوئے غمزدہ اک بدیس آشیاں کے لئے
دیر کے بعد اے دور کی راہ سے آنے والو! تمہارے قدم کیوں نہ لیں
میری ترسی نگاہیں کہ تھیں منتظر اک زمانے سے اس کارواں کے لئے
تم چلے آئے میں نے جو آواز دی تم کو مولیٰ نے توفیق پرواز دی
پر کریں پر شکستہ وہ کیا جو پڑے رہ گئے چشمکِ دشمناں کے لئے
حبس کیسا ہے میرے وطن میں جہاں پابہ زنجیر ہیں ساری آزادیاں
ہے فقط ایک رستہ جو آزاد ہے یُورشِ سیلِ اشکِ رواں کے لئے

اس عظیم فقیرِ توحید پرست کے سیلِ اشکِ رواں کی یُورشِ طوفاں نظیر کس طرح دعاؤں میں ڈھلی اور کس طرح عملاً سنگدل فرمانرواؤں کے بے رحم اور سنگلاخ فیصلوں کے ساتھ جیل خانوں کی آہنی دیواروں کو بھی بہا کر لے گئی، ایک طویل داستان ہے۔ جو اپنی جگہ پیش ہو گی لیکن وہ کیفیت درد دِل کیا تھی اور وہ طوفاں نظیر یورشِ دعا کیا تھی؟۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ ؎

جو درد سسکتے ہوئے اشکوں میں بھرا ہے
شاید کہ یہ آغوشِ جدائی میں پلا ہے
ہیں کس کے بدن دیس میں پابندِ سلاسل
پردیس میں اک روح گرفتارِ بلا ہے
کس دن تم مجھے یاد نہیں آئے مگر آج
کیا روزِ قیامت ہے! کہ اک حشر بپا ہے
یا ربّ یہ گدا تیرے ہی در کا ہے سوالی
جو دان ملا تیری ہی چوکھٹ سے ملا ہے
گم گشتہ اسیرانِ رہِ مولا کی خاطر
مدّت سے فقیر ایک دعا مانگ رہا ہے
جس رہ میں وہ کھوئے گئے اس رہ پہ گدا ایک
کشکول لئے چلتا ہے لب پہ یہ صدا ہے
خیرات کر اب ان کی رہائی مرے آقا!

کشکول میں بھر دے جو مرے دل میں بھرا ہے
میں تجھ سے نہ مانگوں تو نہ مانگوں کا کسی سے
میں تیرا ہوں، تو میرا خدا میرا خدا ہے

آفاقیت

آپؒ کے کلام کی ایک نمایاں خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں آفاقیت پائی جاتی ہے کیونکہ وہ ایسے دل سے پھوٹتا ہے جو نہ مشرقی تھا نہ مغربی۔اس میں عالمگیر جذبوں کی لو ہے جو دعوت و پیامِ اسلام کی طرح افق تا افق ہے۔چنانچہ وہ اگر پاکستان کے لئے چمکار دکھاتی ہے تو بوسنیا اور انڈونیشیا کے لئے بھی روشنی مہیّا کرتی ہے۔اس کی تابش اگر اپنے احمدیوں کے لئے راہیں روشن کرتی ہے تو دوسروں کے لئے بھی پر کاشی ہے۔وہ بلا رنگ و نسل اور مذہب و ملّت تمام پر یکساں نور فگن ہے۔

انقلاب خیزی

آپؒ کے کلام کی ایک اور خصوصیّت یہ بھی ہے کہ یہ محض شاعری کی غرض کے لئے شاعرانہ سخن نہیں ہے بلکہ ایک ایسے میر کارواں کا پیام ہے جو ایک جارحانہ رَو پیش قدمی پر یقین رکھتا ہے اور آگے ہی آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔چنانچہ اس کا کلام بھی اپنے قبیلے کو سریع سرعت کے ساتھ پیش قدمی، بلند حوصلگی اور غلبے کی منازل کے حصول کے لئے عزم و اقبال عطا کرتا ہے۔چونکہ حضرت صاحبزادہ صاحبؒ ایک انقلاب روزگار لیڈر ہیں۔آپؒ کے شعر کے اسلوب اور آہنگ میں حیات افروز پیغام ہے اور اس میں جماعت کے ہر طبقے کے افراد کے دل دھڑکتے ہیں۔آپؒ ایک سحر خیز شاعر ہیں لیکن آپؒ نے نفرتیں پھیلانے کی بجائے سچائی کے سازوں میں روحانیت کے تاروں پر پیار و محبت اور اخوّت و وحدت بڑھانے والے گیت سنائے۔آپؒ نے کاسۂ اشعار میں آبِ زندگی پیش کیا اور دلوں کو روحِ تابانی سے ہمکنار کیا۔آپؒ کے محاسنِ کلام میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپؒ نے اس کے ذریعہ اپنے فرضِ منصبی کی ادائیگی میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے قرآنی احکام کے ترازو میں قوم کو اس کی برائیوں سے آگاہ کر کے نیکیوں کی طرف توجہ اور کشش دلائی ہے۔

مسیحانہ کلام

بالآخر آپؒ کی شاعری کی تاجوری یہ ہے کہ اس میں شعراء کے علم و فن کا رسمی دخل نہیں ہے، بلکہ اس کا خمیر جس نادر چیز سے اٹھا ہے اس پر بھی وہی الہامِ الٰہی سند ہے جو اس دَور کے مسیح و مہدی کے کلام پر تھی کہ

"در کلامِ تو چیزے است کہ شعراء را درآں دخلے نیست"

(الہام حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

کہ تیرے کلام میں ایک خاص چیز ہے جس میں شعراء کو دخل نہیں ہے۔پس آپؒ کی خلافت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خلافت ہے تو آپؒ کے شعر و سخن کو بھی اسی مسیحانہ شعر و سخن کی جانشینی کی جاگ لگی ہے۔حضورؒ کا اللہ تعالیٰ سے جو تعلق تھا اسی ناتے سے جو کلام زبان پر جاری تھا اس کی بے ساختگی خود گویا ہے کہ وہ کسی چشمۂ الوہیت سے جاری ہوا ہے۔ربوہ میں آپؒ کے آخری جلسہ سالانہ (1983ء) پر پڑھی جانے والی آپؒ کی مایہ ناز اور تاریخ ساز نظم کا ہر شعر اپنے اندر گویا ملاءِ اعلیٰ سے جاری شدہ عظیم الشان پیشگوئی کو سموئے ہوئے تھا اور حضرت مسیح موعودں کے اسی الہام کی طرف اشارہ کر رہا تھا "اُتِیَ عَلَیْکَ زَمَنٌ کَمِثْلِ زَمَنِ مُوْسیٰ" کہ تجھ پر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے جیسا زمانہ حضرت موسیٰ علیہ اسلام پر آیا تھا۔حضورؒ نے اس نظم میں جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا۔

دو گھڑی صبر سے کام لو ساتھیو! آفتِ ظلمت و جور ٹل جائے گی
آہِ مومن سے ٹکرا کے طوفان کا رخ پلٹ جائے گا رُت بدل جائے گی
تم دعائیں کرو یہ دعا ہی تو تھی جس نے توڑا تھا سَرکبرِ نمرود کا
ہے ازل سے یہ تقدیرِ نمرودیت آپ ہی آگ میں اپنی جل جائے گی
یہ دعا ہی کا تھا معجزہ کہ عصا ساحروں کے مقابل بنا اژدہا
آج بھی دیکھنا مردِ حق کی دعا سحر کی ناگنوں کو نگل جائے گی
ہے ترے پاس کیا گالیوں کے سوا ساتھ میرے ہے تائیدِ ربّ الوریٰ
کل چلی تھی جو لیکھو پہ تیغِ دعا آج بھی اِذن ہوگا تو چل جائے گی

اس نظم میں جہاں جماعت پر ظلم ڈھانے والے ظالموں کے لئے انذار کا پہلو ہے وہاں اپنی جماعت کے لئے الٰہی تبشیر کی گھٹائیں بھی اُڈتی ہیں۔بہرحال اس میں جس پیشگوئی کا ذکر تھا، وہ کس شان سے پوری ہوئی یہ ایک الگ داستان جو دنیا نے سنی بھی اور مشاہدہ بھی کی۔یہ ساری داستان شاہد

ہے کہ آپؒ کے کلام میں کوئی ایسی چیز ضرور ہے کہ عام شعراء کا اس میں دخل نہیں ہے۔

اساتذۂ فن کے کلام کا فہم و ادراک

شعر و سخن کے عام اور رسمی فن پر بھی حضرت صاحبزادہ صاحبؒ کی دسترس انتہا کی ہے۔ عام شعراء کے کلام کی کنہ تک تو اکثر لوگ پہنچ جاتے ہیں۔ مگر استادہائے شعر و سخن کے کلام کے سربستہ زاویوں اور کونوں کھدروں میں مخفی رازہائے قلب و نظر کی خبر پانا ہر ایک کی رسائی میں نہیں۔ اس کے لئے فنِ شعر کے گہرے ادراک کے ساتھ نورِ فہم و فراست بھی درکار ہے۔ حضرت صاحبزادہ صاحبؒ عطائے الٰہی کے ساتھ ان تمام ہتھیاروں اور صلاحیتوں سے لیس، شاعری کے جملہ اسرار سے آشنا اور اس کے مخفی پہلوؤں سے بھی آگاہ ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ شاعری کے حسن و نکھار سے لذّت بھی بلا کی اٹھاتے ہیں۔

جنوری 1981ء کی بات ہے، حضرت شیخ محمد احمد مظہرؒ ربوہ تشریف لائے اور دار الضیافت میں قیام فرما ہوئے۔ آپؒ نے حضرت صاحبزادہ صاحبؒ سے خواہش کی کہ آ کر مل جائیں۔ اس ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے حضرت صاحبزادہ صاحبؒ اپنا حال بیان فرماتے ہیں:

"بعض مجالس کے تاثرات پھولوں کی خوشبو کی طرح ہوتے ہیں۔ ان پھولوں کو کھِلے ہوئے کچھ دیر گزر جائے تو وہ بات نہیں رہتی۔ مختلف موضوعات پر فارسی کے بلند پایہ شعراء کا منتخب کلام انہوں نے سنایا۔ کئی مرتبہ تو قدم قدم روش روش ان کے ساتھ چلتا رہا اور وہ انگلی اٹھا اٹھا کر شعروں کے اس چمن کے مختلف گوشوں کا حسن مجھے دکھاتے رہے۔ جیسے یورپ میں شوکیؔ اور فائزہ کو میں قدرت کے حسین مناظر دکھایا کرتا تھا۔ یا جیسے وُلزے پارک انگلستان میں درختوں کے جھرمٹ سے جھانکتی ہوئی بے حد حسین و دلکش پھولوں کی کیاریاں دیکھ دیکھ کر انہیں متوجّہ کرتا تھا کہ دیکھو وہ بھی وہ بھی دیکھو وہ بھی تو دیکھو۔ لیکن شعروں کی دنیا کی اس سیر میں بسا اوقات شیخ صاحب آگے نکل جاتے اور میں کسی ایک شعر کے حسن میں ڈوب کر کھو یا جاتا۔ جیسے کسی پھول کا در کھلا دیکھ کر بھنورا اس میں ڈوب جاتا ہے۔ شعر کے اس دریچے کے اس پار مجھے حسن کا ایک جہاں نظر آتا جس کی میں تنہا سیر کرتا رہتا۔ ایسی ہی ایک تنہا سیر کے دوران میں نے سوچا کہ میں بھی تو تضادات کا مجموعہ ہوں، ساتھی ہوں تو تنہائی کو ترستا ہوں۔ تنہائی ملے تو ساتھی ڈھونڈتا ہوں۔ آخر یہ پاگل من چاہتا کیا ہے۔ کسی چیز پر بھی راضی نہیں ہوتا۔ بے چین بچہ ضدی کہیں کا۔ کھلونا نہ ہو تو کھلونے کو روئے، کھلونا دو تو پٹخ کر اس ٹوٹے ہوئے بکھرے ہوئے ٹکڑوں پر واویلا کرنے لگے۔ میں نے سوچا انسان ناشکرا اپنے ربّ سے ایسا ہی سلوک کرتا ہے۔ تبھی تو بار بار اسے کہنا پڑتا ہے "فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ"۔ زندگی دیتا ہوں تو موت مانگنے لگتے ہو، موت دیتا ہوں تو زندگی کی دُہائی دینے لگتے ہو۔ آخر میری کن کن نعمتوں کی تم تکذیب کرتے چلے جاؤ گے۔

پس ایسے کئی بار ہوا کہ میں کسی ایک پھول کی سیر میں کھویا گیا اور شیخ صاحب آگے نکل گئے اور پھر مجھے پیچھے مُڑ کر اس طرح آوازیں دے کر بلایا جیسے بچہ سیر کے دوران پیچھے رہ جاتا ہے تو ماں باپ ٹھہر ٹھہر کر اسے بلاتے رہتے ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آج سیر کرانے والے نے زیادہ سیر کی یا اس نے جسے سیر کروائی جا رہی تھی۔ حضرت اقدس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک ایسا پیارا شعر انہوں نے سنایا تو اس کی سیر میں جو کھویا گیا تو بہت دور نکل گیا۔ ادھر شیخ صاحب سارے چمن کی سیر کر کے مجھے ڈھونڈتے ہوئے واپس لوٹے تو وہیں ملا جہاں مجھے چھوڑ کر گئے تھے۔"

یہ واقعہ حضرت صاحبزادہ صاحبؒ کے ذوقِ شعری کی پاکیزگی اور ادراک کی رفعت کا عکّاس ہے۔ جس گہرائی اور سچائی کے ساتھ آپؒ مشکل سے مشکل ترین شعر کی تہہ میں آسانی سے اتر کر سیراب ہو لیتے تھے، یہ آپؒ ہی کا مقسوم تھا۔ اس میدان میں آپؒ یکتا ہیں۔

مرزا غالبؔ اور آپؒ



چنانچہ 1979ء میں حضرت صاحبزادہ صاحبؒ نے خدام الاحمدیہ مرکزیہ کی درخواست پر سرائے خدمت میں "مرزا غالبؔ" کے موضوع پر ایک فی البدیہہ قسم کا لیکچر دیا تھا۔ اس کے کچھ حصے ذیل میں پیش کئے جا رہے ہیں۔ یہ لاثانی مضمون

اپنی مثال آپ ہے اور تاریخِ ادبِ اُردو میں غالبؔ کے اشعار کی خوبصورت اور لطیف تشریحات پر مشتمل ایک منفرد شاہکار ہے۔ اگر غالبؔ کی شاعری فطرت، فراست، نفسیات، تصوّف اور قدرت کے دقیق سربستہ رازوں کو سموئے ہوئے ہے تو یہ تشریحات ان رازوں کے عمیق کونوں کھدروں کو سرِ عام اور بے دھڑک بے نقاب کر رہی ہیں۔ صلاحیتِ سخن اور سخن فہمی آپؒ کو منبع فیض سے بدرجہ کمال حاصل تھی۔ غالبؔ پر مشکل پسندی کا اعتراض کرنے والوں کے جواب میں اس نے خود یہاں تک کہہ دیا تھا کہ ؎

"گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی"

مگر حضرت صاحبزادہ صاحبؒ بعض دفعہ اس کا کہا ہوا اس طرح کہہ جاتے کہ گویا اس کے دل و دماغ کا سب کچھ آپؒ جانتے ہیں۔ اس کا کہا ہوا ہر مشکل شعر جب آپؒ بیان کرتے ہیں تو وہ آسان ہو جاتا ہے۔ آپؒ غالب کو ہر سننے اور پڑھنے والے کے قریب کر دیتے ہیں۔

یہ سچ تو اپنی جگہ ہے مگر ان تشریحات کی اوٹ میں حضرت صاحبزادہ صاحبؒ کی ذات کے کئی پہلو بھی اپنے اندر اپنی دلآویز تابناکیوں اور جلووں کے اظہار کے ساتھ آپؒ کی اپنی شاعری کے علوّ و ارتفاع کو پیش کر جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ حقیقت بھی عیاں ہے کہ جو خوبیاں آپؒ نے غالبؔ کے کلام کی پیش فرمائی ہیں، ان سے آپؒ کا اپنا کلام بھی خوب مزیّن ہے۔ یہاں ان کی تفصیل میں جانا ممکن نہیں مگر ان پر غور کرنے والا ہر صاحبِ ذوق وفن اپنے اپنے ظرف و ادراک کے مطابق غیر معمولی خوبیاں اور حسن و بُو ملاحظہ کرتا ہے۔ الغرض غالبؔ کی شاعری کا تجزیہ کرتے ہوئے آپؒ نے فرمایا:

"خدّام الاحمد یہ نے نوٹس دیا ہوا تھا لیکن دو دن پہلے خالد مسعود (ملک خالد مسعود صاحب) نے مجھے دیوانِ غالبؔ لا کر دیا اور وہ دفتر سے گھر اور گھر سے دفتر چلتا رہا۔ موقع نہیں ملا مجھے دیکھنے کا۔ آج شاہ صاحب تشریف لائے تو انہوں نے نوٹس دیا لیکن دوسرے مہمان آ گئے۔ چار بجے کھولا تو الف کی پٹی بھی ابھی پوری نہیں پڑھی تھی کہ نماز کا ٹائم ہو گیا۔ پھر میں نے جلدی جلدی میں نماز کے اور اس وقت کے دوران یاد سے کچھ شعر لکھ لئے ہیں۔ تو آپ لوگوں کا وہی حال نہ ہو کہ ؎

تھی خبر گرم کہ غالبؔ کے اڑیں گے پرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا

عذر سے میں نے بات شروع کی ہے لیکن غالبؔ کے ہاں عذر کا کوئی دستور نہیں۔ لیکن وہ ایک ایسا شاعر ہے کہ اپنے خلاف ایسے ایسے مضمون تراشتا ہے اور ایسی گہری نظر سے اپنے نفس کا تجزیہ کرتا ہے کہ جہاں دوسروں کو گناہ نظر نہیں بھی آتا وہاں اس کو نظر آجاتا ہے۔ مثلاً کہتا ہے ؎

دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک
میرا سرِ دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

لوگ تو کہتے ہیں کہ جی بوڑھا ہو گیا تو نیک ہو گیا اور چلو یہی سہی۔ آخری عمر میں تو کچھ نیکی کی اس نے۔ لیکن غالبؔ کے ہاں یہ بیچارگی کے مترادف ہے۔ اور حقیقت میں وہ اس فلسفہ کو خوب سمجھتا ہے کہ گناہ تو فورِ جذبات کے وقت نفس کو روکنے کا نام ہے نہ کہ بے اختیاری کی حالت میں معصومیت کا نام۔ اس کے علاوہ بھی وہ بعض ایسی باتیں کرتا ہے جو دنیا کے ادب میں کسی شاعر نے اپنے خلاف نہ کہی ہوں گی۔ مثلاً کہتا ہے کہ ؎

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یا ربّ اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

ناکردہ گناہ، پکڑے جانے کے شکوے جو آپ کو دُنیا کے ہر ادب میں ملیں گے۔ لیکن ناکردہ گناہوں کو اپنے جُرموں میں شمار کرنا یہ ایک ایسا استثنائی کلام ہے جو میرے علم کے مطابق محدود ہے۔ وہ غالبؔ کے سوا کہیں اور نظر نہیں آتا۔ سارے کلام میں مجھے صرف ایک عذر اس کا ملا ہے جو اس کے نزدیک درخورِ اعتنا ہے۔ اور وہ بھی عذر کا نہ ہونا ہے۔ کہتا ہے۔ ؎

رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے
شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا

سب سے مضبوط عذر جو اس کو ملا ہے۔ اس کے سوا اور کوئی نہیں ملا کہ وہ عذر کوئی نہیں کرتا ایک تو اپنے گناہوں سے واقف بھی نہیں اور ان کے خلاف کسی قسم کی حجت تلاش نہیں کرتا۔

اس تمہید کے بعد جو شعر میں نے جلدی جلدی گھسیٹے ہیں ان کے متعلق کچھ

عرض کرتا ہوں۔

غالبؔ کے ہاں بعض تصویریں ملتی ہیں۔ وہ ایک نقّاش ہے، ایک مصوّر ہے۔ اور آواز کے بغیر جو اس نے تصویر کشی کی ہے وہ بہت ہی خوبصورت طرز بیان ہے۔ مثلاً کہتا ہے کہ ؎

مدّعا محوِ تماشائے شکستِ دل ہے
آئینہ خانے میں کوئی لئے جاتا ہے مجھے

اس پر غور کریں اس کے مضمون میں ڈوب کر بہت ہی حسین دلکش نظارہ انسان کے سامنے آتا ہے۔ وہ مدّعا جو دل کی زینت تھا وہ جب حسرت میں تبدیل ہوا اور دل ٹکڑے ٹکڑے ہوا تو ہر ذرّہ دل میں وہ مدّعا قطروں کی طرح چمکنے لگا۔ آئینہ خانہ اس جگہ کو کہتے ہیں۔........لوگ آئینہ خانے میں جاتے تھے تو ہر طرف شیشے میں ایک کی بجائے سینکڑوں تصویریں ایک دوسرے سے ٹکر کھاتی نظر آتی تھیں تو کہتا ہے وہ مدعا جو کبھی دل کی زینت تھا اس کی شکست کے نتیجے میں دل ٹکڑے ٹکڑے ہوا اور ایک مدعا نہیں ہر ٹکڑے میں اس مدّعا کو اپنی تصویر نظر آرہی ہے۔ ایک بہت ہی حسین تصویر کشی ہے غالبؔ کی۔ کچھ سادہ الفاظ میں کچھ مشکل طرز میں۔ سادہ الفاظ میں اس کی تصویر کشی کے مناظر میں سے دو پیش کرتا ہوں۔ ؎

تماشا کر اے محوِ آئینہ داری
تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں

محو آئینہ داری میں لفظ محویت میں یہ بتایا کہ دیکھنے والا خود اپنے حسن میں محو ہو گیا ہے، گم ہو گیا ہے، متاثر ہے اور اس کو یہ بتانے کا اس سے اچھا کیا موقع ہے کہ تمہارا اپنا یہ حال ہے تو ہم جو غیر نظر سے تجھے دیکھ رہے ہیں اور تیری محبت میں مبتلا ہیں ہماری کیا کیفیت ہوئی ہوگی۔ کچھ اندازہ کرنے کا یہ بہت اچھا وقت ہے کہ جو دوسرے تجھے پیاری نظر سے دیکھتے ہیں ان پر تیرا کیا اثر ہوتا ہوگا اس مضمون کو نسبتاً ہلکے رنگ میں ایک اور طرح غالبؔ نے یوں بیان کیا ہے۔ ؎

آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے
صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا

"اپنا سا منہ لے کے رہ گئے"۔ ایک اور حُسن ہے جو اس میں نہیں ہے کہ اپنا سامنہ لے کر رہ جانا ایک طرف تو شرمندگی اور دوسری طرف شرمندگی اس بات پر کہ ہم تو اتنے خوبصورت ہیں کہ خود اپنے ہی حسن کا شکار ہو گئے۔ اس "اپنا سا منہ" میں حسن پیدا کر دیا ہے۔ ایک اور یعنی محض تحسین کا کلمہ نہ رہا بلکہ تعریف کی انتہا ہو گئی۔ آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے کہ آئینے میں اپنے ہی سامنہ نظر آیا کرتا ہے۔ تو ایک نہیں بلکہ کئی پہلو ہیں حسن کے اور یہی غالبؔ کی خصوصیت ہے کہ جو بات کہتا ہے اُسے الٹ پلٹ کے دیکھیں تو ہر زاویے سے ایک نیا حسن نظر آتا ہے۔ پھر وہ کہتا ہے کہ ؎

تُو اور آرائشِ خمِ کاکل
میں اور اندیشہ ہائے دور دراز

ہائے دور دراز سے جو نسبت ہے وہ ظاہر ہے۔ لیکن یہ بھی ایک خاموش تصویر ہے۔ ایک شخص آرائش خمِ کاکل میں محو ہے اور دوسرا اندیشہ ہائے دور دراز میں ہے۔

اور اندیشہ کو ظلمات سے ایک نسبت ہے۔ اندھیرے اور کاکل میں بھی ایک ظلمت کا پہلو پایا جاتا ہے۔ اور خم میں بھی پیچیدگی کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔ تو ہر لفظ دوسرے کے ساتھ اس خوبی کے ساتھ منطبق ہو رہا ہے کہ حسن میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

پردے اور حجاب کے ذکر میں ایک یہ شعر بھی میرے ذہن میں آیا جو بہت ہی اُونچے درجے کا ہے۔ خدا تعالیٰ کی ہستی کو مخاطب کر کے غالبؔ کہتا ہے۔ ؎

محرم نہیں ہے تُو ہی نوا ہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

یہاں حجاب اور پردے کے مضمون کو آپس میں ایک دوسرے کے مقابل اس طرح باندھا گیا ہے کہ حجاب، حجاب کا کام نہیں دے سکتا بلکہ بے حجابی کے کام آرہا ہے۔ کیونکہ پردۂ ساز آواز کے اٹھانے کے لئے کام آتا ہے اور بظاہر نام پردہ ہے لیکن حقیقت میں اس سے سوز کے مخفی اور گداز جذبات صوتی شکل میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی ہستی کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ بظاہر محرم ہائے راز تو تُو ہی ہے لیکن جو پردہ بھی تیری راہ میں حائل ہے جب ہم اس پردے کا نظارہ کرتے ہیں تو تیرے حُسن کی تصویر ابھرتی ہے اور تیری ذات کا

تصور عجیب رنگ میں ہماری آنکھوں کے سامنے جلوہ گر ہوتا ہے۔

غالبؔ کے ہاں ارتقائی تصوّرات بھی ملتے ہیں۔ ڈاروِن والا اِرتقا نہیں بلکہ سوچ کا اِرتقاء اور ایک چیز پر نہ ٹھہرے رہنا بلکہ اُس سے آگے، اس سے آگے کی تلاش اور جستجو اور اس چیز کو اپنے محبوب میں بھی دیکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حسنِ کامل کا جو تصور ہے اس میں ٹھہراؤ کوئی نہیں اور اگر حُسن میں ٹھہراؤ ہو تو عشق زائل ہو جاتا ہے۔ یہ بہت ہی بنیادی نکتہ ہے کہ عشق میں اگر دوام چاہیئے ہو تو حسن میں بھی ایک مسلسل ترقی کی جانب حرکت ہونی چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل اللہ حقیقی عشق صرف خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں کیونکہ اس کے سوا کسی حسن میں بھی مستقل حرکت اور ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف منتقل ہونے کی کیفیت نہیں پائی جاتی ہے۔ جس کو قرآن کریم یوں بیان فرماتا ہے: "كُلَّ يَوۡمٍ هُوَ فِىۡ شَاۡنٍ ۔ فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔"

اگر خدا تعالیٰ کے حسن کا ایک ہی جلوہ ہمارے سامنے رہتا تو باوجود اس کے کہ وہ جلوہ کامل ہوتا پھر بھی تم بور ہو جاتے کیونکہ ہم نے انسانی فطرت کو ٹھہراؤ کے لئے پیدا نہیں کیا۔ کن کن نعمتوں کا تم انکار کرو گے کہ خدا تعالیٰ اپنے حسن کا بھی صرف ایک جلوہ تمہارے سامنے نہیں رکھتا۔ کبھی کسی جلوے کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے کبھی کسی جلوے کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔ غالبؔ اس تصور کو زبردستی اپنے محبوب پر ٹھونستا ہے۔ بات اس کی سچی نہ سہی لیکن راز جو پا گیا وہ درست ہے۔ کہتا ہے۔ ؎

آرائشِ جمال سے فارغ نہیں ہنوز
پیشِ نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں

تو ایک مقام نہیں ہے جہاں میرا محبوب اپنے حسن پر تسلی پا جائے۔

یہاں لطف کی بات یہ ہے کہ محبوب کا ذوقِ نظر بھی بہت بلند دکھایا گیا ہے۔ صرف حسن نہیں یعنی محبوب کا ذوق خود اس راز کو جانتا ہے کہ کسی ایک مقام پر بھی میں ٹھہر گیا تو میں پرستش یا پیار کے قابل نہیں رہوں گا۔ کہتا ہے۔ پیشِ نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں۔ ہمیشہ جستجو رہتی ہے کہ میں پہلے سے بہتر اور بہتر تر ہوتا چلا جاؤں۔ یہی تصور اس کے ہاں کائنات کی جستجو میں ملتا ہے، غالبؔ کے ہاں۔ کہتا ہے ؎

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
عرش سے اُدھر ہوتا کاش کہ مکاں اپنا

بعض دیوانوں میں "اِدھر" لکھا ہوا ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ مراد یہ ہے کہ انسان کو جو بھی جگہ ملے سوچ اور فکر کی وہ اس کی زمین بن جاتی ہے اور انسانی فطرت ہے کہ اس کے اوپر آسمان ضرور بنایا جائے۔ کہتا ہے ؎

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
عرش سے اُدھر ہوتا کاش کہ مکاں اپنا

اسی مضمون کو ایک اور رنگ میں باندھتا ہے لیکن اس میں ایک سراب کی کیفیت پیدا کر کے ایک حسرت کی اک نہ ختم ہونے والی جستجو کی۔ کہتا ہے

ہے کہاں تمنّا کا دوسرا قدم یا رب!
ہم نے دشتِ امکاں کو ایک نقشِ پا پایا

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالبؔ کی سوچ کتنی لطیف، کتنی گہری اور کتنی ہمہ گیر تھی اور اس کی نظر کتنی باریک تھی اور وسعتوں میں لامتناہی تو نہیں ہم کہہ سکتے ہیں لیکن اتنی وسعتیں ہمیں ضرور نظر آتی ہیں کہ عام انسانی ذہن ان کا تصور نہیں کر سکتا۔ کہتا ہے ؎

ہے کہاں تمنّا کا دوسرا قدم یارب

یہ سارا دشتِ امکاں کہہ کر اسے سراب کے مضمونِ بند میں پیش کیا کہ ہر امکان جو اس کائنات میں ہمیں دکھائی دے رہا ہے جہاں ہم تلاش کرتے ہیں، اپنے ماحصل کو، اپنے منتہیٰ کو، اپنے مدعا کو یہ ایک دشت ہے۔ اس میں ملتا کچھ نہیں۔ لیکن اس جستجو کا ضرور کوئی نہ کوئی اگلا قدم تو ہونا چاہیئے۔ تو یہ تو پہلا قدم ہے جو دشتِ امکاں میں ہمیں نظر آیا تمنا کا۔ اور وہ دوسرا قدم کہاں ہے جہاں ہمیں سب کچھ مل جائے گا۔ یہ انسانی فطرت کی نہ ختم ہونے والی جستجو، نہ ختم ہونے والی پیاس کو اس سے زیادہ حسین رنگ میں میرے خیال میں شاید ہی دنیا کے کسی شاعر نے بیان کیا ہو۔ کم سے کم میں نے جیسا کہ عرض کیا تھا میرے محدود علم میں اس شعر کی کوئی مثال کہیں نظر نہیں آتی۔

غالبؔ کے ہاں شکوہ بھی ملتا ہے اور جواب شکوہ بھی لیکن صرف دو شعروں میں۔ جس مضمون کو اقبالؔ نے دو کتابوں کی شکل میں، اشعار کے دو گلدستوں کی شکل میں پیش کیا۔ اس کو انتہائی شدّت کے ساتھ اور ٹھسے ہوئے

مضمون کے ساتھ غالبؔ نے دو شعروں میں بیان کر دیا اور دونوں میں انسان کے لئے ایسا مواد موجود ہے کہ ہر شعر اپنی ذات میں اس کو راضی کر لیتا ہے۔اتنی قوی دلیل اور ایسے جذبے کی بے اختیاری اور شدت اپنے اندر رکھتا ہے کہ دونوں کے اندر توازن پایا جاتا ہے۔اقبال کے او پر تنقید کرنے والے کہتے ہیں کہ شکوہ میں تو زور ہے لیکن جوابِ شکوہ میں وہ زور نہیں اور وہ پلڑا جو ہے وہ ہلکا اور اُو پر اُٹھا ہوا نظر آتا ہے۔غالبؔ کا شکوہ اپنے ربّ سے یہ ہے کہ ؎

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی
بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

جذبے کا اتنا شدید اظہار، اتنی قوّت اور زور کے ساتھ۔ مجھے دریائے بیاس یاد آجاتا ہے۔ جو ہم کئی دفعہ اس کا دَہانہ دیکھنے کے لئے گئے تھے۔تو جہاں وہ تنگ ہو جاتا ہے بہت اور غاروں اور چٹانوں کے بیچ میں سے رستہ نکال کے گزرتا ہے وہاں اس کے اندر بے انتہا شدّت پائی جاتی ہے، بہت زور پایا جاتا ہے تو اس جذبے کو ایک پیچ بیچ شکل میں تبدیل کر دیتا ہے ؎

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی
بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

ساری عمر بندگی کی اور کچھ نہیں پایا۔آخر وہ کیا خدا تھا جس کی ہم پرستش کرتے رہے۔جواب سنئے: ؎

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

کیسا پیارا جوابِ شکوہ ہے۔ وہ کیا بندگی تھی، کیا کیا کچھ ہم نے خدا کے لئے کیا۔جب اس پہ نظر ڈالتا ہے تو محسوس کرتا ہے کہ اپنے پاس سے کچھ نہیں لائے ؎

سب کچھ تیری عطا ہے
گھر سے تو کچھ نہ لائے

اُس مضمون کو یہ اپنے رنگ میں باندھ رہا ہے۔ ہمارے پاس تھا کیا۔ جو کچھ تھا وہ خدا ہی نے دیا ہوا تھا اور وہ سب کچھ بھی ہم اس کی راہ میں دے نہ سکے۔ساری عمر گناہوں میں مبتلا رہے۔ غیر اللہ کی طرف بھاگتے رہے۔اپنی خواہشات کو اِلٰہ بنائے رکھا اور آخر پر کیا نکلا، جان ایک رہ گئی تھی وہ دے دی اور بڑا کمال کر دیا۔تو ؎

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

جان تو دے دی واپس لیکن جان کا حق ادا نہیں ہوا۔ یہ ہے اس میں مضمون۔جان نے جو فرائض، جو مطالبے ہم پر عائد کئے تھے، جو تقاضے قائم کئے تھے ان میں سے کسی تقاضے کو پورا نہیں کر سکے۔امانت اسی طرح لوٹا دی ہے۔ اس سے زیادہ ہم نے کوئی بندگی نہیں کی اور جان دینا بظاہر بندگی کی انتہا سمجھا جاتا ہے۔ پس اِس مضمون میں جو بظاہر کتنا سادہ اور آسان شعر ہے لیکن اِس میں بہت ہی گہرائی پیدا ہو جاتی ہے۔ اِسی قسم کے بہت سے ہیں موازنے۔غالبؔ نے ایک ہی مضمون کو مختلف رنگ میں بیان کیا ہے۔کہیں نرمی اور پیار کے ساتھ اور اس میں حسرت کا پہلو اور ملائمت پائی جاتی ہے اور کہیں شدّت اور زور کے ساتھ اور وہاں بھی اسی طرح دریا کا سا منظر آتا ہے کہ دریا جب پھیل جاتے ہیں تو ان میں ایک خاموشی پائی جاتی ہے اور بہت ہی سکون کا منظر نظر آتا ہے لیکن جب وہ تنگ ہو کر رستہ نکالتے ہیں تو اُن میں شدت پائی جاتی ہے۔ انسانی فطرت بھی کائنات کی طرح کے نظارے اپنے اندر رکھتی ہے۔.....

غالبؔ کے ہاں جہاں تصوّف کے مضامین پائے جاتے ہیں وہاں ایک قسم کی چالاکی اور ہوشیاری بھی پائی جاتی ہے اور اس کے تصوّف میں اپنے گناہ اور شراب اور یہ سب چیزوں کا مضمون سمویا جاتا ہے۔اکثر یہی دیکھا گیا ہے۔اس کی ایک بہت پیاری مثال یہ ہے۔کہتا ہے ؎

سرپائے خم پہ چاہئے ہنگامِ بیخودی
رو سوئے قبلہ وقتِ مناجات چاہئے

سرپائے خم پہ چاہئے ہنگامِ بیخودی۔"كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ" کا ایک یہ جواب ہے۔اس نے اپنی طرف سے تراشا ہے۔کہتا ہے خدا کی صفات جو ہیں ان کے مختلف جلوے ہوتے ہیں۔ یہ پیمانے میں اور خم میں جو چیز ہم پیتے ہیں یہ کہاں سے آئی۔ یہ کیف و مستی یہ خدا ہی کی تو تخلیق ہے۔اس لئے خدا کی

صفت جہاں بھی نظر آئے سر پائے خم پہ اس وقت انسان کو صفاتِ باری تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہونا چاہئے۔ ؎

رُو سُوئے قبلہ وقتِ مناجات چاہئے

جب عبادت کا وقت ہو تو وہی رُخ سوئے قبلہ کر لیا کرو اور دلیل سنیئے: ؎

یعنی بہ حسبِ گردش پیمانۂ صفات
عارف ہمیشہ مستِ مئے ذات چاہئے

کیسا پیارا مضمون باندھا ہے اس نے شراب کی گفتگو میں۔" بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر" کا یہ ایک ثبوت ہے۔ کہتا ہے۔ 'یعنی بہ حسبِ گردش پیمانۂ صفات، یعنی صفات باری تعالیٰ کا پیمانہ ہر وقت گردش میں ہے اس کے مطابق فعل کیا کرو۔ یہ نہ ہو کہ مے نوشی کا وقت ہو اور تم نمازوں میں مبتلا ہو جاؤ۔ یہ فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے کیونکہ یہ قضائے حال کے منافی ہوگا۔ اس لئے جب صفات باری تعالیٰ ایک خاص رنگ میں پیش ہوں۔ جب بادل اٹھ رہے ہوں، جب گھٹا آئی ہو، تو اسی طرح کا اظہار تم کیا کرو اور مے نوشی کے وقت مے نوش ہو جاؤ۔ ہاں ذات باری تعالیٰ کا تصوّر ہمیشہ پیش نظر رہے۔ سر وہاں بھی خدا کے حضور جھکنا چاہئے کیونکہ اُسی کی صفات ہیں جو سارے نظارے پیش کر رہی ہیں۔ ؎

عارف ہمیشہ مستِ مئے ذات چاہئے

غالبؔ کے ہاں مختلف جگہ بکھرے ہوئے سوال اور ان کے جواب بھی ملتے ہیں۔ اور جتنی بھی فصیح و بلیغ کتابیں ہیں اور فصیح و بلیغ کلام ان میں یہ بات آپ کو نظر آئے گی کہ ضروری نہیں کہ سوال اور جواب اکٹھے ہوں۔ ایک سوال اپنا لطف دے جاتا ایک الگ جگہ اور ایک جواب اپنی جگہ الگ آتا ہے اور وہاں لطف دے جاتا ہے۔ جب ان کو آپ جوڑ کر دیکھیں تو تب سمجھ آتی ہے کہ سوال کیا تھا، جواب کیا ہے۔ ایک Situation ہے، ایک صورت حال ہے۔ جسے غالبؔ یوں بیان کرتا ہے۔ ؎

کانٹوں کی زباں سوکھ گئی پیاس سے یا ربّ
کوئی آبلہ پا وادیٔ پُرخار میں آوے

کہ زبانِ حال سے سوکھی ہوئی زبان فریاد کر رہی ہے کہ پیاس سے



غزل

آفتاب شاہ

انوار ترا، سرکار ترا دل روشن وہ سردار مرا
دلدار مرا، وہ یار مرا دل روشن وہ گلزار مرا
زردار مرا، زنگار مرا اس نگری کا اظہار مرا
پرکار مرا، پرخار مرا چِت روشن وہ حقدار مرا
ازکار بھی وہ، افکار بھی وہ اس گلشن کی چہکار بھی وہ
اقرار مرا، وہ پیار مرا من روشن وہ گلدار مرا
وہ خواب ترا وہ خیال ترا ان آنکھوں میں احوال ترا
تعبیر بھی وہ تفسیر بھی وہ سب روشن وہ تہدار مرا
سنگار بھی وہ جھنکار بھی وہ مرا دیپک بھی ملہار بھی وہ
شہوار مرا، فنکار مرا جگ روشن وہ بیدار مرا
الفت بھی وہ چاہت بھی وہ میری ہستی کا غمخوار بھی وہ
دربار مرا، ادبار مرا ظن روشن وہ پندار مرا
سالار بھی وہ مختار بھی وہ اس ہستی کا اپکار بھی وہ
سنسار بھی وہ، دیدار بھی وہ تن روشن وہ پندار مرا
ضوبار بھی وہ کردار بھی وہ اس کشتی کا پتوار بھی وہ
زنہار مرا، اسرار مرا مکھ روشن وہ ابرار مرا

❁❁❁❁❁❁❁

سوکھ گئے ہیں۔ کوئی آبلہ پا آئے، کوئی ایسا رحم دل انسان ظاہر ہو جو اپنے خون سے ہماری آبیاری کرے اور اپنے آبلے پھوڑے ہمارے لئے۔ یہ مضمون اپنی ذات میں بہت گہرا ہے۔ بسا اوقات زمانوں پر ایسی کیفیتیں آیا کرتی ہیں کہ ان کی زبانیں سوکھ کے کانٹوں میں تبدیل ہو جایا کرتی ہیں تو آبلہ پا ہی ہیں جو ان کی پیاس بجھاتے ہیں اور ان کو پھر چمن زاروں میں تبدیل کیا کرتے ہیں۔ اس کا جواب اب سنئے۔ غالبؔ کہتا ہے ؎

ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں
جی خوش ہوا ہے راہ کو پُرخار دیکھ کر

وہ آبلہ مَیں ہی تو تھا جس کی تمنا کی جا رہی تھی۔ جس کے لئے آواز بلند ہو رہی

تھی۔ تو میرا دل ان کانٹوں کو دیکھ کر خوش ہو گیا ہے۔ اب یہ بظاہر تو دنیا کی کیفیت ہے مگر حقیقت میں یہ وجود میں صرف اسی وقت آتی ہے، ظاہر میں جب انبیاء دنیا میں تشریف لایا کرتے ہیں۔ وہی ہیں جو حوصلہ رکھتے ہیں کانٹوں کی پیاس بجھانے کا اپنے آبلوں سے۔ اور وہ اس چیلنج کو قبول کرتے ہیں، بے دھڑک وادیٔ پُرخار میں قدم رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آ گئے ہیں ہم۔ اب جو تم نے کرنا ہے کرو۔ ہماری طرف سے تمہیں خیر ہی پہنچے گی اور ہم تمہاری پیاس بجھانے کی کوشش کریں گے خواہ اس میں ہمارا لہو پانی ہو جائے۔

غالبؔ کے ہاں فطرت کے گہرے راز عام سادہ الفاظ میں بیان ہوئے ہیں لیکن بسا اوقات غالبؔ کے ساتھ یہ زیادتی کی جاتی ہے کہ ان کا سطحی نظارہ کر کے لوگ آگے چلے جاتے ہیں۔ حالانکہ ان شعروں میں بہت ہی گہرے فطرت کے راز پائے جاتے ہیں ان کا تجزیہ کیا جائے تو پھر پتہ چلتا ہے کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ مثلاً عام سا ایک شعر ہے کہ ؎

سب رقیبوں سے ہیں ناخوش پر زنانِ مصر سے
ہے زلیخا خوش کہ محو ماہِ کنعاں ہو گئیں

یہ پہلے مصرعے اور دوسرے مصرعے میں جو فرق دکھایا گیا ہے اسی میں ذرا تضاد ہے کہ کیا وجہ تھی اور رقابت کیوں پیدا ہوتی ہے۔ اس کا بیان کیا جا رہا ہے۔ کہتا ہے کہ یہ فطرتی بات ہے کہ سب لوگ رقیبوں سے ناخوش ہوتے ہیں اور وہ کیا بات تھی، وہ کیا فرق تھا کہ 'ہے زلیخا خوش کہ محوِ ماہ کنعاں ہو گئیں'۔ مراد یہ ہے کہ رقابت کا اگر تجزیہ کیا جائے تو صرف یہ خوف جو عاشق کے دامن گیر ہوتا ہے یہ رقابت کو پیدا کرتا ہے کہ ہماری بجائے محبوب کی توجہ دوسری طرف نہ ہو جائے۔ اگر محبوب اس سے بالا ہو اور یہ ناممکن ہو کہ اُس کی توجہ کسی اور کی طرف بھی ہو سکے تو یہ رقابت نہیں بلکہ ایک لطف محسوس ہوتا ہے انسان کو کہ یہ بھی اس کی تعریف میں ہے جس کی تعریف نے مجھے پاگل بنا رکھا تھا تو 'ہے زلیخا خوش کہ محو ماہ کنعاں ہو گئیں' میں ماہ کا تصوّر دیکر ایک اور لطف پیدا کر دیا۔

ماہ میں ایک دوری پائی جاتی ہے اسے پایا نہیں جا سکتا، اس کو پکڑا نہیں جا سکتا، چھوا نہیں جا سکتا تو حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حسن ان عورتوں کے لئے ماہ کی طرح تھا اور وہ اس سے لطف اندوز تو ہو سکتی تھیں لیکن وہ اُسے اپنا نہیں بنا سکتی تھیں زلیخا سے چھین کر۔ پس یہی مضمون اس میں بیان ہوا کہ جب بھی محبوب کسی دوسرے کی دسترس سے بالا ہو جائے یا اس کے حصے کا پیار لے کر کسی دوسرے کو دینے کا امکان یا احتمال باقی نہ رہے تو ایسی صورت میں پھر رقابت کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اس مضمون میں اگر آپ اور آگے بڑھیں تو آپ کو اللہ تعالیٰ کے عشق میں رقابت کے نہ ہونے کا مضمون سمجھ آ جائے گا۔

ہر شخص اپنے ظرف کے مطابق اپنے محبوب سے محبت کا مطالبہ کرتا ہے اور جب ظرف بھر جائے تو اس کو کوئی پرواہ نہیں رہتی کہ وہ محبت کسی اور کو ملتی ہے یا نہیں جہاں ٹکراؤ ہو ظرف کے بھرنے یا نہ بھرنے کا کسی اور ظرف کے ساتھ وہاں رقابت پیدا ہوتی ہے۔ انسانی ظرف اتنا محدود ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے پیار اور محبت کو پا کر یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے اپنے لئے ساری محبت کھینچ لی ہے۔ بیک وقت اس کی محبت کے جلوے بے شمار ہیں جو انسان اپنی ذات میں سمو ہی نہیں سکتا۔ اس کا دل بھر بھی جائے تب بھی اور دل بھرنے کے لئے باقی ہوں گے۔ لاکھوں کروڑوں یا ہزاروں کروڑوں ایسے دماغ اور دل ہوں گے جن کو خدا تعالیٰ اپنی محبت اور پیار سے نواز سکتا ہے۔ وہ خوش ہوتے ہیں کہ ہمارے محبوب کی تعریف میں اور بھی لوگ دیوانے ہوتے جا رہے ہیں۔

غالبؔ کے ہاں لفظوں پر بند جس کو کہا جاتا ہے وہ اپنے کمال کو پہنچا ہوا ہے اور ایک لفظ مختلف معنوں میں ایسا چسپاں ہوتا ہے کہ جس طرح کسی ماہر نے نگینے جڑے ہوں اور ان کو اپنی جگہ سے ہلایا نہ جا سکے۔ اس طرح بیٹھتے ہیں کہ ان کے رُخ پلٹنے کی بھی پھر مجال نہیں پاتا۔"

اسی طرح آپؒ نے اس موقع پر بھی غالبؔ کے مزید اشعار پر تبصرے فرمائے اور ان کی تشریحات بیان فرمائیں اور بعض اور وقتاً فوقتاً مواقع اور مناظر پر بھی انہیں چسپاں کیا۔ ان کا ذکر اپنی اپنی جگہ پر ہوتا رہے گا۔ انشاءاللہ۔

(ملخّص از ماہنامہ خالد ربوہ "سیّدنا طاہرؒ نمبر")

پھر ایک اور زاویئے سے بھی آپؒ نے غالبؔ کی شاعری کے ذریعہ اس کی نفسیات اور قلبی کیفیات کی تجزیہ نگاری فرمائی ہے۔ جس سے یہ اندازہ کرنا چنداں مشکل نہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ شاعر کے صرف فنِ شعر یا مضمونِ شعر کے ادا و نوا شناس ہی نہیں تھے، بلکہ اس کی امراض و نفسیات کے بھی رمز شناس تھے۔ آپؒ کی شاعری اور طبابت کے مرکّب پر مشتمل یہ ایک دلچسپ

تجزیہ ہے جس کا ذکر طبابت والے باب میں گزر چکا ہے۔

میرتقی میرؔ کو خراجِ تحسین



پھر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کا میرتقی میرؔ کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”میر کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے زمانے سے اس طرح اونچے نکلے ہیں کہ زمانہ نیچے دکھائی دیتا ہے۔ اونچا بھی اور آگے بھی نکل گئے۔ میرؔ کے شعر پڑھیں تو لگتا ہے آج ہی کسی نے کہے ہیں۔ زبان ایسی چست اور اعلیٰ درجہ کی کہ انسان یہ سوچتا بھی نہیں کہ اتنے پرانے زمانے کی اُردو اتنی اچھی ہوگی تو بعض لوگ زمانہ بناتے ہیں۔ زمانہ ان کو نہیں بناتا۔ میرؔ ان شاعروں میں سے تھے جن کو زمانے نے نہیں بنایا۔ انہوں نے زمانہ بنایا۔ اردو کے اوپر اپنی ایک چھاپ ڈالی ہے اور وہ پھر کبھی نہیں مٹ سکتی۔ جو مرضی آجائے جتنے چوٹی کے شاعر آجائیں مگر میر تقی میرؔ نہیں بن سکتا۔ ذوقؔ کہتا ہے ۔

نہ ہوا پر نہ ہوا میرؔ کا انداز نصیب
ذوقؔ یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

چوٹی کے شعراء نے بڑا زور مارا ہے کہ میرؔ بن سکیں۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میر کی باتیں ہی الگ اس کے چٹکلے ہی الگ۔ ہر مصرعہ عجیب طرح سے بولتا ہوا زندہ ہے۔“

(الفضل 20 نومبر 1998)

میرؔ خود ایک جگہ کہتے ہیں ۔

گئی عمر در بندِ فکرِ غزل
سو اس فن کو ایسا بڑا کر چلے

غالبؔ نے میرؔ کی عظمت کا اعتراف کچھ یوں کیا ہے ۔

ریختہ کے تم ہی استاد نہیں ہو غالبؔ
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میرؔ بھی تھا

اور ۔

غالبؔ اپنا تو عقیدہ ہے بقولِ ناسخؔ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میرؔ نہیں

حسرت موہانی نے کچھ یوں کہا ہے کہ ۔

شعر اپنا بھی بہت خوب و لیکن حسرت
میرؔ کا شیوۂ گفتار کہاں سے لاؤں

ان اشعار سے واضح ہوتا ہے کہ میرؔ کو اردو شاعری میں کس قدر بلند مقام حاصل ہے۔ میرؔ کو خود بھی اپنے اعلیٰ و منفرد انداز کا پوری طرح احساس تھا وہ خود کہتے ہیں ۔

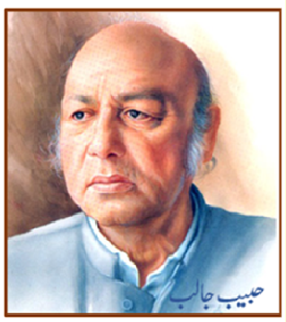
پڑھتے پھریں گے گلیوں میں ان ریختوں کو لوگ
مدّت رہیں گی یاد یہ باتاں ہماریاں

دوسری جگہ کہا ۔

سارے عالم پہ ہوں میں چھایا ہوا
مستند ہے میرا فرمایا ہوا

(الفضل 15 تا 21 اگست 2003ء)

داد داوری



حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے صاحب طرز استاد شعراء کو ان کے کمال فنّ کی داد بھی دی ہے اور ان کی شاعری کی پنہائیوں میں اتر کر اس کی اصلیّت کو نکھار کر بھی پیش کیا ہے۔ جب آپؒ نے ان کی تخلیق کی خوبیاں بیان کی ہیں تو اس بیان میں ایک ذرّہ برابر کمی نہیں کی۔ آپؒ نے دل کھول کر ان کے کلام کا حسن پیش فرمایا ہے۔ جیسا کہ ہم نے گزشتہ صفحات میں دیکھا کہ کسی شعر کے کمال فہم وادراک کی تو بات ہی کچھ اور ہے مگر نقد ونظر میں جو رفعت و وسعتِ نظری ہے وہ بھی آپؒ کے بیان میں غیر معمولی حسن وتوازن کے ہمراہ رنگ بکھیرتی ہے۔

جہاں تک عصرِ جدید کے شعراء کا تعلق ہے، آپؒ فیض احمد فیضؔ کو بہت پسند فرماتے تھے اور تحسین وداد کے ساتھ ان کے اشعار کو اپنی گفتگو اور اپنے خطابات میں بھی زینت عطا کرتے تھے۔ اسی طرح حبیب جالبؔ کی بھی آپؒ

نے خوب پذیرائی فرمائی۔ 1985ء میں آپؒ کی پسند کے باعث ان کی نظموں کی کیسٹس جماعت میں کثرت سے سنی گئیں۔


اردو کے مایہ ناز شاعر فیض احمد فیضؔ

23 مارچ 1981ء کا ذکر ہے کہ آپؒ نے اس روز جمعہ کرتو ضلع شیخوپورہ میں پڑھایا اور وہاں مجلس سوال و جواب بھی منعقد کی۔ وہاں سے واپسی کے سفر کے ذکر میں آپ فیضؔ کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"کرتو میں... فیض احمد فیضؔ یاد آیا کیونکہ یہ اس کا گاؤں ہے۔ کرتو نے بھی خوب شاعر پیدا کیا ہے۔ حدّ ہی کر دی ہے۔ واپسی پر چوہدری انور حسین صاحب بھی ساتھ تھے اور غلام سرور صاحب بھی تھے۔ جن کی آواز بڑی سریلی اور پُرسوز ہے۔ فیضؔ کی یاد میں انہیں فیضؔ کی نظمیں سنانے کے لئے کہا تو پتہ چلا کہ صرف تین شعر یاد ہیں۔ کرتو سے شیخوپورہ تک سارا رستہ یہی تین شعر سنتے رہے اور پھر بھی دل نہ اکتایا مسلسل سر دھنتے رہے۔ ؎

گلوں میں رنگ بھرے بادِ نوبہار چلے چلے بھی
آؤ کہ گلشن کا کاروبار چلے
قفس اداس ہے یارو صبا سے کچھ تو کہو
کہیں تو بہرِ خدا آج ذکرِ یار چلے
جو ہم پہ گزری سو گزری مگر شبِ ہجراں
ہمارے اشک تری عاقبت سنوا رچلے

پھر آپؒ ایک مرتبہ لندن سے اسلام آباد کے مختصر سے سفر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"راستے میں نظموں کی ایک ٹیپ لگائی تو پتہ چلا کہ غلام سرور صاحب شیخوپورہ نے میری فرمائش پر فیضؔ مرحوم کی بعض غزلیں ریکارڈ کروا کر بھجوائیں تھیں۔ غزلوں کا انتخاب میں نے خود کیا تھا۔ کچھ تو اس لئے چنی تھیں کہ پاکستان کے حالات پر چسپاں تھیں اور میرے مظلوم احمدیوں کی یاد تازہ کرتی تھیں۔ بعض تو ایسی ہیں کہ لگتا ہے جیسے فیض نے ہمیں موضوعِ سخن بنایا ہو۔"

یہ تو داد داوری کا قصہ تھا۔ اس کے برعکس ایک اور پہلو بھی نظر انداز نہ ہو جائے کہ کسی کے شعر ہوں یا سنانے والے کا خراشدار ترنّم، آپؒ اسے کسی حدّ تک برداشت تو سکتے تھے مگر اس پر تبصرہ کرنے میں سچائی کو نہ صرف یہ کہ چھپا نہیں سکتے تھے بلکہ اس کے برملا اظہار میں کسی قسم کا حجاب یا تکلّف بھی نہیں رکھتے تھے۔ مثلاً ایک مرتبہ جون 1981ء میں سیالکوٹ میں رائے پور تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپسی کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"شام کو اچانک موسم بدل کر سخت مزیدار ہوا چلنے لگی تھی اور بادل آ گئے تھے۔ لہٰذا واپسی پر شرکاء کا مزاج شعر و ادب کی طرف مائل ہو گیا اور ایک صاحب کے متعلق پہلے تو یہ بتایا گیا کہ میرؔ بہت اچھی پڑھتے ہیں اور پھر یہ غالبؔ اور دیگر اساتذہ کا کلام بھی۔ میں قسمت کا مارا شعر و ادب کا متوالا ان چکنی چپڑی باتوں میں آ گیا اور نظم خوانی کی اجازت دے بیٹھا۔

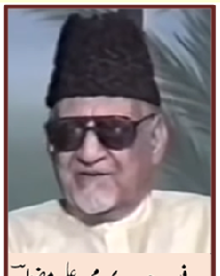
میر تو خیر جتنی پڑھی اچھی آواز میں پڑھی اور میرؔ کے مضمون میں کافی مناسبت تھی۔ لیکن بعد از میرؔ جو کارروائی ہوئی اس نے میرے اعصاب کے پرخچے اڑا دیئے۔ پہلے بہادر شاہ ظفرؔ معزول شدہ جلا وطن مظلوم بادشاہ کی شامت آئی اور میر کی طرز پر اس کی غزلوں کا جنازہ خراب کیا گیا۔ پھر جو شامت آئی میرے محبوب شاعر غالبؔ کی تو میں بتا نہیں سکتا جو میرے دل کی کیفیت تھی۔ اعصاب کھنچ کر تنا تن ٹوٹنے لگے اور ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرنے لگے اور اعصاب کی کرچیوں نے چبھ چبھ کر تن بدن میں آگ لگا دی۔"

حضرت صاحبزادہ صاحبؒ دیگر شعراء کا کلام پڑھ کر اس کی اصلاح بھی تجویز فرماتے اور اگر کسی جگہ لفظ، مطلب و مضمون میں اونچائی کی گنجائش ہوتی تو برملا تجویز فرما دیتے۔ اس سے لکھنے والا اس اِلتفات وعنایتِ خسروی پر ناز کرتا تھا۔ گو آپؒ کی عطا فراخیٔ داماں کا مطالبہ کرتی تھی مگر یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ جس کے کلام کو وقت کا مقدّس خلیفہ خود آب دیتا ہے، اس میں ایک گونا چمک اور نکھار کا پیدا ہو جانا قدرتی امر ہے۔


عبید اللہ علیمؔ

عبید اللہ علیمؔ صاحب کی شاعری کو آپؒ نے پذیرائی، برکت اور شہرت عطا کی۔ ان کے کلام کا ایک خاص مقام ہے اور فن میں ایک خاص پَن۔ اسے آپؒ کی نظرِ رسا نے دیکھا اور پھر اسے

جماعت میں شہرت کے افلاک تک پہنچا دیا۔ کراچی اور لندن میں اپنے ساتھ بٹھا کر ان کی شاعری سنی اور برطانیہ اور یورپ کے کئی ممالک میں مشاعرے کروائے۔


پروفیسر چوہدری محمد علی مضطرؔ

آپؒ مکرّم پروفیسر چوہدری محمد علی صاحب مضطرؔ کی شاعری کو بیحد سراہتے تھے۔ محمود ہال میں خود پاس بیٹھ کر آپ کے اعزاز میں مشاعرہ کروایا اور داد سے نوازا۔ اپنی اردو کلاس میں بھی آپ کی شاعری کو خراجِ تحسین پیش فرمایا۔ چوہدری صاحب مرحوم کی شاعری پر آپؒ نے انہیں جو خط لکھے، ان میں سے چند اقتباس قارئین کی خدمت میں پیش ہیں۔

"آپ کی کس کس غزل پر کیسے اپنے ہاتھ سے لکھ لکھ کر داد دوں۔ میں تو قلم توڑے بیٹھا ہوں۔

محبت ہو گئی ہے تجھ سے مضطرؔ!

تو کس محبوب کا نوکر رہا ہے"

پھر ایک نظم پر تحریر فرمایا:

"بہت اعلیٰ پائے کی سہل ممتنع نظم ہے۔ آپ کا اپنا ہی الگ رنگ ہے جو کسی اور کو اپنانے کی توفیق نہیں ملی کیونکہ یہ رنگ آپ کے مزاج کا رنگ ہے اور عموماً ایک زمانے میں ایک سے زیادہ محمد علی پیدا نہیں ہوا کرتے۔ چشمِ بدور۔"

ایک دفعہ لکھا:

"آپ کی ہر غزل پر اگر ایک الگ خط لکھوں تب بھی حق ادا نہیں ہو سکے گا۔ پتہ ہے مجھے آپ کا کلام کیوں پسند ہے۔ شعراء کے کلام سے الگ اس میں ایک اپنی سی دلکشی ہے۔ سر دست امتیازی جاذبیت کی صرف تین باتیں بتا دیتا ہوں۔......

1: کھری کھری سنانی اور پتھر مارنے والوں پر پتھر مارنے تو بہتوں کو آتے ہیں مگر شعر و ادب کی پنکھڑیوں میں لپیٹ کر پتھر مارنے کوئی آپ سے سیکھے۔ پھر لطف یہ کہ پتھراؤ کا مزا بھی آتا ہے اور پنکھڑیوں کی نزاکت اور لطافت بھی مجروح ہوئے بغیر اپنے دلکش رنگ دکھائی دیتے ہیں۔ آپ سر اپنا پتھروں کے حضور پیش کرتے ہیں اور پتھراؤ مارنے والوں کے سروں پر۔ جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔

2: سادہ لفظوں میں سرِ راہے بظاہر یونہی عام سی بات کر جاتے ہیں لیکن ایک دو قدم آگے بڑھ کر پھر مڑنا پڑتا ہے۔ ایک خلش سی پیدا ہوتی ہے کہ کوئی بات تھی جو نظر سے رہ گئی ہے۔ بات بھی پھر ایسی گہری اور پُرحکمت نکلتی ہے کہ دو قدم چھوڑ ہزاروں قدم واپس آ کر بھی حاصل ہو تو جوازِ سفر سے بڑھ کر نکلے۔

3: تیسری خاص بات یہ دیکھی ہے کہ مجال ہے جو کسی بھیڑ میں مل جل کر اپنی شخصیت گنوا بیٹھے ہوں۔ شاہوں میں فقیرانہ گدڑی میں اور فقیروں میں شاہانہ لباس اوڑھے پھرتے ہیں۔ کوئی دور ہی سے دیکھ کر کہے کہ وہ دیکھو محمد علی کس سج دھج سے جا رہا ہے۔"

اسی طرح لکھا: "آپ کی ہر نظم ہی ماشاء اللہ آسمانِ شعر پر ایک اور روشن ستارہ طلوع کرتی ہے مگر بعض ستارے دوسروں سے روشن تر ہوتے ہیں۔ سادگی کے ساتھ پُرکاری کا لفظ تو آپ پر سجتا نہیں۔ کیونکہ پُرکاری میں کچھ فریب کے معنی پائے جاتے ہیں جبکہ نہ آپ کو پُرکاری آتی ہے نہ اداکاری ہاں جانکاری ضرور آپ کی نظموں میں دکھائی دیتی ہے۔"

اسی طرح متعدد خطوط میں حضورؒ نے چوہدری صاحب مرحوم کو ان کی شاعری پر خراجِ تحسین پیش کئے جو ان کے مجموعۂ کلام "اشکوں کے چراغ" کے شروع میں درج ہیں۔

دیگر قادر الکلام شعرائے کرام بھی بکثرت آپؒ کو اپنا کلام دکھاتے۔ آپؒ داد دیتے تو سچّی، سُچی، اُچّی اور دل کھول کر۔ بعض دفعہ بڑے شاعر نوآموز شاعروں کی تُک بندیوں کی حوصلہ افزائی تک نہیں کرتے۔ مگر آپؒ کا دل بہت بڑا ہے۔ آپؒ شاعر نواز بھی ہیں اور شاعر گر بھی۔ آپؒ کے لطف و کرم کی بارشیں شعراء کو تشکّر اور سرشاری عطا کرتی ہیں۔ آپؒ ان کے کلام کی اصلاح کے ساتھ ان کی حوصلہ افزائی بھی فرماتے ہیں اور انہیں دعائیں بھی دیتے ہیں۔ مختلف شعراء کو آپؒ کے عطا کردہ چند تبصرے ملاحظہ فرمائیں:

محترمہ امۃ الباری ناصر صاحبہ کی نظم پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ساری نظم ہی بڑی پُراثر ہے اور فصیح و بلیغ ہے مگر بعض اشعار اور بعض

مصرعے تو شوخیٔ تحریر کے فریادی بنے ہوئے ہیں۔..... ماشاء اللہ بہت عمدہ نظم ہے اور یہ شعر تو خاص طور پر لائق تحسین ہے کہ ؎

جِلو میں لاتا ہے سیلاب رحمت
ذرا سا عکس آنکھوں میں نمی کا

یہ شعر خصوصاً اس لئے عین دل کے نشانے پر لگا کہ ایک ہی دن پہلے مَیں یہ مضمون سوچ رہا تھا کہ اللہ کی لا انتہا رحمت کی کیا شان ہے کہ ہماری آنکھوں کی نمی پر ہی رحمتوں کی بارش برسا دیتا ہے۔"

ایک اور نظم کو زیورِ تحسین سے آراستہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"بعض اشعار تو یوں اٹھتے اور بلند ہوتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کہ نگاہوں کے قدم روک لیتے ہیں۔ زبانِ حال سے یہ کہتے ہوئے کہ ہمیں سرسری نظر سے دیکھ کر اپنی قدر شناسی کو پامال کئے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتے۔ احمدی شعراء کو اللہ تعالیٰ نے سچائی کی تاجوری بخشی ہے اور سچائی ہی ان کے کلام کو ایک امتیازی حسن بخشتی ہے۔ آپ کا کلام بھی اس منبع حُسن سے بہرہ ور ہے۔ اس کے علاوہ بھی آپ کے کلام میں کچھ خوبیاں ہیں جو اسے انفرادی رفعت عطا کرتی ہیں۔ قافیہ کے استعمال میں اچانک ایسا تنوّع جو یکسانیت کو اس طرح توڑتا ہے کہ موسیقی پیدا ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں بھی بہت سے اشعار دل پر براہِ راست بے ساختہ اثر کرتے ہیں۔ یہ تو کوئی صاحبِ فن ہی آپ کو بتا سکتا ہے کہ صنعتی اعتبار سے اُن میں کیا کیا خوبیاں ہیں۔ مجھے تو صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ زبان سبک رَو ہوتی ہے اور مضمون دلنشین۔ جیسے ؎

وہاں شاید کسی کا دل دکھا تھا
زمیں تپتی رہی۔ بادل نہ ٹھہرا

لاکھوں میں ایک شعر ہے۔ لچک بھی ایسی ہے کہ صاحبِ دل کے بدلنے سے اس کا دوسرا مصرعہ بآسانی ایک دوسرے رنگ میں ڈھل سکتا ہے۔ مثلاً مَیں ہوتا تو یوں کہتا ؎

وہاں شاید کسی کا دل دُکھا تھا
فضا برسی اگر بادل نہ ٹھہرا

پھر اسی غزل کا یہ شعر ہے ؎

گرا تو کیسی پستی میں گرا ہے
حجاب اُترا تو پھر آنچل نہ ٹھہرا

ایک ایسی احمدی شاعرہ کے منہ سے کیسا سجتا ہے جس نے قیامِ حجاب کی راہ میں سالہا سال جانکاہی کی ہو۔ چہرہ اس شعر کا بتا رہا ہے کہ یہ نہ تو کسی زاہدِ خشک کا کلام ہے نہ کسی بے عمل شاعر کا بلکہ ایک باریک نظر صاحب تجربہ کے دل کی پکار ہے۔ دوسرا مصرعہ تو لا جواب ہے:

؎ حجاب اُترا تو پھر آنچل نہ ٹھہرا

"بعض جگہ معمولی سی ترامیم تجویز کی ہیں۔ آپ کا کلام ماشاء اللہ بلند پایہ ہے تاہم کبھی کبھی معمولی کتر بیونت عادتاً کر دیتا ہوں۔ صرف آپ ہی کا کلام اس مشقِ ستم کا نشانہ نہیں بنتا۔ چوہدری محمد علی صاحب۔ سلیم شاہجہانپوری صاحب، نسیم سیفی صاحب، جنرل محمود الحسن صاحب، عبدالمنان ناہید صاحب، عبدالکریم قدسی صاحب، عزیزہ قوسی (صاحبزادی امۃ القدوس صاحبہ)، حبیب ساحر وغیرہم جو ماشاء اللہ شعر و شاعری میں اپنا اپنا مقام بنا چکے ہیں بلکہ بعض تو اساتذہ ٔفن کے ہم پلّہ اور صاحب طرز ہیں۔ ان کے کلام سے بھی جہاں محظوظ ہوتا ہوں وہاں کبھی کسی شعر کو اپنے مزاج اور ذوق میں ڈھالنے میں بھی مضائقہ نہیں سمجھتا۔ غالباً یہ دست درازی اصلاح کی قبیل میں شمار نہیں ہوتی۔ اسے کسی اچھی چیز کو اپنانے کی سعی کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ آپ کی یہ زیرِ نظر نظم الفضل میں دیکھی تو مندرجہ ذیل اشعار میں کہیں کہیں اپنے ذوق کے مطابق تبدیلی کی ہے جو ضروری نہیں کہ جو کچھ آپ کہنا چاہتی ہیں اس کے مطابق ہو یا اس سے بہتر ہو۔"

ذرا آقا کا پُرصداقت گوشۂ دل تو دیکھئے! غلامانِ جماعتِ احمدیہ کی ہر نوع کی اصلاح کی ذمہ داری اور اس کی درستگی کے جملہ حقوق کی الٰہی سند رکھتے ہوئے بھی "کسی اچھی چیز کو اپنانے کی سعی کہنا زیادہ موزوں ہوگا" اور "اس کے مطابق ہو یا اس سے بہتر ہو" کے الفاظ آپؒ کے عجز و انکسار سے لبریز دل کے فطرتی اظہار کے آئینہ دار ہیں۔ آپؒ اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ تھے کہ شاعر کا دل بھی ایک شیشے کی مانند ہوتا ہے جو اپنے شعر پر ذرا سی ٹھیس بھی برداشت نہیں کرتا۔ مگر یہ عرفان بھی تھا کہ آپؒ کی طرف سے لگی ہوئی ٹھوکر اس کے شعر کے

حسن کوصرف سنوارتی نکھارتی ہی نہیں پُر حقیقت و پُر شوکت بھی بناتی ہے۔بالفاظِ دیگر کسی کے اشعار پر آپؒ کی لگی ہوئی 'ضربیں' ان کے لئے باعثِ صد سعادت وافتخار ہوتی ہیں۔ پھر آپؒ ایک اور موقع پر فرماتے ہیں:

"............ الفضل میں طبع ہونے والے احمدی شعراء کے کلام سے وقت ملے تو اپنائیت کے رنگ میں کبھی ایک آدھ شعر پر مشقِ ستم کر لیتا ہوں۔ اس طرح ذہن کو چند منٹ ستانے کا موقع مل جاتا ہے۔

ایک مرتبہ محترمہ ڈاکٹر فہمیدہ منیر صاحبہ کے ایک ہندی لے میں لکھے ہوئے گیت کو بہت پسند فرمایا اور خوب داد دی۔ اسی طرح ایک اور تخلیق پر انہیں خراجِ تحسین پیش فرماتے ہوئے لکھا:

"آنسوؤں کی لڑی میں پِروئے ہوئے آپ کے دو خلوص کے پھولوں کے ہار ملے۔ اس سے بہتر تحفہ اور کیا ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں تو بعض دفعہ ایک آنسو کی اتنی قیمت پڑ جاتی ہے کہ انسان کی ساری زندگی اور اس کے ماحصل سے بڑھ کر وہ آنسو قدر کے لائق ہو جاتا ہے۔ فجزاکم اللہ احسن الجزاء

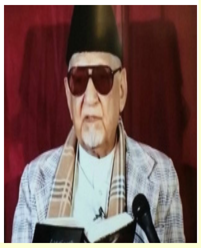
نظمیں پڑھتے ہوئے حیرت اور تعجّب سے میں یہ سوچتا رہا کہ علم وادب کا یہ جوہر آپ نے آج تک کیسے چھپائے رکھا۔ میرے تو وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ آپ ما شاء اللہ اتنا اعلیٰ پائے کا ادبی ذوق رکھتی ہیں۔ اللّٰھمّ زد فزد۔" (خط 1982ء۔1/7/1361 ھش)

حتمی مہر

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ شعر وسخن میں اپنی حتمی مہر رکھتے تھے۔ جو کسی کلام کے معیار، اس کی تصحیح وتغلیط اور حسن وقبح پر قطعی حکم رکھتی تھی اور آپؒ کا فیصلہ آخری حیثیت کا حامل ہوتا تھا۔ ایک بار آپؒ کے سامنے یہ شعر پڑھا گیا کہ

نہ ہم سمجھے نہ تم آئے کہیں سے   پسینہ پونچھیئے اپنی جبیں سے

آپؒ نے بلا توقف فرمایا: "نہیں۔ 'نہ ہم سمجھے نہ آپ آئے کہیں سے'۔ چونکہ دوسرے مصرعے میں 'پونچھیئے ہے' اس لئے یہاں لفظ 'آپ' آئے گا۔ عرض کیا گیا کہ لکھنؤ کے لوگ دُوری اور تکلّف کو ختم کرنے کے لئے 'تم' کہتے ہیں اور ادب کو ملحوظ رکھنے کے لئے 'پونچھیئے' بولتے ہیں۔ اس پر آپؒ نے فرمایا نہیں یہ غلط ہے۔ ٹھیک 'آپ' ہی ہے۔"



حمدیہ کلام

چودھری محمد علی مضطرؔ عارفی

سمت ہے اس کی نہ حد
قلْ هوَ الله اَحد
اور سب محتاج ہیں
زات ہے اس کی صمد
یکّہ و تنہا ہے وہ
اس کا والد نہ ولد
لا کا ہے اثبات وہ
نفی ہے اس کی نہ رد
اس کے در کے ہیں فقیر
پست و بالا نیک و بد
کون ہے اس کے سوا معتبر اور مستند
اس کے حرف و صوت و لفظ
زیر و پیش ، مدّ و شد
اس کے سارے انقلاب
جزر سارے ، سارے مد
سب حساب اس کے حساب
ہر عدد اس کا عدد
وقت ہے اس کا غلام
ہر ازل اور ہر ابد
عشق اس کا معجزہ
عقل اس کے خال و خد
وہ علیم اور ہے خبیر
میں ہوں ناداں نا بلد
اے میری جاں کی پناہ
الغیاث و المدد



حضرت مولانا حکیم نورالدین بھیروی خلیفۃ المسیح الاولؓ
اور آپ کے بعض الہامات اور کشوف ورؤیاء

(انجینئر محمود مجیب اصغر بھیروی)



آپ کا مختصر تعارف

مامور زمانہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت مولانا حکیم نورالدین بھیروی خلیفۃ المسیح الاول کی اپنی کتب میں بیشتر جگہوں پر بہت تعریف فرمائی ہے فرمایا "..جب وہ میرے پاس آ کر مجھ سے ملا تو میں نے اسے اپنے رب کی آیتوں میں سے ایک آیت پایا اور مجھے یقین ہو گیا کہ یہ میری اس دعا کا نتیجہ ہے جو میں ہمیشہ کیا کرتا تھا اور میری فراست نے مجھے بتایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے منتخب بندوں میں سے ہے" (آئینہ کمالات اسلام ترجمہ از عربی)

مولوی صاحب پہلے راستبازوں کا ایک نمونہ ہیں" (ازالہ اوہام)

چہ خوش بودے اگر ہر یک ز اُمت نور دیں بودے
ہمیں بودے اگر ہر دل پر از نور یقیں بودے

آپ عربی النسل تھے اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی نسل میں سے تھے آپ کا خاندان مدینہ سے ہجرت کر کے بلخ کے علاقہ میں آباد ہوا چنگیز خان کے وقت میں افغانستان سے پہلے ملتان پھر بھیرہ منتقل ہو گیا آپ کی پیدائش بھیرہ کی ہے علوم طب اور دینی علوم کے حصول اور مجدد وقت امام الزماں کی تلاش میں آپ نے دور دراز کے سفر اختیار کئے لاہور، راولپنڈی، رام پور، مراد آباد، لکھنؤ، بھوپال، مکہ، مدینہ کے سفروں کا ذکر آپ کی سوانح میں ملتا ہے امام الزمان کی تلاش میں آپ کی جدو جہد کا ذکر ایک عربی خط میں ملتا ہے جسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی تصنیف "کرامات الصادقین" میں شامل فرمایا ہے آپ کی عقدہ کشائی قادیان میں ہوئی اس وقت آپ مہاراجہ جموں کشمیر کے شاہی طبیب تھے آپ کو اول المبائعین اور خلیفۃ المسیح الاول ہونے کا منفرد اعزاز حاصل ہوا آپ نے خدا میں ہو کر خدمت دین اور خدا کی مخلوق کی خدمت میں بھرپور زندگی گزاری آپ کی آخری آرامگاہ اپنے آقا مسیح موعود کے پہلو میں قادیان میں ہے۔ آپ کی مشابہت کئی پہلوؤں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے جو سب سے پہلے آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے اور پہلے خلیفۃ الرسول ہوئے اور وفات کے بعد آنحضرت ﷺ کے پہلو میں دفن ہوئے جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے حضرت ابوبکر صدیق کے بارے میں فرمایا ہے" سید الانبیاء اور معصوموں کے امام ﷺ کی قبر کے پہلو میں دفن کئے گئے اور آپ خدا کے حبیب اور اس کے رسول ﷺ سے جدا نہ ہوئے نہ زندگی میں اور نہ موت کے بعد"
(سر الخلافہ اردو ترجمہ صفحہ 72)

یہی کیفیت حضرت خلیفۃ المسیح الاول کی تھی میرے والد ماسٹر فضل الرحمن بسمل بی اے بی ٹی سابق امیر جماعت احمدیہ بھیرہ نے آپ کی یاد میں ایک نظم لکھی تھی جس کے چند شعر یہ ہیں:

اے میرے آقا جناب نور الدین مصطفی
اے کہ تیری ذات تھی سرمایہ صدق و صفا
علم دیں اور علم طب سے حصہ بہتر ملا
اور لاکھوں کو ہے تجھ سے فیض بھی وافر ملا
تو فدائے مہدء دوراں ہوا با جان و دل
اس سے خوشنودی ہوئی حاصل خدائے لم یزل
وہ نمونہ ہے فدائیت کا دکھلایا کہ تو
سر فروشی میں ہوا مشہور آخر کو بہ کو
عشق تھا دل میں کلام پاک کا ڈالا گیا
حامل قرآن کا اس واسطے شیدا ہوا
خود مسیح پاک نے حق میں تمہارے یوں کہا

کاش نور الدین ہوتا فرد ہر اک قوم کا
اور خلافت کی ردا بھی تجھ کو تھی بر حق ملی
متصل قبر مسیح کے قبر بھی تجھ کو ملی

آپ کے بعض الہامات اور کشوف ورؤیاء

آپ کے جد امجد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں امام الزمان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھا ہے... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی الہام ہوتا تھا انہوں نے اپنے تئیں کچھ نہ سمجھا اور امامت حقہ جو آسمان کے خدا نے زمین پر قائم کی تھی اس کا شریک بنانہ چاہا بلکہ ادنیٰ چاکر اور غلام اپنے تئیں قرار دیا اس لئے خدا کے فضل نے انکو نائب امامت حقہ بنا دیا۔''

(ضرورت امام)

یہی کیفیت حضرت مولانا حکیم نور الدین بھیروی کی معلوم ہوتی ہے آپ کو بھی اللہ تعالیٰ نے انہی اوصاف کی بنا پر مسیح موعود کا نائب امام حقہ بنا دیا۔

ملے ہم کو وہ استاد وخلیفہ... کہ سارے کہہ اٹھے نورٌ علیٰ نور

(کلام محمود)

اس مضمون میں آپ کی تصنیفات میں سے آپ کے بیان فرمودہ الہامات اور کشوف ورؤیاء میں سے بعض کا ذکر کرنا مقصود ہے ''اللہ تعالیٰ کی ذات'' شھد اللہ: یہ گواہی انبیاء نے دی پھر ان کے متبعوں نے سنی خود خدا بولا ہے اور اس نے اپنی زبان سے فرمایا ہے کہ میں یگانہ معبود خلائق ہوں میں خود بھی گواہ ہوں کہ اللہ نے اپنی ذات کی نسبت گواہی دی اس نے مجھے فرمایا من جمع القرآن فقد تصن تصان تصن کے معنے میں نہیں جانتا''

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان 27 مئی 1909ء بحوالہ حقائق القرآن جلد اول صفحہ 455)

تجارت سے بہتر میں نے ایک دفعہ سورۃ جمعہ پر خطبہ پڑھا اور ارادہ کیا کہ اس کو (سورۃ جمعہ کی تفسیر کو) طبع کرا کر ایک آنہ فی کاپی کے حساب سے فروخت کریں گے اس زمانہ میں کالج بنانے کا خیال تھا اور چندہ کی ضرورت تھی خیال ہوا کہ اس کا روپیہ اس چندہ میں لگائیں گے جس وقت نماز میں سجدہ میں گیا تو الہام ہوا کہ قل ما عند اللہ خیر من اللھو و من التجارۃ واللہ خیر الرازقین''

(ارشادات نور جلد دوم صفحہ 489۔۔ دوران علالت''.... آج مجھ کو الہام ہوا ہے کہا غنی بفضلک عن سواک'' (ارشادات نور جلد دوم صفحہ 320)

خدا تعالیٰ کی بڑائی آصل اصول اسلام ہے''...... مجھے الہام ہوا ہی ہے لا الہ الا اللہ کیا معنے؟ کوئی شخص اپنی ذات میں کوئی کمال نہیں رکھتا خدا کا دیا ہوا سب کچھ ہے یہ خود مجھے الہام ہوا ہے...''

(ارشادات نور جلد دوم صفحہ 276)

ایک کتاب...... کل ہی مجھے ایک کتاب ملی ہے اس کی نسبت مجھیا لہام ہوا تھا کہ ''وہ ہند میں نہیں ہے'' (خطابات نور صفحہ 419)

بطن الانبیاء صامۃ ''میں نے ایک روز دودھ اور جلیبیاں خوب کھالیں اس وجہ سے ریاح بہت خارج ہوئی اس روز مجھ کو الہام ہوا بطن الانبیاء صامۃ''

(مرقاۃ الیقین.... صفحہ 291-292)

مقطعات قرآنی، ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ مولوی عبدالقدوس صاحب کی گود میں پانچ خوبصورت لڑکے ہیں جو میں نے اچک لئے ہیں'' ان سے میں نے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے تو وہ بولے ''کھیعص''

(ارشادات نور جلد دوم صفحہ 184)

''میں اپنے اس رویاء کو بہت ہی تعجب سے دیکھتا تھا جب میں حضرت مرزا صاحب کا مرید ہوا تو میں نے ان سے اس خواب کا ذکر کیا مرزا صاحب نے فرمایا کہ آپ کو اس کا علم دیا جائے گا اور وہ لڑکے فرشتے تھے دھرم پال نے جب ترک اسلام کتاب لکھی تو اس سے بہت پہلے مجھے ایک خواب نظر آیا تھا کہ اگر کوئی شخص قرآن شریف کی کوئی آیت تجھ سے پوچھے اور تجھ کو نہ آتی ہو تو پوچھنے والا منکر قرآن ہو تو ہم خود تم کو اس آیت کے متعلق علم دیں گے

جب دھرم پال کی کتاب آئی اور خدا تعالیٰ نے مجھ کو اس کے جواب کی توفیق دی حروف مقطعات کے متعلق اعتراض تک پہنچ کر ایک روز مغرب کی نماز میں دو سجدوں کے درمیان میں نے صرف اتنا ہی خیال کیا کہ مولا! یہ منکر قرآن تو ہے گو میرے سامنے نہیں یہ مقطعات پر سوال کرتا ہے اسی وقت دو سجدوں کے درمیان قلیل عرصہ میں مجھ کو مقطعات کا وسیع علم دیا گیا جس کا ایک شمہ میں نے رسالہ نور الدین میں مقطعات کے جواب میں لکھا ہے اور اس کو لکھ کر میں خود بھی حیران ہو گیا''

(مرقاۃ الیقین فی حیاۃ نورالدین صفحہ 172۔173)

آنحضرت کی زیارت اور حسنات دارین کی دعا''

مجھ کو حضور نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ خواب میں فرمایا کہ ''ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار'' بہت پڑھا کرو

(مرقاۃ الیقین فی حیاۃ نورالدین ص000 صفحہ 211)

آنحضرت کی زیارت اور آپ سے اظہار محبت، میں نے ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ مجھ کو کمر پر اس طرح اٹھا رکھا ہے جس طرح بچوں کو مشک بناتے ہیں پھر میرے کان میں کہا ''تو ہم کو محبوب ہے'' (مرقاۃ الیقین...صفحہ 291)

آنحضرت کی زیارت اور حدیث لا نکاح الا ولی میں نے نبی کریم ﷺ کو رؤیا میں دیکھا اور آپ نے مجھے بتا دیا کہ بدوں ولی نکاح نہیں ہوتا اور آپ نے سخت ناپسندگی کا اظہار کیا بلکہ یہاں تک مجھ پر ظاہر ہوا کہ جو شخص ایسی جرآت کرتا ہے وہ نعوذ باللہ آنحضرت ﷺ کی ریش مبارک اور آپ کی مونچھ مونڈ ڈالتا ہے پس یہ بڑی خطرناک بات ہے اس کو خوب یاد رکھو کہ بدوں ولی نکاح کبھی نہ ہو'' (خطبات نور صفحہ 478) آنحضرت کی بار بار زیارت.حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے دعوے سے پہلے آپ نے مدینہ شریف میں حضرت شاہ عبد الغنی صاحب کی بیعت کی اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا''...تب آپ (شاہ عبدالغنی صاحب) نے میری بیعت لی اور فرمایا کہ کوئی مجاہدہ سوائے اس کے آپ کو نہیں بتاتے کہ ہر وقت آپ آیت ونحن اقرب الیہ من حبل الورید پر توجہ رکھیں پھر واللہ معکم این ما کنتم کی نسبت ایسا ہی فرمایا اس توجہ میں میں نے بار بار حضرت نبی کریم ﷺ کو دیکھا...''

(مرقاۃ الیقین...صفحہ 120)

کتاب سراج منیر میں خواجہ غلام فرید صاحب سے خط وکتابت میں حضرت خلیفۃ المسیح لاول کے زیارت نبوی کا ذکر خواجہ صاحب کے دوسرے خط کے جواب میں حضرت مسیح موعود کا جواب بزبان فارسی مع مثنوی فرمایا، مکرمی اخویم مولوی حکیم نورالدین صاحب اور پیر سراج الحق صاحب کی طرف سے آپ کو السلام علیکم مولوی صاحب موصوف علی العموم آپ کا ذکر خیر کرتے رہتے ہیں یہ عجیب بات ہے کہ تھوڑی سی ہم نشینی اور ملاقات کے نتیجہ میں ان کے دل میں آپ سے بہت ہی محبت اور اخلاص جاگزیں ہو گیا ہے انہوں نے متعدد مرتبہ آپ کی اس کرامت کا ذکر کیا ہے کہ آپ نے انہیں ایک درود شریف بتایا اور کہا اس کے پڑھنے س ء آنحضرت ﷺ کی زیارت ہو گی چنانچہ پہلی ہی رات اس درود شریف کی برکت سے وہ آنحضرت ﷺ کی زیارت سے مشرف ہو گئے ۔والسلام خاکسار غلام احمد از قادیان۔''

(اردو ترجمہ بحوالہ رسالہ درود شریف مرتبہ مولوی محمد اسماعیل صاحب حلال پوری صفحہ 266۔267)

جموں میں آنحضرت کی زیارت اور احادیث یاد رکھنے کا راز

''جموں میں ٹھٹھیروں کی دوکانوں کے محلہ میں ایک مندر ہے میں نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ اس مندر کے سامنے آٹے، نمک، تیل وغیرہ پرچون کی ایک دوکان ہے۔وہاں ایک لکڑی کی ایک چوکی پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھے ہیں میں وہاں سے گزرا تو آپ نے فرمایا کہ تم ہمارے یہاں سے آٹا لے لو۔چنانچہ انہوں نے ایک لکڑی کی ترازو میں آٹا تولا جو بظاہر ایک آدمی کی خوراک کے قابل تھا۔میں نے اپنے دامن میں اس کو لیا۔جب آٹا میرے دامن میں ڈال چکے تو کفہ ترازو کو زور سے ڈنڈی پر مارا کہ سب آٹا میرے دامن پر گر جائے جب میں آٹا اپنے دامن میں لپچکا تو میں نے سوال کیا کہ آپ نیحضرت ابو ہریرہ کو کوئی ایسی بات بتائی تھی جس سے وہ آپ کی حدیثیں یاد رکھتے تھے؟ آپ نے فرمایا ''ہاں'' میں نے عرض کیا۔وہ بات مجھے بھی بتا دیں تا کہ میں آپ کی حدیثیں یاد کرلوں کہا کہ ہم کان میں بتاتے ہیں میں نے کان آگے کیا اور آپ نے اپنا منہ میرے کان سے لگایا کہ اتنے میں خلیفہ نورالدین نے میرے ایک پاؤں کو خوب زور سے دبایا اور کہا کہ نماز کا وقت ہے ۔میری سمجھ میں آیا کہ حدیث پر عمل کرنا یہی حدیثوں کے یاد کرنے کا ذریعہ ہے اُٹھانے والا بھی خواب ہی کا فرشتہ ہوتا ہے اور نورالدین کے لفظ سے یہ تعبیر میری سمجھ میں آئی'' (مرقاۃ الیقین.....صفحہ 173)

آنحضرت کی زیارت اور بانہال کے رستے کشمیر

(اس حدیث لا نکاح الا بولی کا پس منظر بیان کرتے ہوئے) فرمایا تب میں نے اسی وقت دل میں کہا کہ اگر سارا جہان بھی اس کو ضعیف کہے گا تب بھی

میں اس حدیث کو صحیح سمجھوں گا یہ خیال کرتے ہی میں نے دیکھا کہ دونوں طرف ڈاڑھی برابر ہوگئی اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور مجھ سے کہا تو کشمیر دیکھنا چاہتا ہے؟ میں نے کہا ہاں یا رسول اللہ! آپ چل پڑے اور میں پیچھے پیچھے تھا بانہال کے رستے ہم کشمیر گئے'' یہ بھیرہ چھوڑنے اور کشمیر کی تحریک ہے اس لئے میں بھیرہ کا اور کوئی حال نہیں لکھواتا

(مرقاۃ الیقین...صفحہ 159۔160)

حضرت علیؓ سے قرآن کے معارف سیکھنا ''میں نے بھی خود بلا واسطہ حضرت علیؓ سے قرآن کے بعض معارف سیکھے ہیں''

(حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ 223)

حضرت علیؓ سے مسئلہ....فضیلت دریافت کرنا

''ایک دفعہ میں نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو خواب یا کشف میں دیکھا میں نے آپ سے سوال کیا کہ حضرت ابوبکرؓ اور آپ کی فضیلت کا مسئلہ دنیا میں پیچ دار ہو رہا ہے اس کا اصل کیا ہے؟ فرمایا.انسان کی فضیلت موقوف ہے اس تعلق پر جو انسان کو اللہ تعالیٰ سے ہے دلوں کے حالات کو علیم بذات الصدور (آل عمران:120) کے سوا کون جانتا ہے'' (خطبات نور صفحہ 630)

تفسیر قرآن لکھنے کی خواہش

'' آئمہ اربعہ ۔آئمہ حدیث ۔آئمہ تصوف ۔آئمہ کلام میں سے کسی نے قرآن شریف کی پوری تفسیر نہیں لکھی مجھکو بچپنے ہی سے تفسیر کا بہت شوق تھا۔میں نے کئی مرتبہ تفسیر لکھنی شروع کی اور پوری نہ ہوسکی ایک مرتبہ میں نے دعا مانگی کہ خدا تعالیٰ تفسیر لکھنے کی توفیق دے۔خواب میں دیکھا کہ مجھ کو ایک دوات دی گئی لیکن وہ خشک تھی ۔میں نے سمجھا کہ اور دعا مانگنی چاہیئے کیونکہ پانی ڈالنے سے دوات کام دے سکتی ہے پھر دوسری مرتبہ خواب دیکھا کہ ایک قلم دیا گیا جو چیرا ہوا تھا میں نے سمجھ لیا کہ چیرے ہوئے قلم کا تو کوئی علاج ہی نہیں ؛ اس کی وجہ یہی تھی کہ میرے اوپر بھی امام کا لفظ آنے والا تھا۔''

(مرقاۃ الیقین...صفحہ 212۔213)

فومھا کا الہامی ترجمہ ''فومھا (البقرہ:62) کا ترجمہ بعض نے گندم کیا ہے یہ غلط ہے میں کبھی نہ کروں گا میں نے ایک کتاب دیکھی اگرچہ وہ مجھے ناپسند آئی مگر میں نے اسے خرید لیا رات کو مجھے رؤیا ہوا کہ ایک بازار ہے اس میں بہت خوبصورت پیاز اور لہسن خرید لیا جب جاگ آئی تو زبان پر فومھا تھا تو سمجھ آئی کہ لہسن پر خوب ہاتھ مارا'' (خطبات نور صفحہ 623)

میں کرشن بن گیا

''میں نے امام بننے کی کبھی خواہش نہیں کی اللہ تعالیٰ نے تم سب کو گردنوں سے پکڑ کر میرے آگے جھکا دیا دیر کی بات ہے میں نے ایک ایک رؤیا دیکھی تھی کہ میں کرشن بن گیا اس کا نتیجہ اسوقت میری سمجھ میں نہیں آتا تھا

(خطبات نور صفحہ 622)

میری غریب الوطنی پر جناب الٰہی نے رحم فرمایا

''ایک اور رؤیا میں نے پنڈ دادنخان میں دیکھا وہاں ایک سر رشتہ دار تھا جو اپنی فضولیوں میں بہت بڑا مشہور تھا'' میں نے اس کو دیکھا کہ وہ بہشت میں ایک بڑی اونچی اٹاری پر ہے جب میں نے اس کو اور اس نے مجھ کو دیکھا تو میں نے اس سے کہا کہ تم تو بڑے سیہ کار تھے تم کو بہشت میں اور عرفات میں کیونکر موقع ملا۔اس نے جواب میں کہا کہ میری غریب الوطنی پر جناب الٰہی نے رحم فرمایا'' میں نے بیداری کے بعد اس کی بہت جستجو کی مگر کہیں پتہ نہ لگا یہی معلوم ہوا کہ عرصہ سے مفقود الخبر ہے دو برس کے بعد ایک میرے رشتہ دار نے بتایا کہ فلاں آدمی بمبئ کے قریب ایک مقام کلیانی میں مر گیا ہے وہ مکہ میں پیادہ پا جاتا تھا'' (مرقاۃ الیقین...صفحہ 235)

وبا کیوں پھیلتی ہے

''میں نے بہت عرصہ پہلے خواب میں دیکھا کہ خدا کا غضب بھڑک اُٹھا ہے اور زمین تاریک ہو چلی ہے پہلے طاعون پھیلا ہے پھر اس کے بعد ہیضہ پڑا ہے چند خاص دوستوں کو میں نے یہ خواب سنا بھی دیا اور دعا شروع کی کہ الٰہی! تو اپنے فضل و کرم سے احمدی جماعت، پھر خصوصیت سے قادیان کی جماعت پر اپنا رحم فرما پھر چند دن ہوئیکہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ملک میں خطرناک طاعون ہے اور ایک عظیم الشان محل ہے جس میں ہم لوگ ہیں گویا خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم پہلے ہی وعدہ کر چکے ہیں کہ انی احافظ کل من فی الدار

اب صرف اتنی بات ہے کہ ہم اپنے تئیں اس محل میں رہنے کے اہل ثابت کریں پھر کچھ دن ہوئے میں نے دیکھا کہ انھی ہماری دو کانوں پر شیر حملہ کر رہا

ہے پس میں ڈر گیا اور بہت دعا کی اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ طریق نجات کیا ہے؟ تو مجھ پر کھولا گیا کہ خدا کے حضور کھڑے رہنا اور دعائیں طوفان میں ایک کشتی ہے جو ٹوٹی ہوئی ہے مگر دعاؤں سے جڑ سکتی ہے پھر میں اس بات پر غور کر رہا تھا کہ ملک میں وبا کیوں پھیلتی ہے تو ایک ملک نے ابھی رستے میں آتے ہوئے مجھے تحریک کی کہ ما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون (الذاریات:57)

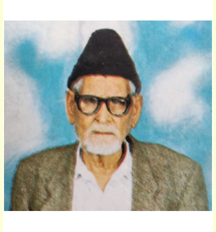
ہر شخص فائدے کے لئے کوئی چیز بناتا ہے مثلاً باغبان درخت لگاتا ہے اب جب تک وہ چیز مثلاً درخت فائدہ دے اسے نہیں اکھیڑا جاتا لیکن جب وہ غرض جس کے لئے وہ شئے بنائی گئی پوری نہ کرے تو پھر اس شئے کو توڑ دیا جاتا ہے ادنیٰ سے ادنیٰ عقل کا زمیندار بھی اس اصل پر عمل پیرا ہے پھر خدا جو حکیموں میں سے بڑا حکیم ہے وہ بے فائدہ کسی چیز کو کیوں رکھے جب انسان اس اصل غرض کو پورا نہیں کرتا یعنی عبادت جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا تو پھر لا محالہ تباہ ہوتا ہے ایسا ہی جو اپنے نمونہ یا دیگر حالات سے دوسروں کو خدا کی عبادت سے روکتا ہے اسے بھی ہلاک کیا جاتا ہے''(خطبات نور صفحہ 487-488) پانچ لاکھ عیسائی افریقہ میں مسلمان ہوں گے 8 فروری 1914ء کو فرمایا۔ خدا تعالیٰ نے اس بیماری میں مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ پانچ لاکھ عیسائی افریقہ میں مسلمان ہوں گے'' پھر فرمایا ''مغربی افریقہ میں تعلیم یافتہ ہوں گے''

(تاریخ احمدیت جلد 4 صفحہ 642،536)

مصلح موعود کون ہیں

''میں نے حضرت خواجہ شاہ سلیمان صاحب تونسوی اور شاہ ولی اللہ صاحب اور حضرت شاہ غلام علی صاحب اور صحابہؓ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ایک عالم میں خود دیکھا ہے حضرت شاہ سلیمان صاحب بائیس برس کے تھے جب خلیفہ ہوئے اور پورے اٹھتر برس خلافت کی سو برس کی عمر پائی شاہ سلیمان صاحب قوم کے پٹھان روہیلے تھے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فقیہ، محدث اور حکیم صوفی ہیں شاہ غلام علی صاحب بٹالہ کے باشندہ سید تھے

(مرقاۃ الیقین......صفحہ 210)



نظم

محمد ابراہیم شادؔ

بہارِ باغ و چمن لا الہ الا اللہ
نکھارِ سرو سمن لا الہ الا اللہ
تمام ارض و سما میں ہے روشنی اس کی
ہے مہر حق کی کرن لا الہ الا اللہ
یہی ہے جس کی اذانوں سے گونج اٹھتے ہیں
یہ کوہسار و دمن لا الہ الا اللہ
مٹایا ظلمت و باطل کو آن واحد میں
ہوا جو جلوہ فگن لا الہ الا اللہ
سکونِ قلب میسر ہو لا جرم اس سے
دوائے حزن و محن لا الہ الا اللہ
حصولِ خیر کا موجب نجات کا باعث
شفائے روح و بدن لا الہ الا اللہ
وہ آفتابِ رسالت محمدِ عربی
شہِ زمین وزمن لا الہ الا اللہ
کسی کا حسن میری آنکھ میں نہیں جچتا
فقط ہے اس کی لگن لا الہ الا اللہ
بروزِ حشر بما آنکہ با وفا باشد!
رسید مژدہ بمن لا الہ الا اللہ
وہ جس کے زکر سے ہیں بالیقیں جلا پاتے
دماغ و کام و دہن لا الہ الا اللہ
خدا کے فضل و کرم کا مدام وارث ہو
مرا عزیز وطن لا الہ الا اللہ
ہے شاد نذرِ عقیدت یہ نغمہ وحدت
برنگِ شعر و سخن لا الہ الا اللہ



حضرت مصلح موعودؓ اور کامیاب زندگی کا تصور

شہزادہ قمر الدین مبشر۔ گلاسگو سکاٹ لینڈ



1952ء سے 1964ء کے درمیانی عرصہ میں پاکستان کے ایک پروفیسر جناب انور دل اور محترمہ شمیم یونس صاحبہ نے پاکستان کی نامور ہستیوں نامور عالم ادیب شاعر جن میں سید سلمان ندوی، احمد ندیم قاسمی، امتیاز علی تاج، جسٹس ایس اے رحمٰن، جسٹس ایم آر کیانی، جسٹس سجاد احمد جان، مولانا مودودی، اے کے بروہی، حفیظ کاردار، مولانا عبدالمجید سالک، چوہدری ظفر اللہ خان اور ڈاکٹر عبدالسلام کے علاوہ جماعت احمدیہ کے امام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد اور پاکستان کے نامور اور مختلف شعبوں کے نمائندہ افراد سے فرمائش کی گئی کہ وہ کامیاب زندگی کے تصور کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کریں لیکن بات صرف نظری ہو بلکہ زندگی کے عملی تجربے کی روشنی میں ہو۔

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی زیر ہدایت یہ مضمون محترم مولانا دوست محمد شاہد صاحب (مرحوم) نے پروفیسر انور دل کو ارسال فرمایا۔ ان نامور ہستیوں کے مضامین کتابی صورت میں بھی شائع ہوئے۔ ان مضامین پر تبصرہ جناب قدرت اللہ شہاب سیکرٹری جنرل پاکستان رائٹرز گلڈ نے تحریر کرتے ہوئے کہا کہ جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب اسلام کی روشنی میں بات کرتے ہیں اور تقویٰ اور توکل پر زور دیتے ہیں۔

حضورؓ نے ارشاد فرمایا:

ابنائے عصر جو یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ سائنس اور تہذیب کی موجودہ روشنی میں مذہب کی قندیل فروزاں نہیں رہ سکتی۔ اس امر کو قدامت پسندی پر محمول کریں گے۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ زندگی کی رُوح چونکہ خالق کائنات کے دستِ قدرت کا نتیجہ ہے اس لئے زندگی کی پُر پیچ وادیوں میں انفرادی، اجتماعی، اخلاقی، سماجی، اقتصادی اور سیاسی ذمہ داریوں سے حقیقی معنوں میں عہدہ برآ ہونا خدا تعالیٰ کی توفیق، راہنمائی اور اسی کے پیدا کردہ ذرائع سے ممکن ہے۔ اس لئے تنہا دینی اعتبار ہی سے نہیں، عقلی، طبعی اور اخلاقی لحاظ سے بھی کامیاب زندگی صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی عزت اور ان کی محبت کو دلوں میں قائم کیا جائے تا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کے رسُول ﷺ کی دُعائیں ہمارے ساتھ ہوں۔

ظاہر ہے ظفر مندی اور کامرانی کی اس معراج تک پہنچنے کیلئے انسان کو ایک انتھک مسلسل اور پیہم جہاد کی ضرورت ہے جو اس کی زندگی کے ہر پہلو پر حاوی ہو اور آخری سانس تک جاری رہے کہ قدرت کے خزانوں میں کمی نہیں اور ہر فرد بشر کیلئے ترقی کی غیر محدود راہیں کھلی ہیں۔ انفرادی حیثیت سے منزل مقصود تک پہنچنے کیلئے گو ہر شخص کو ایک نئے ماحول اور نئے حالات سے گزرنا پڑتا ہے لیکن کاروانِ انسانیت کے لئے جو باتیں مشترک طور پر خضرِ راہ ثابت ہوئی ہیں۔ وہ بنیادی طور پر چار ہیں۔ شمعِ ایمان۔ عملِ صالح۔ اشاعتِ حق۔ صبر و استقلال کی فولادی دُنیا میں اکثر چھوٹی نظر آنے والی چیزیں ہی بہت بڑے انقلابات کا موجب بنتی ہیں۔ یہی صورت ان امور کی ہے۔ بظاہر یہ چند معمولی امور ہیں مگر زمانے کی ابدی شہادت ہے کہ جس قوم یا فرد کو یہ خصوصیتیں حاصل ہو جائیں اس کا قدم آگے ہی آگے بڑھتا ہے اور کبھی پیچھے نہیں ہٹتا۔

ایمان یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ پر زندہ یقین حاصل ہو۔ اسلام ایک فطری مذہب ہے اس لئے اس نے فطرت کے صحیح تقاضوں کو پورا کرنے کا مکمل سامان کیا ہے۔ اس کے یہاں ترقی اور کامیابی کی سند یہ ہے کہ انسان دُست با کار و دل بایار، کا مصداق بن کر اپنی ہر حرکت و سکون میں الٰہی رضا اور خوشنودی مدنظر رکھے۔ یہاں تک کہ وہ ذاتِ حق سے اِتنا گہرا تعلق اور رابطہ قائم کرلے کہ اس کی غیرت انسان کا نقشِ ہستی سے محو ہو جانا کبھی گوارا نہ کرے۔ دُنیائے رُوحانیت میں یہی مقام تقویٰ سے تعبیر پاتا ہے۔ تقویٰ ایک ایسی چیز ہے جس سے خدا اور بندہ آپس میں پیوست ہو جاتے ہیں۔ پس کامیابی کے لئے سب سے پہلی چیز تقویٰ ہے اس سے زیادہ کارگر ہتھیار اور کوئی نہیں۔

دوسری چیز کامیابی کیلئے تقویٰ کا دوام ہے۔ اگر تمہارے اندر تقویٰ ہے اور تمہاری اولاد کے اندر نہیں تو یہ ایک ایسا درخت ہے جو سُوکھ جائے گا۔ اور باغ میں وہی درخت لگایا جاتا ہے جس سے امید ہو کہ وہ لمبے عرصے تک پھل دے گا۔ پس جس نخل کو تم نے سالہا سال کے مصائب اور اپنے خون سے سینچ کر پالا ہے وہ اگر آپ ہی سوکھ جائے تو کس قدر افسوس کی بات ہوگی۔ اس لئے یہ چیز نہایت ضروری ہے کہ تم اپنی اولادوں میں تقویٰ پیدا کرو اور اگر یہ سلسلہ جاری ہو جائے تو تم کو کون مٹا سکتا ہے؟ تم سدا بہار درخت ہو جاؤ گے جس پر کبھی خزاں نہیں آتی۔

تقویٰ کی بڑی علامت یہ ہے کہ انسان اپنے ہر معاملہ میں خدا تعالیٰ پر کامل توکل رکھے۔ بہت لوگ یہاں آ کر ناکام ہو جاتے ہیں بلکہ کثرت سے اسی طرح ناکام ہوتے ہیں کہ انہیں خدا تعالیٰ پر یقین اور اعتماد نہیں ہوتا کہ وہ ہماری مدد کرے گا اور ہم ناکام نہیں رہیں گے۔ اس یقین اور ایمان کی کمی انسان کو نکما کر کے رکھ دیتی ہے۔ اس کے برعکس بعض لوگ ان پڑھ اور جاہل ہوتے ہیں مگر ان کے اندر ایسا یقین اور ایمان نہیں ہوتا دلائل دے دے کر تھک جاتا ہے۔ مگر دوسرا یہی سمجھتا ہے کہ یہ محض باتیں ہیں۔ حقیقت کچھ نہیں۔ توکل کا یہ مقام دُعا سے پیدا ہوتا ہے اور دُعا ایک ایسی طاقتور چیز ہے کہ دُنیا میں اور کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

ہمارے لئے کامیاب کا راستہ یہی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے دامن کو پکڑ کر اس کے پاس بیٹھ جائیں اور اسے کہیں کہ ہم نے جو کچھ لینا ہے تجھی سے لینا ہے۔ اگر ہم یہ طریقہ اختیار کر لیں تو ہماری کامیابی میں کوئی شبہ نہیں ہوگا۔ دُنیا میں کوئی تغیر آئے خواہ کتنے بڑے مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں اگر ہم اس راستہ پر چلتے چلے جائیں تو ہماری کامیابی قطعی اور یقینی ہوگی۔

بہت لوگ ہیں جو رسمی دُعائیں کرتے ہیں جو ملے گا اُسے کہہ دیں گے دُعا کرنا۔ مگر دُعا کو معمولی چیز نہ سمجھو بلکہ یقین رکھو کہ جب ہمارے دل سے نکلے گی تو زمین و آسمان کو ہلا دے گی۔ جب تک یہ یقین نہ ہو دُعا دُعا نہیں۔ دُعا محض منہ کے الفاظ یا دماغ کے خیالات نہیں بلکہ ایسی چیز ہے جس کے پیچھے یقین اور ایمان کے پہاڑ ہیں۔ بچہ ماں سے سوال کرتا ہے تو اُسے یقین ہوتا ہے کہ ضرور پورا کر دے گی اور نہ بھی مانے گی تو میں منوا کر چھوڑوں گا۔ اسی طرح وہ دُعا قبول ہوتی ہے جس کے متعلق بندہ یقین رکھے کہ یہ ضرور سنی جائے گی اور میں اسے منوا کر رہوں گا۔

اسلام نے دعا کیلئے کوئی وقت مقرر نہیں فرمایا، نیز اس کی متعدد صورتیں بھی بتائیں ہیں جو اپنے اپنے دائرے میں ضروری ہیں لیکن پانچ وقت کی نمازوں کا اہتمام سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کو قدم قدم پر مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جو اس کی ترقی کی رفتار پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ لہٰذا اُسے روزانہ پانچ رتبہ آستانہ اُلوہیت پر جھک کر نماز ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے تا کہ ساتھ ہی ساتھ اس کا ازالہ ہوتا جائے۔

ایمان کے بعد کامیابی کا دُوسرا زینہ عمل ہے:

ایمان جس کے ساتھ نہ ہو قوتِ عمل
کشتی ہے جس کے ساتھ کوئی بادباں نہ ہو

مگر قرآنی نظریہ کے مطابق محض عمل کوئی چیز نہیں جب تک وہ ''عملِ صالح'' کا رنگ نہ رکھتا ہو، یعنی جو حقیق اللہ اور حقوق العباد دونوں کے پیشِ نظر اختیار کیا جائے اور انسان کی رُوحانی یا جسمانی ضرورت کے مطابق ہو۔

عملِ صالح کسی مخصوص عمل کا نام نہیں بلکہ ہر ایسا عمل جو انسان کی روحانی یا جسمانی ضرورت کے مطابق ہو۔ اس کو عملِ صالحہ کہا جاتا ہے۔ یہ قرآن کریم کی ایک بہت بڑی خوبی ہے کہ اس نے ایک ایسی اصطلاح رکھتی ہے جو اپنی ذات میں کامل ہے اور جس میں اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا ہے کہ کس عمل کو تم اچھا کہہ سکتے ہو اور کس کو بُرا۔ باقی مذاہب بنی نوع انسان کو صرف اتنی تعلیم دیتے ہیں۔ تم اچھے اعمال بجالاؤ لیکن یہ نہیں بتاتے کہ اچھے عمل کی تعریف کیا ہے؟ اگر کسی سے پوچھا جائے کہ اچھے اعمال بتاؤ تو وہ فوراً کہہ دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اچھا عمل ہے۔ صدقہ وخیرات دینا اچھا عمل ہے۔ حالانکہ یہ جواب مکمل نہیں۔ اسلام صرف نماز کو عملِ صالح قرار نہیں دیتا۔ اسلام صرف روزہ و صدقہ وخیرات کو عمل صالحہ قرار نہیں دیتا بلکہ اسلام کے نزدیک عملِ صالح وہ عمل ہے جو مناسب حال ہو اور انسان کی رُوحانی اور جسمانی ضروریات کے مطابق ہو۔ مثلاً روزہ رکھنا کتنی بڑی نیکی ہے، مگر روزہ رکھنا بھی کبھی اچھا ہوتا ہے کبھی

بُرا۔ جیسے رسُول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص عید کے دن روزہ رکھتا ہے وہ شیطان ہے۔ اگر روزہ رکھنا ہر حالت میں عمل صالح ہوتا تو رسول کریم ﷺ یہ کیوں فرماتے کہ عید کے دن روزہ رکھنے والا شیطان ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ روزہ اپنی ذات میں اچھا نہیں بلکہ اس وقت اچھا ہے جب خدا تعالیٰ کا حکم اس کے متعلق موجود ہو۔ اسی طرح نماز بڑی اچھی چیز ہے مگر اتنی بات تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا نبی دُشمن کے مقابلہ میں کھڑا ہو، دُشمن اپنے پورے زور سے حملہ کر رہا ہو اور وہ نبی اور اس پر ایمان لانے والے دُشمن کے حملہ کے دفاع میں مشغول ہوں اور ایسی حالت میں اگر کوئی شخص میدانِ جہاد چھوڑ کر ایک طرف مصلیٰ بچھا کر نماز شروع کر دے تو ہر شخص اسے دیکھ کر کہے گا کہ وہ شیطان ہے۔ اس وقت یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ شخص کتنا نیک ہے کہ مصلیٰ بچھا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہا ہے اور اس سے رو رو کر دُعائیں کر رہا ہے بلکہ جو شخص بھی اسے دیکھے گا اسے منافق اور غدار قرار دے گا۔ غرض عملِ صالح کے معنی ایسے عمل کے ہوتے ہیں جس میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہو۔ یورپ کے لوگ اس بات پر بڑا فخر کیا کرتے ہیں کہ نظریہ ’اضافیت آئن سٹائن نے ایجاد کیا ہے۔ دراصل یہ وہ نظریہ ہے جو آج سے تیرہ سو سال قبل قرآن کریم نے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اسی وجہ سے قرآن کریم میں ہر جگہ عملِ صالح کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی نظریۂ اضافیت کے ہی ہیں۔ یعنی کام اپنی ذات کے لحاظ سے نہیں بلکہ اضافی لحاظ سے اچھے قرار پاتے ہیں۔

عملِ صالح کو نتیجہ خیز صورت دینے کیلئے چار مراحل میں سے گزرنا ضروری ہے۔ پہلا مرحلہ یہ ہے کہ انسان میں اپنے فرائض کی سرانجام دہی میں بشاشتِ قلبی اور نشاطِ رُوح کی مسرت افزا لہریں موجزن ہوں۔

دُوسرا مرحلہ یہ ہے کہ عقل و فکر کی تمام تر صلاحیتیں عمل کے بحرِ بیکراں میں غوطہ زن ہونے کیلئے وقف کر دے۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ ابتدا میں تو وہ آفاق میں گم تھا مگر بالآخر آفاق اس میں گم ہو جائیں گے۔ اس ضمن میں میری چند ہدایات یہ ہیں:

وقت نہایت قیمتی چیز ہے۔ جو وقت کو استعمال کرے گا وہ جیتے گا اور جو ضائع کرے گا وہ ہارے گا۔

ماضی کے بجائے مستقبل کو اپنے سامنے رکھو اور سوچتے رہو کہ تم نے اپنے فرائض کو کس طرح ادا کرنا ہے۔

تدبیر سے کام لو مگر تقدیر پر نظر رکھو۔

ہمیشہ اپنے کاموں میں محبت اور عقل کا توازن قائم رکھو۔ توازن قائم نہ رکھنے کی صورت میں تم یا تو وہم میں مبتلا ہو جاؤ گے یا حماقت میں۔

انسانی ترقی کا اصل گُر یہ ہے کہ جو چیز اسے اچھی نظر آئے اسے مضبوطی سے پکڑ لے۔ ذہانت، تکرار اور تدبیر ہی وہ حقیقی دولت ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کی ہے اگر تم اس سے فائدہ اٹھاؤ تو تمہیں اتنا کچھ مل جائے گا کہ خدا تعالیٰ سے اور مانگتے ہوئے شرم آئے گی۔

تیسرا مرحلہ یہ ہے کہ نصب العین نہایت بلند ہو اور زندگی کے میدان میں وہ مسابقت کی رُوح کے ساتھ آگے ہی آگے بڑھتا جائے کیونکہ دنیا کے نشیب و فراز قدرت کے اشارے ہیں کہ بڑھتے اور ترقی کرتے چلے جاؤ۔ یوں تو زمانہ ہمیشہ ہی برق رفتار رہا ہے مگر اب تو ہم ایک ایسے دور میں داخل ہو چکے ہیں جو نہایت نازک ہے۔ یہاں تو زندگی کے وسیع و عریض میدان میں قوموں اور ملکوں کی زبردست رسّہ کشی جاری ہے۔ جب تک کوئی فرد اس میں آگے نکل جانے کا عہد لے کر جان کی بازی نہ لگاوے۔ اسے زندہ رہنے کی توفیق بھی نہیں مل سکے گی۔

چوتھا اور آخری مرحلہ یہ ہے کہ ہر کام کے لئے اُن جائز اور صحیح ذرائع کو بروئے کار لایا جائے جو خدا تعالیٰ نے اس کیلئے مقرر کر رکھے ہیں۔

دُنیا میں اکثر ناکامیاں اور بہت سی نامرادیاں اس وجہ سے نہیں ہوتیں کہ لوگ اپنے مقصد اور مدعا کو حاصل کرنے کی کوشش اور سعی نہیں کرتے بلکہ اس لئے ہوتی ہیں کہ اکثر لوگ ان طریقوں اور اسباب سے واقف نہیں ہوتے جن کے ذریعہ اس کام میں جس کے پیچھے وہ لگتے ہیں کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ پس چونکہ وہ ان قواعد سے واقف نہیں ہوتے جن کے نتیجہ میں کامیابی ہوتی ہے اور وہ ان اسباب سے آگاہ نہیں ہوتے جن کے مہیا کرنے سے مُراد کا مُنہ دیکھنا نصیب ہوتا ہے۔ اس لئے ان کی کوشش اور سعی بے سُود رہتی ہے۔

میرا ابتدا ہی سے یہ قطعی مسلک رہا ہے کہ ہر مذہبی یا سیاسی یا اخلاقی تحریک

کی کامیابی کیلئے پرامن اور آئینی ذرائع موجود ہیں۔اس لئے اسلام کسی صورت میں بھی فساد یا بغاوت کی اجازت نہیں دیتا۔جب اللہ تعالیٰ نے ایک مقصد کے حصول کیلئے ایک راستہ مقرر فرما دیا ہے اور باقی راستوں سے روک دیا ہے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اس راستہ پر گامزن ہوں جس پر چلنے کی اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی ہے۔اگر اس طریق پر عمل پیرا ہونے سے حصول مقصد میں کوئی کمی رہ جائے گی تو اس کمی کو پورا کرنے کے سامان اللہ تعالیٰ خود اپنی طرف سے پیدا کر دے گا۔

عملِ صالح کے بعد کامیابی کا اہم ذریعہ اور گُر حق وصداقت کی اشاعت ہے۔اس زمانہ میں اِسلام کی فتح اور مسلمانوں کا غلبہ محض تبلیغ سے وابستہ ہے۔ تبلیغ واشاعتِ اِسلام دُھواں دھار تقاریر یا ضخیم تصانیف یا مناظرہ بازی سے تعبیر نہیں بلکہ اس سے مراد قرآن وسنت کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنے اور پھر اپنے قول وعمل سے دُنیا کو دعوتِ حق دینے کا نام ہے۔معرکہ ٔ حق وباطل کو فیصلہ کن شکل دینے اور عروج وارتقاء کی سربفلک چوٹیوں پر فتح وظفر کا پرچم لہرانے کیلئے صبر واستقلال کی فولادی قوت درکار ہوتی ہے۔

یہ ہیں وہ چار اصولی ذرائع جن سے سفینۂ حیات نہایت کامیابی کے ساتھ ساحلِ مراد تک جا پہنچتا ہے۔دین ودنیا میں سرفرازی اور سربلندی کا سب راز انہیں میں ہے اور کامیاب زندگی صرف اسی نہج پر ممکن ہے۔

ربوہ۔فروری 1958ء

یہ مضمون ان اقتباسات سے مرتب کیا گیا ہے جو مرزا البشیر الدین محمود احمد صاحب کی زیرِ ہدایت دوست محمد شاہد صاحب نے ارسال فرمائے۔ (مؤلف)

***


⑦ سائمن کمشن اور جماعت احمدیہ کی عظیم ملی خدمات

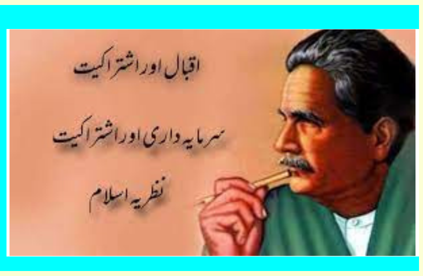
جماعت احمدیہ کی ان کوششوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ ہندوستان کے آئینی مسائل کے حل کے لئے برطانوی حکومت نے نومبر 1927 میں ایک کمشن قائم کیا لیکن اسکے تمام ممبران انگریز تھے اس پر کانگرس اور مسلم لیگ نے انکا بائیکاٹ کر دیا۔
حضرت امام جماعت احمدیہ نے اس موقعہ پر کتابچہ "مسلمانان ہند کے امتحان کا وقت" انگریزی اور اردو میں شائع کیا جس میں تلقین کی کہ مسلم قیادت اس کمیشن سے ملاقات کرے کیونکہ ہندو الگ طور پر انگریزوں کو وسیع تعلقات کی بنا پر اپنے مطالبات سے آگاہ کر چکے ہیں۔چنانچہ اس تجویز پر جماعت کی کوششوں سے پنجاب کے سولہ ممبران گورداسپور اور لاہور میں اس کمشن سے ملے۔اس پر مسلم لیگ کے سر شفیع گروپ نے بھی تعاون کا ارادہ کر لیا چنانچہ حکومت نے ہندوستانیوں کو مطمئن کرنے کے لئے ہر صوبے میں ایک صوبائی کمیٹی کے قیام کا اعلان کیا۔صوبہ پنجاب سے سات ارکان منتخب ہوئے جن میں سر ظفر اللہ خان بھی تھے۔آپ نے جس قابلیت سے مسلم مطالبات کمشن کے سامنے رکھے اس پر اخبار نے لکھا "شہادت دینے والوں پر جرح کرنے کے باب میں ایک نمایاں شخصیت چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب کی ہے۔آپ داڑھی رکھے ہوئے ہیں آپ کی آواز نہایت پرشوکت ہے اور نہایت برجستہ تقریر کرنے والے ہیں" (اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ۔5 نومبر 1928)



دُنیائے فانی

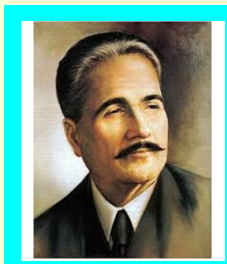
مصلح الدین راجیکی صاحب

نہ آنسو نہ آہیں نہ سوزِ نہانی
تری زندگی بھی ہے کیا زندگانی
بدل جائیں اب بھی جو اطوار تیرے
یہی لَن ترانی ہے سَوفَ ترانی
سلیقہ نہیں تجھ کو رونے کا ورنہ
بڑے کام کا ہے یہ آنکھوں کا پانی
بھروسہ نہ کر عالمِ رنگ و بُو پر کہ
ڈھلتی سی چھاؤں ہے دُنیائے فانی
یہ صبح بنارسیہ شامِ غریباں
یہ شامِ اودھ ہے فقط اک کہانی
کہاں ہے وہ متھرا کا مہرِ درخشاں
کہاں ہیں وہ مُرلی کی تانیں سہانی
کہاں ہیں وہ راجہ بھڑائچ کے چرچے
کہاں ہے وہ جیتو کی اب راجدھانی
کہاں ہیں وہ اجداد و اسلاف تیرے
کہاں ہیں وہ عہدِ گذشتہ کے بانی
نہ کر ناز عمرِ دو روزہ پہ ناداں
بڑی بے بھروسہ ہے یہ زندگانی
اُٹھا دِل کو گلشنِ ماسوا سے
لگا اُس خدا سے جولو ہے لگانی



اقبال اور اشتراکیت

ارمغان احمد داؤد



اقبال نے اپنی نظم ونثر میں اشتراکیت کی روح ایسے پھونک دی تھی کہ آج کے زمانے میں اگر یہ کہا جائے کہ اقبال سوشلسٹ تھے تو اعتراض کرنے والے کافی کم ہوں گے۔ ان کی نظم جس میں ایک مشہور ومعروف شعر ہے کہ

ے جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

اس نظم کے بارے میں خلیفہ عبدالحکیم نے لکھا تھا کہ اگر اس کا روسی زبان میں ترجمہ ہوکر لینن کے سامنے پیش کیا جاتا تو وہ اسے بین الاقوامی اشتراکیت کا ترانہ بنانے پر آمادہ ہو جاتا اور کہ یہ نظم اشتراکی لائحہ عمل کا لب لباب ہے اور محنت کشوں کے لئے انقلاب بلکہ بغاوت کی تحریک ہے (فکر اقبال)۔

اقبال کے کارل مارکس پر کچھ اشعار تو ایسے ہیں اگر آج اقبال زندہ ہوتے تو گستاخی کے الزام میں کسی مذہبی جنونی کی گولیوں کا نشانہ بن چکے ہوتے، ایک جگہ کہتے ہیں:

ے وہ کلیم بے تجلی وہ مسیح بے صلیب
نیست پیغمبر و لیکن در بغل دارد کتاب

ایک اور شعر میں اس سے آگے قدم بڑھاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

ے صاحبِ سرمایہ، از نسل خلیل
یعنی آں پیغمبر بے جبرئیل

مجھے امید ہے کہ میرے بہت سارے قارئین کو اس بات کا اندازہ نہیں ہوگا کہ اشتراکیت کو کسی حد تک قبول کرنے اور اس کے مرکزی خیال کو اپنی نظموں کا حصہ بنانے والے اقبال پر یہ وقت بھی ارتقاء کے مراحل طے کرنے کے بعد ہی آیا تھا اور اس سے پہلے ایک مضمون میں اس کی مخالفت کر چکے ہیں۔

واقعہ کچھ یوں ہوا کہ ایڈورڈز کالج پشاور کے ایک پروفیسر غلام حسین صاحب 1923 میں بالشویک سازش کے تحت گرفتار ہو گئے۔ پروفیسر صاحب ملازمت چھوڑ کر رسالہ 'انقلاب' کی پالیسیوں میں شریک رہے تھے، 'انقلاب' کے ہی ایک سرگرم اشتراکی اور سابق مدیر شمس الدین حسن کا ایک مضمون 'زمیندار' 23 جون 1923 میں چھپا جس میں انہوں نے لکھا:

"اشتراکیت کی حمایت کوئی جرم نہیں ہے۔ علامہ اقبال بھی بالشویک خیالات رکھتے ہیں۔ بالشویک نظام حکومت کارل مارکس کے فلسفہ سیاست کا لب لباب ہے اور کارل مارکس کے فلسفہ کو عام فہم زبان میں سوشلزم اور کمیونزم کہا جاتا ہے۔ ان حالات میں اگر کوئی تھوڑی سی عقل کا مالک بھی سر محمد اقبال کی 'خضر راہ' اور 'پیام مشرق' کو بغور دیکھے تو اس نتیجے پر پہنچے گا کہ علامہ اقبال ایک اشتراکی ہی نہیں بلکہ اشتراکیت کے مبلغ اعلیٰ بھی ہیں، 'پیام مشرق' میں 'قسمت نامہ'، 'سرمایہ دار ومزدور' اور 'نوائے وقت' کے عنوان سے جو مختصر سی نظمیں لکھی ہیں ان سے قطع نظر کر کے ص 156 کی غزل کا مطلع ملاحظہ ہو:

ے تیر و سنان و خنجر و شمشیرم آرزو است
بامن میا کہ مسلک شبیرم آرزو است

کیا ایسے اشعار کی موجودگی میں کسی کو شک ہو سکتا ہے کہ علامہ اقبال ایک انتہائی خیالات رکھنے والے اشتراکی نہیں ہیں۔"

علامہ اقبال نے ابھی خود اس مضمون کو پڑھا بھی نہیں تھا کہ کسی نے ان کو اطلاع دے دی اور انہوں نے مضمون پڑھے بغیر ہی ایک لمبی چوڑی تردید کا مضمون اگلے دن کے زمیندار میں چھپنے کو بھیج دیا (جو اگلے دن چھپ بھی گیا)۔ اس میں لکھتے ہیں:

"میں نے ابھی ایک دوست سے سنا ہے کہ کسی صاحب نے آپ کے اخبار میں یا کسی اور اخبار میں (میں نے اخبار ابھی تک نہیں دیکھا) میری طرف بولشویک خیالات منسوب کیے ہیں۔ چونکہ بولشویک خیالات رکھنا میرے نزدیک دائرہ اسلام سے خارج ہو جانے کے مترادف ہے، اس واسطے اس تحریر

کی تردید میرا فرض ہے۔ اس میں شک نہیں کہ سرمایہ داری کی قوت جن حد اعتدال سے تجاوز کر جائے تو دنیا کے لئے ایک قسم کی لعنت ہے لیکن دنیا کو اس کے مضر اثرات سے نجات دلانے کا طریق یہ نہیں کہ معاشی نظام سے اس اس قوت کو خارج کر دیا جائے، جیسا کہ بولشویک تجویز کرتے ہیں۔ روسی بولشوزم یورپ کی ناعاقبت اندیش اور خودغرض سرمایہ داری کے خلاف ایک زبردست رد عمل ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مغرب کی سرمایہ داری اور روسی بولشوزم دونوں افراط وتفریط کا نتیجہ ہیں۔"

(خطوط اقبال، مرتبہ رفیع الدین ہاشمی، صفحہ 155۔156، اشاعت اول 1977)

علامہ اقبال کی ایسی ہی کچھ باتوں پر یار لوگ کہتے ہیں کہ جب تک حکومت برطانیہ اشتراکیت اور بالشویک تحریک کے خلاف ہندوستان میں زور وشور سے کارروائیاں کرتی رہی تب تک بالشویک خیالات رکھنے سے اسلام خطرے میں آجاتا تھا مگر جیسے ہی حکومت کا رویہ نرم ہونا شروع ہوتا تھا تو تفریط کے پہلو کے ذکر کے بغیر ہی اشتراکیت کے خود نمائیندہ مبلغ بن جاتے تھے۔ واللہ اعلم۔ تفصیل کے لئے دیکھیں عتیق صدیقی ماہر اقبالیات کی کتاب 'اقبال جادوگرِ ہندی نژاد'۔ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞

قربانی کے معیار

امیرالمومنین حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا: حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خسر تھے اور حضرت امّ ناصر کے والد تھے، ان کے بارے میں ایک دفعہ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ قربانی میں اس قدر بڑھ چکے ہیں کہ اگر یہ کچھ نہ بھی دیں تب بھی ان کے قربانی کے وہ معیار جو پچھلے ہو چکے ہیں بہت اعلیٰ ہیں، وہ ہی کافی ہیں۔ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی مقصد کے لئے تحریک فرمائی تو انہوں نے (ڈاکٹر صاحب نے) اپنی تنخواہ جو اُس وقت ان کو ملی تھی فوری طور پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پوری کی پوری بھجوادی۔ اُن کے قریب جو کوئی موجود تھے انہوں نے کہا کہ کچھ اپنے خرچ کرنے کے لئے بھی رکھ لیں، آپ کو بھی ضرورت ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ آج خدا کے مسیح نے دین کی ضرورت کے لئے رقم کا مطالبہ کیا ہے۔ میری ضرورتیں دینی ضرورتوں سے بڑھ کر نہیں ہیں۔ اس لئے یہ ساری کی ساری رقم جو میرے پاس موجود ہے فوری طور پر بھجوا رہا ہوں۔ غرض کہ ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں قربانی کے اعلیٰ معیار قائم کئے۔ ایک دفعہ کسی نے اعتراض کیا کہ حضرت خلیفہ اول کے بعد کوئی ایسا نہیں ہے جو اتنی قربانی کرنے والا ہو تو اس معترض کا جواب دیتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ "آپ کہتے ہیں کہ صرف ایک حکیم مولوی نورالدین صاحب اس جماعت میں عملی رنگ رکھتے ہیں۔ دوسرے ایسے اور ایسے ہیں۔ مَیں نہیں جانتا کہ آپ اس افتراء کا خدا تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے۔ میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ کم از کم ایک لاکھ آدمی میری جماعت میں ایسے ہیں کہ سچے دل سے میرے پر ایمان لائے ہیں (حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی زندگی کی یہ بات کر رہے ہیں۔ اور آج اللہ کے فضل سے یہ تعداد کہیں کی کہیں پہنچی ہوئی ہے) اور اعمال صالحہ بجالاتے ہیں اور باتیں سننے کے وقت اس قدر روتے ہیں کہ ان کے گریبان تر ہو جاتے ہیں۔ میں اپنے ہزارہا بیعت کنندوں میں اس قدر تبدیلی دیکھتا ہوں کہ موسیٰ نبی کے پیروان سے جو ان کی زندگی میں ان پر ایمان لائے تھے ہزار درجہ ان کو بہتر خیال کرتا ہوں اور ان کے چہرہ پر صحابہ کے اعتقاد اور صلاحیت کا نور پاتا ہوں۔ ہاں شاذ ونادر کے طور پر اگر کوئی اپنے فطرتی نقص اور صلاحیت میں کم رہا ہو تو وہ شاذ ونادر میں داخل ہے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ میری جماعت نے جس قدر نیکی اور صلاحیت میں ترقی کی ہے یہ بھی ایک معجزہ ہے۔ ہزارہا آدمی دل سے فدا ہیں۔ اگر آج ان کو کہا جائے کہ اپنے تمام اموال سے دستبردار ہو جاؤ تو وہ دستبردار ہو جانے کے لئے مستعد ہیں۔ پھر بھی مَیں ہمیشہ ان کو اَور ترقیات کے لئے ترغیب دیتا ہوں اور ان کی نیکیاں ان کو نہیں سناتا مگر دل میں خوش ہوتا ہوں"

(سیرت المہدی۔ حصہ اوّل صفحہ 165 ایڈیشن دوم مطبوعہ 1935ء)

(خطبہ جمعہ فرمودہ 23 ستمبر 2005ء بحوالہ الاسلام ویب سائٹ)



اسلام کا پہلا موذن

سیدنا بلال بن رباح الحبشی رضؓ



(انجینئر محمود مجیب اصغر)

کہاں کہاں نہیں پہنچا تیرا پیام لطیف
اذاں جگہ جگہ اب بھی بلال دیتا ہے

In 1874 ,Edward Wilmot Blydon, a former slave of African descent, wrote":The eloquent Adzan or Call to Prayer, which to this day summons at the same hours millions of the human race to their devotions, was first uttered by a Negro, BILAL by name, whom M o h a m m a d , in obedience to a dream, appointed the first Mu'azzin.

1874ء میں ایڈورڈ ولموٹ بلاڈن، جو ایک سابق افریقن نسل کا غلام تھا نے لکھا:"فصیح اذان یا نماز کے لئے پکار، جو آج تک اسلام کے مختلف اقوام اور نسلوں کو لاکھوں کروڑوں پیروکاروں کو معین اوقات میں (نماز کے لئے) جمع کرنے کے لئے دی جاتی ہے کا آغاز ایک حبشی غلام بلال کے ذریعے ہوا روزانہ پانچوں نمازوں سے قبل اذان کی بنیاد ایک خواب کی پیروی میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی اور آپ نے بلال کو موذن نامزد فرمایا (مسجد نبوی کے آپ ہی مؤذن تھے اور جب مکہ فتح ہوا تو خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دینے کا اعزاز بھی حضرت بلال کو ہی حاصل ہوا)

ابتداء اذان

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ کسی آدمی کو مقرر کر دیا جائے کہ وہ نماز کے وقت اعلان کر دیا کرے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشورہ کو پسند کیا اور حضرت بلال کو حکم دیا کہ وہ اس فرض کو ادا کریں چنانچہ جب نماز کا وقت آتا تھا بلال بلند آواز سے

الصلوٰۃ جامعۃ

کہہ کر پکارتے اور لوگ جمع ہو جاتے اس دوران ایک صحابی عبداللہ بن زید انصاری کو خواب میں موجودہ اذان کے الفاظ سکھائے تھے آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ خواب خدا کی طرف سے ہے اور عبداللہ کو حکم دیا کہ بلال کو یہ الفاظ سکھا دیں جب بلال نے پہلی دفعہ اذان دی تو حضرت عمر اسے سن کر جلدی جلدی آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہی الفاظ میں نے خواب میں دیکھے ہیں ایک اور روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے مطابق وحی بھی ہو چکی ہے

(بحوالہ سیرت خاتم النبیین تصنیف حضرت مرزا بشیر احمد صاحب)

خدا تعالیٰ عرش پر بلال کی اذان سن کر خوش ہو جاتا ہے

حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:" دیر بعد جب خدا نے مسلمانوں کو مدینہ میں امن دیا تو رسول کریم ﷺ نے بلال کو اذان دینے کے لئے مقرر کیا یہ حبشی غلام جب اذان میں اشھد ان لا الہ الا اللہ کی بجائے اسھد ان لا الہ الا اللہ کہتا تو مدینہ کے لوگ جو اس کے حالات سے ناواقف تھے ہنسنے لگ جاتے ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اذان پر ہنستے ہوئے سنا تو آپ لوگوں کی طرف مڑے اور کہا تم بلال کی اذان پر ہنستے ہو مگر خدا تعالیٰ عرش پر اس کی اذان سن کر خوش ہوتا ہے آپ کا اشارہ اس طرف تھا کہ تمہیں تو یہ نظر آتا ہے کہ یہ" ش" نہیں بول سکتا مگر" س" اور" ش" میں کیا رکھا ہے خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ جب تپتی ریت پر ننگی پیٹھ کے ساتھ اس کو لٹا دیا جاتا تھا اور اس کے سینہ پر ظالم اپنی جوتیوں سمیت کودا کرتے تھے اور پوچھتے تھے کہ کیا اب بھی سبق آیا ہے یا نہیں؟ تو یہ اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان سے احد احد کہہ کر خدا

تعالیٰ کی توحید کا اعلان کرتا رہتا تھا اور اپنی وفاداری، اپنے توحید کے عقیدہ اور اپنے دل کی مضبوطی کا ثبوت دیتا تھا پس اس کا اسھد بہت لوگوں کے اشھد سے زیادہ قیمتی تھا" (دیباچہ تفسیر القرآن)

خانہ کعبہ کی چھت پر اذان

جب مکہ فتح ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر حضرت بلال نے اذان کہی یہ آپ کا بہت بڑا اعزاز ہے جس پر قیامت تک لوگ رشک کی نگاہ سے دیکھیں گے

آنسوؤں بھری داستان

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے 1980ء کے جلسہ سالانہ ربوہ پر بھی 27 دسمبر کے خطاب میں فرمایا

".. غالباً 1978ء میں جب میں لندن میں تھا Deliverence of Christ from the Cross پر ہماری کانفرنس تھی تو وہاں مجھے تحفہ دی ایک انگریز کی لکھی ہوئی کتاب۔ بلال۔ وہ کتاب پڑھ کر عجیب کیفیت ہوتی ہے دل کی میں نے بعض دوستوں کو کہا کہ یہ بڑی اچھی ہے پڑھنی چاہئے کہ ہمارے ایک نومسلم کمال ڈنمارک کے ہیں اس دفعہ بات ہورہی تھی تو کہنے لگے میں نے وہ منگوائی تھی انگلستان سے (وہ انگریزی جانتے ہیں) اور میں نے پڑھی اور میری آنکھوں میں آنسو آ گئے میں نے انہیں کہا کہ جب میں نے پڑھی میری بھی آنکھوں میں آنسو آئے وہ عجیب کتاب ہے...."

محمد رسول اللہ کی دعاؤں نے زندہ کیا

"..حضرت بلال وہ حبشی جس کی جلد کا ظاہر تو کالا تھا لیکن اندر سے اس قسم کا نور نکلتا تھا کہ آج شاید سارے امریکہ کے سفید فام کے نور کو اکٹھا کیا جائے تو تب بھی ایک ذرہ کے برابر نہ ہو اس کے مقابلے میں اور اتنی اچھی کتاب لکھی آپ بیتی کے رنگ میں۔ بلال کہتے ہیں مجھ پر یہ واقعہ گزرا مجھے میرے مالک نے (غلام تھے نا اسلام سے پہلے اور پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خریدا اور آزاد کیا) ریت پر لٹا دیا مجھے میرے سینے پر پتھر رکھا مجھے کوڑے لگائے میں بے ہوش ہو گیا اس وقت نیم بے ہوشی تھی کبھی میں پورا بے ہوش ہو جاتا تھا کبھی کچھ ہوش آ جاتی تھی نیم ہوش اس وقت کوئی شخص آیا اس نے میرا سودا کیا اور مجھے لے گیا اپنے گھر اور مجھے اپنے بچے کی طرح اس نے اپنے گھر میں رکھا اور کہتے ہیں اس وقت مجھے دھندلا سا یاد ہے کہ کوئی شخص میری چارپائی کے پاس مصلی بچھا کر نماز پڑھتا ہے کہتے ہیں مجھے یہ پتہ لگا کہ مجھے خریدنے والے حضرت ابوبکر تھے اور آزاد کرنے والے تھے تو ان سے میں نے پوچھا میرا خیال ہے نیم بے ہوشی کی حالت میں مجھے شبہ ہے یہ احساس ہوا کہ میرے قریب مصلی بچھا ہوا ہے اور کوئی شخص وہاں نفل پڑھ رہا ہے اس نے کہا تم نہیں جانتے کون تھا وہ میں نے کہا نہیں انہوں نے کہا وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے ان کی دعاؤں نے تمہیں زندہ کیا آسمانوں سے تمہارے لئے زندگی لے کے آئی ہیں وہ دعائیں ورنہ تمہاری حالت بچنے والی نہیں تھی

کہنے کو چھوٹا سا واقعہ ہے چھوٹا نہیں اس قدر پیار ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں انسان کے لئے خواہ وہ انسان زار روس ہے خواہ وہ انسان حبشی غلام کوڑے کھانے والا تپتی ریت پر لٹا کے اس کے اوپر پتھر رکھے جا رہے ہیں وہ ہے کوئی فرق ہیں کیا انسان، انسان میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے...."

(خطاب حضرت خلیفۃ المسیح الثالث جلسہ سالانہ ربوہ 27 دسمبر 1979ء)

اسلامی مساوات

اللہ تعالیٰ کی توحید کے قیام کے لئے ثابت قدم رہنا اور اسلامی مساوات کی نہایت اعلیٰ مثال حضرت بلال کا مبارک وجود ہے سلسلہ احمدیہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے 1970ء میں افریقہ کا دورہ فرمایا تاریخ میں کسی خلیفۃ المسیح کا افریقی ممالک کا یہ پہلا دورہ تھا اس دورے میں حضرت خلیفۃ المسیح نے اسلامی مساوات کے لئے حضرت بلال کی اعلیٰ مثال پیش فرمائی اور بعد میں بھی اس کے چرچے ہوتے رہے ایک موقع پر فرمایا"...محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا انسان نہ کسی ماں نے ویسا جنا نہ جن سکتی ہے اتنی عظمتوں والے انسان کے منہ سے قرآن کریم۔نے یہ کہلوایا " قل انما انا بشر مثلکم " اسلام کی صداقت کی بڑی دلیل ہے یعنی بطور بشر کے مجھ میں اور تم میں کوئی فرق نہیں.".۔ (افتتاحی خطاب جلسہ سالانہ ربوہ 1970ء)

آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا" اے لوگو تمہارا رب ایک ہے تمہارا باپ ایک ہے یاد رکھو کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر اور کسی

سرخ وسفید رنگ والے کو کسی سیاہ رنگ والے پر اور کسی سیاہ رنگ والے کو کسی سرخ وسفید رنگ والے پر کسی طرح کی کوئی فضیلت نہیں ہاں تقوی اور صلاحیت وجہ ترجیح اور فضیلت ہے" (مسند احمد بن حنبل)

حضرت بلال کی مثال

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے حضرت بلال کی مثال دیتے ہوئے فرمایا:

''بہر حال ایک حبشی جو مکہ کے پیراماؤنٹ چیف کا غلام تھا اور وہ اس کے ساتھ نفرت اور حقارت کے ساتھ پیش آتے تھے ان کے دلوں میں اس کی کوئی عزت نہیں تھی کسی قسم کی عزت کا اظہار ان سے نہیں ہوا کرتا تھا پھر خدا کا کرنا کیا ہوا کہ یہی حبشی غلام جوان کی نگاہوں میں بڑا ذلیل تھا اللہ تعالیٰ نے اسے نور دکھایا اور وہ اسلام لے آیا پہلے صرف نفرت اور حقارت تھی اب نفرت اور حقارت کے ساتھ ظلم بھی ہو گیا انہوں نے اس کو اس طرح اذیت پہنچائی کہ آج ہم سوچتے ہیں تو ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں پھر ایک مسلمان کو خیال آیا اس نے اسے خرید کر آزاد کر دیا اور وہ مسلمان معاشرہ کا ایک فرد بن گیا

مسلمان معاشرہ کا فرد تو ویسے اسلام لانے کے بعد ہی بن گیا تھا مگر غلامی کی زنجیروں کی وجہ سے عملاً مسلمان معاشرہ کا فرد نہیں بن سکا تھا پھر وہ بڑے سے بڑے مسلمان کو اس وقت چند ایک ہی سہی کیونکہ اس وقت رؤسائے مکہ میں چند ایک مسلمان ہو چکے تھے ان کے برابر ہو گیا اور وہ عملاً ان کی زندگیوں کے برابر تھا کوئی فرق نہیں تھا

فتح مکہ کے موقع پر انسانیت کا عظیم نظارہ

" پھر خدا تعالیٰ نے فتح مکہ کے موقع پر انسانیت کو وہ عظیم نظارہ دکھایا کہ دنیا کی تاریخ جس کی مثال نہیں لا سکتی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جھنڈا تیار کروایا (میں نے تصور کی نگاہ سے وہاں کا نقشہ اپنے ذہن میں لانے کی کوشش کی ہے) لوگ حیران ہوتے ہوں گے کہ ایک نیا جھنڈا کیوں تیار کروایا جا رہا ہے بہر حال ایک جھنڈا تیار کروایا اور فرمایا

یہ بلال کا جھنڈا ہے

آپ نے اس جھنڈے کو بلال کا نام دیا اور ایک جگہ اسے نصب کروایا اور پھر انہی رؤسائے مکہ کو فرمایا کہ جس شخص کو تم نفرت اور حقارت سے دیکھا کرتے تھے اور جس پر ظلم ڈھایا کرتے تھے آج اگر پناہ چاہتے ہو تو اس جھنڈے کے نیچے آ جاؤ.." ۔(خطبہ جمعہ 10 جولائی 1970ء)

حسین انتقام Sweet Revenge

آپ نے اس حکمت عملی کو حسین انتقام کا نام دیا فرمایا:

''فتح مکہ کے روز حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جھنڈا تیار کیا اور آپ نے اس جھنڈے کا نام بلال کا جھنڈا رکھا اور اس کو ایک مقام پر گاڑ دیا اور سرداران مکہ سے کہا کہ اگر تم امان چاہتے ہو تو اس شخص کے جھنڈے تلے جمع ہو جاؤ جس کو تم نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھا کرتے تھے اس طرح پر اس مظلوم بلال کا انتقام لیا ایک حسین انتقام جسے انگریزی میں sweet revenge سویٹ ریونج کہہ دیا کرتا تھا یہ میری اپنی اصطلاح ہے لیکن مجھے پسند ہے اب بھی میں دہرا دیتا ہوں یہ حسین اور پیارا اور میٹھا انتقام کہ ہم تمہیں ہلاک نہیں کرنا چاہتے لیکن بدلہ ضرور لیں گے بلال کے جھنڈے تلے آ جاؤ تا کہ اس بلال کی وجہ سے جس پر ظلم کر کے تم انسان انسان میں فرق کرنا چاہتے تھے اس بلال کو ہم مثال بنا دیں فرد اور فرد، انسان اور انسان کی تفریق کو دور کرنے کی۔''

خوشی کی لہر

جس وقت میں نے یہ واقعہ پہلی دفعہ سنایا تو اتنی خوشی کی لہر اس مجمع میں پھیل گئی کہ میرے کانوں نے وہ بھنبھناہٹ سنی جو خوشی کی وجہ سے فضا میں پیدا ہوئی تھی لوگوں نے بڑے جوش سے اپنی خوشی کا اظہار کیا ان میں غیر بھی تھے، پادری بھی تھے ایک موقع پر علاقے کے کیتھولک مشن کے سب سے بڑے پادری بھی موجود تھے.... میں نے اپنے افریقن بھائیوں سے کہا کہ وہ سب نبیوں کا سردار تھا اور تمام بنی نوع انسان کا فخر اور سب سے اعلیٰ اور ارفع تھا محمد رسول اللہ ﷺ جب اس نے قرآن کریم میں یہ اعلان کیا انما انا بشر مثلکم (الکھف:111)

کہ انسان ہونے کی حیثیت میں مجھ میں اور تم میں کوئی فرق نہیں اور تم میرے جیسے انسان" (خطبات ناصر جلد سوم صفحہ 111-112)

تلخی کی زندگی کو کر وصدق سے قبول

سیدنا بلال بن رباح الحبشی (580ء640ء) کی کہانی بڑی دردناک اور آپ کا مقام بہت بلند ہے اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ بلال کی پیدائش مکہ کی ہے لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان کو بچپن میں حبشہ سے اغوا کیا گیا اور غلام بنا کر مکہ کی منڈی میں بیچ دیا اور مکہ کے ایک رئیس امیہ بن خلف نے انہیں خرید لیا جیسا کہ اس تحریر میں درج ہے

A bducted as a child and enslsved by pagan
Bilal was native of ,Islamic Mecca_merchants in pre
while still ,As an adult .((now Ethiopia A b y s s i n i a
he was tutored in the new faith of Islam by,enslaved
convert and close associate , the merchant Abu Bakr
Abu Bakr evenyually .of the prophet Muhammad
and the former African , purchased Bilal's freedom
fighting for Islam against the ,slave became a worrior
. and paganism racism,forces of slavery

امیہ بن خلف قریش کے قبیلہ بنو جمح میں سے تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوی نبوت کے بعد قریش کے نو رؤساء نے بہت مخالفت کی ان میں سے یہ ایک تھا مکہ کے لوگ جوں جوں مسلمان ہو رہے تھے یہ لوگ آپ کی مخالفت میں اندھے ہو رہے تھے "امیہ بن خلف" عداوت اور شرارت میں ابوجہل کا مثل تھا

بدقسمتی سے بلال اس کا غلام تھا اور ان لوگوں میں سے تھا جنہیں بہت جلد اسلام لانے کی توفیق مل گئی اسلام دشمنی میں اس بد بخت نے آنحضرت ﷺ اور صحابہ کو بہت دکھ دیا اور اس کا غلام "بلال" مسلمان ہونے کے بعد اس کے انتہائی ظلموں کا نشانہ بنا یا حتی کہ حضرت ابوبکر نے انہیں خرید کر اس کے چنگل سے رہا کروایا ان مظالم کا تصور کر کے ہی انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں

احد احد یعنی اللہ ایک ہی ہے

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب سیرۃ خاتم النبیین میں امیہ بن خلف کے حضرت بلال پر مظالم کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: "بلال بن رباح امیہ بن خلف کے ایک حبشی غلام تھے امیہ ان کو دوپہر کے وقت جب اوپر سے آگ برستی تھی اور مکہ کا پتھریلا میدان بھٹی کی طرح تپتا تھا، باہر لے جاتا ننگا کر کے زمین پر لٹا دیتا اور بڑے بڑے گرم پتھر ان کے سینے پر رکھ کر کہتا لات اور عزی کی پرستش کرو اور محمد سے علیحدہ ہو جاؤ ورنہ اسی طرح عذاب دے کر ماردوں گا بلال زیادہ عربی نہ جانتے تھے بس صرف اتنا کہتے احد احد یعنی اللہ ایک ہی ہے اور یہ جواب سن کر امیہ اور تیز ہو جاتا اور ان کے گلے میں رسہ ڈال کر انہیں شریر لڑکوں کے حوالے کر دیتا اور وہ ان کو مکہ کی پتھریلے گلی کوچوں یں گھسیٹے پھرتے جس سے ان کا بدن خون سے تر بتر ہو جاتا مگر ان کی زبان پر سوائے احد احد کے اور کوئی لفظ نہ آتا حضرت ابوبکر نے ان پر یہ جور وستم دیکھے تو ایک بڑی قیمت میں خرید کر انہیں آزاد کر دیا" (سیرۃ خاتم النبیین صفحہ 140)

ایسے ہی لوگوں کے بارے حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں: "....اگر ان کے وجودوں کو ہاون مصائب میں پیسا جائے اور شکنجوں میں دے کر نچوڑا جائے تو ان کا عرق بجز حب الہی کے اور کچھ نہیں"۔ (سرمہ چشم آریہ)

امیہ بن خلف کا انجام

ہجرت مدینہ کے بعد قریش مکہ نے بدر کے میدان میں نہتے مسلمانوں پر حملہ کر دیا جس میں قریش کے بڑے بڑے معاندین جو آنحضرت ﷺ اور کمزور مسلمانوں کو دکھ دیا کرتے تھے مارے گئے خلف بن امیہ کی موت کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے مکہ میں ہی پیشگوئی فرما دی تھی جسے سن کر وہ ڈر گیا تھا اس وجہ سے وہ مکہ سے باہر نہیں نکلتا تھا بدر کے موقع پر اسے مجبورا مکہ سے نکلنا پڑا اور وہیں وہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے قتل ہو کر اپنے کیفر کردار کو پہنچا خدائے منتقم نے بلال پر مظالم کا بدلہ اس طرح لیا کہ امیہ کا قتل بلال کے ہاتھوں ہوا بدر کے میدان میں جب لشکر قریش پسپا ہو رہا تھا امیہ بن خلف نے اپنے جاہلیت کے دوست حضرت عبد الرحمن بن عوف کے پاس پناہ ڈھونڈی جس کا اس کے ساتھ یہ معاہدہ تھا کہ وہ ایک دوسرے کی حفاظت کریں گے لیکن جوں ہی حضرت بلال کی نظر اس پر پڑی انہوں نے شور مچا دیا کہ دیکھو یہ رآس الکفر بچ کر نکلا جا رہا ہے جس پر چند انصاریوں نے اس کا پیچھا کیا اور اس کے ساتھ لڑ کر اسے مار گرایا بلکہ اسے بچاتے ہوئے حضرت عبد الرحمن بن عوف بھی کسی قدر زخمی ہو گئے (بخاری)

ایک دفعہ سلمان اور صہیب اور بلال وغیرہ جو آزاد شدہ غلام تھے ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے ان کے سامنے سے ابوسفیان گزرا تو انہوں نے آپس میں کہا

کہ یہ خدا کا دشمن خدا کی تلوار سے بچ گیا ہے حضرت ابوبکر نے ان کی یہ بات سنی تو انہیں فہمائش کی اور کہا کہ کیا تم قریش کے سردار کے متعلق ایسی بات کہتے ہو اس کے بعد ابوبکر آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا عرض کیا آپ نے فرمایا ابوبکر تم نے بلال وغیرہ کو کہیں ناراض تو نہیں کر دیا اگر تم نے انہیں ناراض کیا ہے تو ان کی ناراضگی خدا کی ناراضگی ہے حضرت ابوبکر فورا بلال وغیرہ کے پاس واپس آئے اور کہا

بھائیو تم میری بات پر ناراض تو نہیں ہوئے انہوں نے کہا نہیں بھائی ہم ناراض نہیں ہوئے فکر نہ کرو (بحوالہ سیرۃ خاتم النبیین)

بلال کامیاب ہو گیا

قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کے روحانی سفر کے دو واقعات بیان ہوئے ہیں۔اسرائ۔معراج۔حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ اسرائ کی رات جنت میں رسول اللہ نے ایک آواز سنی اور جبریل سے پوچھا یہ کیا ہے ۔ انہوں نے کہا آپ کے مؤذن بلال ہیں ۔ نبی کریم نے اس سفر سے واپس تشریف لا کر فرمایا

''بلال کامیاب ہو گیا ۔میں نے اس کے لئے یہ دیکھا ہے''

(مسند احمد بحوالہ سیرت صحابہ رسول تصنیف حافظ مظفر احمد)

سیدنا بلال کی متفرق خدمات

حضرت بلال سے خدا تعالیٰ نے بڑی بڑی قابل رشک خدمات لیں آپ تمام غزوات النبی میں شامل ہوئے آپ رسول اللہ کے معتمدین خاص میں سے تھے آپ رسول اللہ کے خزانچی اور اکاؤنٹنٹ بھی تھے صدقات کے اموال آپ کے پاس جمع ہوتے اور آپ ان کا حساب کتاب رکھتے آپ رسول اللہ ﷺ کے محافظ اور پہرہ دار بھی تھے مختلف مواقع پر وفود کی اُمد پر یا عیدین کے مواقع پر آپ نیزہ لے کر رسول اللہ کے آگے آگے ہوتے تھے عیدگاہ میں رسول اللہ کی جائے نماز کے آگے نیزہ بطور ستر گاڑا کرتے تھے آپ آنحضرت ﷺ کو نماز کے لئے بلا کر لاتے تھے آنحضرت ﷺ جب کبھی اُپ کو بلاتے آپ اس طرح اپنی جگہ سے اٹھ کر جاتے جیسے ایک پرندہ اڑا کرتا ہے آپ آنحضرت کی محبت اور اطاعت میں سرشار رہتے تھے اس طرح ساری عمر آپ کو آنحضرت کی قربت حاصل رہی

لکھا ہے حضرت بلال آنحضرت ﷺ کے امور خانہ کے مہتمم تھے

(محمد رسول اللہ مؤلفہ محمد رضا قاہرہ)

خانہ کعبہ کے اندر نماز شکرانہ

فتح مکہ کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو کئی اعزاز عطا فرمائے رسول اللہ ﷺ نے آپ کو خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دینے کا موقع دیا یہ وہی شہر تھا جہاں آپ گرم پتھروں کے نیچے کوڑے کھاتے ہوئے توحید اور رسالت کا اعلان کرتے تھے فتح مکہ کے موقع پر آپ نے اپنی بلند اور پر شوکت آواز کے ساتھ مکہ کے تمام باسیوں تک اذان کے کلمات پہنچائے

خانہ کعبہ میں خدا تعالیٰ کے وعدوں کے پورا ہونے کے شکریہ کے طور پر آنحضرت ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی اور بلال آپ کے ساتھ تھے سیرۃ ابن ہشام میں لکھا ہے بلال آپ کے ساتھ تھے آنحضرت نماز پڑھ کر باہر نکل آئے لیکن بلال اندر ہی تھے جب عبداللہ بن عمر اندر داخل ہوئے انہوں نے دریافت کیا کہ رسول اللہ نے کس جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھی چنانچہ جب وہ خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوتے تھے منہ سامنے رکھتے اور دروازہ پشت کی جانب ہوتا ان کے اور خانہ کعبہ کی سامنے کی دیوار کے درمیان صرف تین ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا اور نماز پڑھتے عبد بن عمر کو بلال نے رسول اللہ کے نماز پڑھنے کی جگہ بتائی تھی اس جگہ نماز ادا کرتے (ابن ہشام صفحہ 490)

حجۃ الوداع

سن 10 ھ میں آنحضرت ﷺ نے آخری حج ادا فرمایا اس تاریخی موقعہ پر بھی (حضرت اسامہ بن زید اور) حضرت بلال آپ کے ساتھ خدمت پر مامور تھے صحابہ نے دیکھا اور بیان کیا کہ ایک نے آپ کی اونٹنی کی باگ پکڑی ہوئی تھی اور دوسرے نے کپڑے کے ساتھ آپ کو دھوپ سے سایہ کیا ہوا تھا حضور کے خطبہ حج کے دوران حضرت بلال لوگوں کو خاموش کرانے کی ڈیوٹی پر فائز تھے (بحوالہ سیرت صحابہ رسول)

رسول اللہ ﷺ کا وصال

آنحضرت ﷺ کا 12 ربیع الاول 11 ھ کو وصال ہوا روایت ہے کہ

آنحضرت کے وصال کے بعد آپ کی تدفین سے پہلے حضرت بلال اذان دے رہے تھے جونہی انہوں نے کلمۂ اشھد ان محمد رسول اللہ کہا تو لوگوں کی آہ وبکا کی گونج سے مسجد نبوی لرز اٹھی

(محمد رسول اللہ تالیف محمد رضا قاہرہ)

کہتے ہیں کہ آنحضرت کے وصال کے بعد حضرت بلال نے اذان کہنی چھوڑ دی آپ وہ شخصیت تھے جنہیں اسلام کے پہلے موذن ہونے کا منفرد اعزاز حاصل ہوا آنحضرت ﷺ کی حیات مبارکہ میں عمر بھر سفر وحضر میں آپ ہی اذان دیتے رہے لیکن آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ان کی برداشت سے باہر تھا کہ وہ اذان میں اشھد ان محمد رسول اللہ کہیں اور آنحضرت آپ کو نظر نہ آئیں

ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری
کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری
اذان ازل سے تیرے عشق کا ترانہ بنی
نماز اس کے نظارے کا اک بہانہ بنی

بیت المقدس کی فتح اور بلال کی اذان

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں 15 ھ میں بیت المقدس فتح ہوا حضرت ابوعبیدہ اس وقت اسلامی افواج کے سپہ سالار اعظم تھے اور حضرت خالد بن ولید بھی ان کے ساتھ تھے وہاں کے بڑے پادری بطریق نے اس شرط پر ہتھیار ڈالنے اور جزیہ دینے کی پیشکش کی کہ خلیفہ وقت حضرت عمر خود آ کر معاہدے پر دستخط کریں چنانچہ حضرت عمر تشریف لائے حضرت عمر کی بیت المقدس میں آمد ایک عظیم واقعہ تھا مسلم افواج نے آپ کو دیکھ کر بہت خوشیاں منائیں حضرت عمر کے ساتھ بلال بھی تھے جو آنحضرت کی زندگی میں مسجد نبوی میں اذان دیا کرتے تھے اور آنحضرت کی وفات کے بعد پھر انہوں نے کبھی نہ دی یہاں صحابہ نے خواہش ظاہر کی کہ حضرت بلال اذان دیں حضرت عمر کے ارشاد پر بلال نے اذان دی مسلمانوں کے آنکھوں کے آگے رسول اللہ کا زمانہ آ گیا اکثر آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور دل رسول اللہ ﷺ کی یاد میں تڑپ اٹھے آنحضرت کی یاد میں بلال خود اس قدر زار وقطار روئے کہ اس سے قبل کبھی اتنے روتے ہوئے نہ دیکھے گئے تھے

خواب میں زیارت رسول

لکھا ہے بلال شام میں تھے تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خواب میں زیارت کی کہ آپ فرما رہے ہیں "اے بلال یہ کیا بے وفائی ولا پرواہی ہے کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم ہماری زیارت کے لئے آؤ۔"

جب بیدار ہوئے تو غمگین اٹھے اور سوار ہو کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے نبی کریم کی قبر مبارک پر حاضر ہوئے اور وہاں روتے اور مرغ بسمل کی طرح زمین پر لوٹ پوٹ ہوتے رہے

مسجد نبوی کی چھت پر اذان

ادھر سے حضرت حسن اور حضرت حسین علیہما السلام آ نکلے تو فرط محبت سے انہیں بوسہ دیتے اور بغل میں دباتے رہے

انہوں نے ان سے فرمائش کی کہ آپ فجر کی اذان دے سکتے ہیں۔۔امتثال امر میں صبح کو حضرت بلال مسجد کی چھت پر چڑھ کر اذان دینے لگے جب انہوں نے اللہ اکبر اللہ اکبر کہا تو شہر مدینہ سامعین کی آہ وبکا سے گونج اٹھا جب انہوں نے اشھد ان لا الہ الا اللہ کہا تو یہ گونج زیادہ شدید ہو گئی جب انہوں نے اشھد ان محمد رسول اللہ کہا تو عودتیں پردوں سے باہر نکل آئیں حال یہ تھا کہ اس دن جس طرح مرد وزن دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے اس سے پہلے کبھی ایسا رقت انگیز منظر دیکھنے میں نہ آیا تھا

(محمد رسول اللہ تصنیف محمد رضا قاہرہ)

نام محبوب پر ہی جاں دے دی عشق تو حضرت بلال کا تھا

سرداران قریش پر فضیلت

سہیل بن عمرو سے روایت آتی ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر کے عہد خلافت میں وہ اور ابوسفیان اور بعض دوسرے رؤسا مکہ جو فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئے تھے حضرت عمر کو ملنے کے لئے گئے اتفاق سے اسی وقت بلال اور عمار اور صہیب۔وغیرہ بھی حضرت عمر سے ملنے کے لئے گئے یہ وہ لوگ تھے جو غلام رہ چکے تھے اور بہت غریب تھے مگر ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے ابتدا میں اسلام قبول کیا تھا۔حضرت عمرؓ کو اطلاع دی گئی تو انہوں نے بلال وغیرہ کو پہلے

ملاقات کے لئے بلایا ۔ ابوسفیان نے جس کے اندر غالبا ابھی تک کسی قدر جاہلیت کی رگ باقی تھی ۔ یہ نظارہ دیکھا تو اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی ؛ چنانچہ کہنے لگا" یہ ذلت بھی ہمیں دیکھنی تھی کہ ہم انتظار کریں اوران غلاموں کو شرف ملاقات بخشا جاوے" سہیل نے فوراسامنے سے جواب دیا کہ" پھر یہ کس کا قصور ہے محمد صلی ﷺ نے ہم سب کو خدا کی طرف بلایا لیکن انہوں نے فورا مان لیااور ہم نے دیر کی پھران کوہم پرفضیلت حاصل ہو یانہ

(سیرۃ خاتم النبیین صفحہ 369)

مسلمانوں کا سردار

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں حضرت بلال کی وفات دمشق میں سن 20 ھ میں ہوئی وفات کے وقت آپ کی عمر 60 سال تھی حضرت عمر کو آپ کے ساتھ اس قدر محبت تھی کہ حضرت عمر نے فرمایا" آج مسلمانوں کا سردار گزر گیا ہے" آپ فرمایا کرتے تھے ابوبکر سیدنا واعتق سیدنا بلالا ابوبکر ہمارے آقا تھے ہمارے سردار تھےاورانہوں نے سیدنا بلال کوآزاد کیا تھا

(بخاری کتاب المناقب)

سیدنا بلال کا مزار

سیدنا بلال شہر دمشق میں 20 ھ میں فوت ہوئے اور باب صغیر میں دفن کئے گئےان کی عمر ساٹھ سال سے کچھ اوپر ہوئی

ایک روایت یہ ہے کہ وہ شہر حلب میں فوت ہوئے اور وہیں باب اربعین میں دفن کئے گئے (بحوالہ محمد رسول اللہ)

وکی پیڈیا کے مطابق

He is believed to have been buried in the BAB AL-SAGHIR CEMETERY,DAMASCUS(SYRIA. (However ,there exists another shrine, believed to be the burial of Bilal, near a small village called al-Rabahiyya, in Amman, Jordan

اے خدا بر تربت او ابر رحمتہا ببار
داخلش کن از کمال فضل در بیت النعیم



وجہ قتل: احمدی ہونا

راشد احمد

مولانا فضل الرحمان سے لے کر علی محمد خان تک سارے سیاستدانوں کو مبارک ہو، ان کا احمدی کارڈ مسلسل رنگ لا رہا ہے۔ایک اوراحمدی کو تہ تیغ کر دیا گیااور ہمیشہ کی طرح خنجر پہ کوئی داغ نہ ہی کسی دامن پہ کوئی چھینٹ۔بس ایک اورسہاگ اجڑا، تین معصوم یتیم ہوئے اور والدین کے ناتواں کندھے مزید جھک گئے۔قاتل اوراس کے سہولت کار اگلا شکارڈھونڈنے نکل کھڑے ہوئے ہیں اورسلامتی کے ادارے حسب دستور وروایت کاغذی کارروائی تک محدود۔ احمدیوں کے لیے ملک میں امن اورسلامتی کا مطلب ایک گردن زنی سے دوسری تک کا وقفہ رہ گیا ہے۔

پنجاب کے ضلع اوکاڑہ کے علاقے ایل پلاٹ میں جماعت احمدیہ کے چند گھر ہیں۔آس پاس ایک نامور شدت پسند مذہبی گروہ کی اکثریت ہے جنہیں ریاستی اداروں نے بہت چاؤ اور مان سے پالا ہے۔اس گروہ کے کرتا دھرتا مسلسل احمدیوں کو ہراساں کرتے چلے آرہے ہیں، لیکن جنہیں لفافوں میں نوٹ ملتے ہوں ان کے خلاف کارروائی کی جرات کسے، نتیجہ آئے روز احمدیوں کی لاشوں کی صورت نکلتا ہے۔اس علاقے کے چند گھروں میں سے ایک گھر 35 برس کے ایک گبھرو جوان عبدالسلام کا تھا جو اپنے والدین اور بیوی بچوں کے ساتھ مدت مدید سے یہاں مقیم تھے۔

17 مئی کی شام کودروازے پہ دستک ہوئی۔وجہ پوچھی گئی تو بتایا گیا کہ پانی کا کنیکشن ٹھیک کرنا ہے باہر تشریف لائیے۔جیسے گھروں میں ہوتا ہے ایسا موقع بچوں کے لیے موجب تفریح ہوتا ہے، چنانچہ عبدالسلام کے بچوں نے بھی ساتھ باہر جانے کی خواہش کی۔تین برس کے بیٹے کوانہوں نے اٹھایا ہوا تھا، جبکہ پانچ برس کا بیٹا باپ کی انگلی تھامے کھڑا تھا۔معصوم بچوں کو کیا خبر تھی کہ وہ جس موقع کو تفریح سمجھ کر نکلے ہیں، وہی ان کے باپ کے لیے موت کا پیغام بن جائے گی۔

ایل پلاٹ کے ایک مدرسے میں گزشتہ دن ہی حفظ قرآن کے کورس سے چند طلبہ فارغ التحصیل ہوئے تھے۔استاد نے الوداعی تقریر میں احمدیوں کی خبر

لینے کی تلقین کی۔ حسبِ سابق انہیں ملک و ملت کا غدار اور یہود و ہنود کی سازش بتایا گیا اور حکومت کے ساتھ ساتھ اہلِ ایمان سے بھی احمدیوں سے نپٹنے کی تلقین کی گئی کہ یہ راستہ نان اسٹاپ فردوس کو نکلتا ہے۔ حافظ علی رضا اس تقریر کے بعد ایمانی جذبے سے نہ صرف سرشار ہو گیا بلکہ اس نے اپنے ذہن میں فوری منصوبہ بھی بنالیا کہ احمدیوں کے ایک تنظیمی عہدیدار کو کیسے "جہنم واصل" کر کے جنت کمانی ہے۔

مدرسے سے فراغت کے بعد سیدھا بازار کا رخ کیا۔ تیز دھار خنجر خریدا اور اسے آب دار کرنے کے بعد اگلے دن کی پلاننگ میں جت گیا۔ اس کی نظر ایل پلاٹ کے ایک معروف احمدی عبدالسلام پہ تھی۔ عبدالسلام ایک معروف احمدی ہونے کے ساتھ سماجی طور پہ بھی نمایاں تھے۔ اعلی اخلاق کی بدولت ان کی دوستی ہر طبقے کے لوگوں سے تھی، اس لیے حافظ علی رضا کو انہیں ٹارگٹ کرنے میں کوئی دشواری پیش ہوتی نظر نہیں آ رہی تھی۔ حافظ علی رضا نے اپنے ایک قریبی دوست کو اعتماد میں لیا اور اس کے ساتھ منصوبہ بنایا کہ کیسے عبدالسلام کو گھر سے باہر بلانا ہے اور باتوں میں لگانا ہے اور وہ پیچھے سے وار کرے گا۔ منصوبہ پایہ تکمیل کو پہنچا تو دونوں دوست گھروں کو روانہ ہوئے اور اگلے روز شام کو ملنے کا وقت طے کیا۔

عبدالسلام صاحب گھر سے باہر تشریف لائے تو یہ ایک ٹھنڈی ہوتی شام تھی۔ چھوٹے بیٹے کو انہوں نے بانہوں میں اٹھایا ہوا تھا جبکہ بڑا بیٹا انگلی تھامے کھڑا تھا۔ ابھی وہ صورت حال کا جائزہ ہی لے رہے تھے کہ مدرسے کی تربیت علی رضا کے کام آئی اور اس نے پیچھے سے آ کر خنجر کے پے در پے وار کیے۔ عبدالسلام اپنے بیٹے سمیت نیچے گر گئے تو قاتل نے سینے پہ مزید وار کیے تا کہ جنت میں اپنا مکان مزید اونچا کر سکیں۔ اسی اثنا میں عبدالسلام کے بیٹے بھی چھری لگنے سے زخمی ہو گئے۔ قاتل نے واردات مکمل کی اور فرار ہو گیا۔ عبدالسلام زخموں کی شدت کی تاب نہ لاتے ہوئے موقع پہ ہی جاں بحق ہو گئے۔ آپ المیہ دیکھیے اس خون ناحق پہ اگر ایک خاص لفظ استعمال کر لیا جائے تو تین برس کے لیے قید ہو سکتی ہے۔

قاتل گرفتار ہو بھی جائے تو اس سوچ کی گرفتاری کیونکر ہو گی جس کی وجہ سے ایک تازہ فارغ التحصیل طالب علم ایک آدمی کی جان لینا قطعاً کوئی جرم اور گناہ خیال نہیں کرتا، الٹا اسے باعث ثواب سمجھتا ہے۔ جب تک یہ سوچ اور اس کے خالق و مالک باقی ہیں احمدیوں کو مزید خون دینے کو تیار رہنا چاہیے۔ ریاست اور ریاستی اداروں کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کیسے ایک مذہبی اقلیت کی زندگیاں اجیرن کر دی گئی ہیں، زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پہ تنگ کر دی گئی ہے۔

ہر آئے دن کوئی سیاسی "رہنما" احمدی کارڈ کھیلتا ہے، اپنے مذموم مقاصد حاصل کرتا ہے اور لوگ جان سے چلے جاتے ہیں۔ عبدالسلام کا قتل محض ایک فرد کا قتل نہیں ہے۔ یہ بہت سی آرزوؤں اور خواہشات کا خون ہے۔

والدین کی آنکھیں اب اس اُمید کو کبھی دیکھ نہیں سکیں گی جسے وہ اپنے بڑھاپے کا سہارا سمجھتے تھے۔ وہ بیوہ کبھی اس صدمے سے باہر نہیں آ سکے گی، جس کی محبت اور جس کا سہاگ ہمیشہ کے لیے مذہبی منافرت کی بھینٹ چڑھ گیا۔ وہ تین معصوم بچے کبھی بھی اپنے والد سے لاڈ نہیں کر سکیں گے اور مدتوں والدہ سے پوچھتے رہیں گے کہ ہمارے ابو کب آئیں گے؟۔ انہیں کہانی سناتے ہوئے والدہ کی آنکھیں مسلسل نم رہیں گی اور کچھ بھی پہلے جیسا نہیں رہے گا۔

نہ وہ تم بدلے نہ ہم طور ہمارے ہیں وہی
فاصلے بڑھ گئے پر قرب تو سارے ہیں وہی

❁❁❁❁❁❁

کچھ ہو گئے فرعون، کچھ ہامان ہو گئے

ضیاء اللہ مبشر

کچھ ہو گئے فرعون، کچھ ہامان ہو گئے
جنت بدر ہوئے تو کیا انسان ہو گئے
فطرت پہ اپنی جن کو بنایا خدا نے آپ
بندے وہ اُس خدا سے ہی انجان ہو گئے
یزداں سے بول چال پہ پہرے بٹھا دیے
پھر مردہ روح، جسم بھی بےجان ہو گئے
جب تیرگی کے سائے زمانے پہ چھا گئے
اوجھل زمیں سے نور کے فاران ہو گئے
ہلچل مچی پھر عرش پہ، رحمت کے در کھلے
اور آمدِ مسیح کے سامان ہو گئے

❁❁❁❁❁❁



ایک عجیب واقعہ

ادارہ

مکرم چوہدری عبدالعزیز صاحب اپنی خودنوشت "یادِ حبیب" میں پاکستان کے ابتدائی زمانہ میں سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے دورہ سندھ میں ہونے والے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ایک عجیب واقعہ جو دوران سفر پیش آیا وہ عرض کرتا ہوں۔ اس وقت تو کچھ ایسے محسوس نہ ہوا مگر بعد میں جوں جوں زمانہ کو دیکھا اور حالات پر غور کیا توں توں حضورؓ کی شانِ غنی اور توکل الی اللہ پر یقین بڑھتا گیا اور اب تک اس واقعہ کا اثر ہے۔ کراچی سے کچھ مہمان حضور کی ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ ان کے اعزاز میں عصر کے بعد ایک ٹی پارٹی کا اہتمام حضورؓ نے اپنے ناصر آباد والے باغ میں کروایا۔ جس کے آم اتنے لذیذ اور خوش ذائقہ ہیں کہ بڑے بڑے لوگ ہر موسم میں منتظر رہتے ہیں کہ کب یہ موسم آئے تو ہم حضورؓ کی طرف سے آموں کا تحفہ وصول کریں۔ یہ عرض کرتا چلوں کہ حضور کی طرف سے ایک لسٹ ہر سال مینیجر ناصر آباد کو بھجوادی جاتی کہ فلاں فلاں کو آموں کا تحفہ بھجوا دیا جائے۔ پاکستان کے چوٹی کے سیاسی لیڈر اور دیگر معززین کو فہرست کے مطابق آموں کی پیٹیاں بھجوادی جاتی تھیں۔

جب چائے کی تقریب کا اہتمام اس باغ میں کیا گیا کچھ مجلس ہوئی۔ خوردو نوش کے بعد ایک صاحب اٹھے۔ انہوں نے سونے کا ایک میڈل حضورؓ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضورؓ نے استفسار فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی یہ حبیب بنک سے جب چاہیں اور جتنا کیش چاہیں حاصل کر سکتے ہیں۔ اس میں آپ کے اکاؤنٹ کی ضرورت نہیں۔ صرف یہ میڈل ہی کافی ہے۔ پھر انہوں نے عرض کی کہ حضور یہ میڈل صرف چھ سات افراد کے پاس ہی ہے جو اس بنک کے مالک ہیں اور انہوں نے عرض کی کہ آپ نے اس بنک پر اس وقت احسان کیا تھا جب ہم نے اس کو شروع کیا۔ ہماری مدد کے لئے اس وقت کوئی مسلمان لیڈر آگے نہیں ایا۔ ہم نے سارے انڈیا میں بڑی کوششیں کی



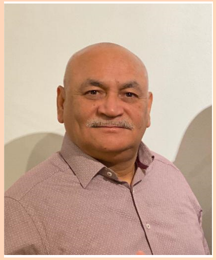
تھیں۔ تب ہم قادیان میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ہماری خواہش پر اپنی طرف سے ہماری مدد فرمائی اور پھر اپنی جماعت کو بھی ہدایت فرمائی کہ یہ مسلمانوں کا پہلا بنک ہے اس کی ہر ممکن مدد کریں۔ آپ کی دعا اور تعاون سے آج یہ بنک پاکستان میں مضبوط بنیادوں پر قائم ہو چکا ہے مگر آپ ہجرت کر کے خالی ہاتھ وہاں سے آئے ہیں آپ کو ضرورت ہوگی۔ اس لئے یہ میڈل آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ نیز عرض کیا آپ ربوہ ایک ایسی جگہ آباد کر رہے ہیں اگر وہاں یا کسی اور جگہ صنعت کے میدان میں کوئی کارخانہ لگانا چاہیں تو جس قدر مالی امداد کی ضرورت ہو وہ آپ کی خدمت میں پیش کی جائے گی۔ وہ دوست سیٹھ حبیب تھے جو حبیب بنک کے بانی تھے۔ کچھ دیر مجلس رہی پھر انہوں نے واپسی کے لئے اجازت اور رخصت چاہی۔ جب حضور الوداع کرنے گئے تو حضور نے فرمایا۔ ٹھہریں ہم اپنے مہمان کو خالی ہاتھ نہیں بھجوانا چاہتے۔ پھر وہی میڈل آپ نے ان کو دے دیا اور فرمایا آپ کا تحفہ مجھے مل گیا اور ہم اب یہ آپکو دے رہے ہیں۔ وہ کچھ پریشان ہوئے کہ یہ کیا ہوا۔ حضورؓ نے فرمایا ہمارا خدا ہماری سب ضرورتیں پوری کرتا ہے اور کبھی وہ وقت نہیں آیا جب اس نے ہماری ضرورت پوری نہ کی ہو۔ اس میڈل کو لے کر میں اپنے خدا کے احسانوں کی ناشکری نہیں کرسکتا۔ یہ بھی ایک شرک مخفی ہوگا کہ اس سے ہم اپنی ضرورت پوری کریں۔ ہمارا خدا ہمارا ضامن ہے وہ ہماری سب ضرورتیں پوری کرتا ہے۔ اس لئے میں آپ کا تحفہ شکریہ کے ساتھ اور محبت بھرے جذبات کے ساتھ آپ کو پیش کر رہا ہوں۔ رہا سوال صنعت کے لئے روپیہ کا حصول تو ہم کو خدا نے اس کام کے لئے بنایا ہی نہیں۔ ہمیں خدا کا نام ساری دنیا میں پھیلانا ہے اور دن رات اسی فکر میں رہتے ہیں۔

اللہ اللہ کس قدر پختہ یقین ہے خدا پر۔ دنیا دار حصولِ زر کے لئے آج کیا کچھ نہیں کر رہے۔ بنکوں سے قرضے پہ قرضے لے کر ہضم کر جاتے ہیں اور واپس نہیں کرتے۔ اور ایک خدا کا بندہ ہے دولت گھر پر آتی ہے مگر اس دولت پر نظر نہیں۔ نظر ہے تو اس خدا پر جو ساری کائنات کا رازق ہے۔ (صفحہ 46 تا 48)



موّحد بمقابلہ مشرک

طارق بلوچ



پچھلے دنوں روزنامہ جنگ میں رضا علی عابدی کے کالم" دیکھا ہندوستان ۔سر دھنا کیا سے کیا ہوگیا" میں بھارتی فوج کے لیفٹیننٹ جنرل ضمیر الدین شاہ کے متعلق پڑھا کہ وہ فوج کے اعلیٰ منصب سے فارغ ہوکر تعلیم کے میدان میں اُتر آئے، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہوئے اور یہ اُن ہی کی تحریک تھی کہ وسائل کو فضول میں اُڑانے کی بجائے یہ ساری رقم تعلیم پر لگائی جائے۔ بقول عابدی صاحب "میں نے اُس روز اپنے آس پاس سرسید احمد خان کی سانسیں سُنیں"!!! جبکہ اِدھر عین اُس روز یہ کالم پڑھنے کے بعد اس عاصی کی یہ کیفیت کہ گوئم مشکل وگرنہ گوئم مشکل! یادوں اور خیالوں کا ایک تُند ریلا مجھے بہت دُور بہا کر لے گیا۔ میں سوچنے لگا، پاکستان جو کبھی اسی مہا بھارت کا حصّہ اور جس میں صدیوں سے سب مذاہب کے لوگ نسل در نسل جیسے تیسے ایک ساتھ رہتے چلے آرہے تھے، مگر پھر کیا ہوا کہ وقت نے انگڑائی لی اور مسلمانوں نے اپنے تلخ و شیریں تجربات کی روشنی میں اپنا الگ وطن بسانے کا فیصلہ کیا۔اور پھر خوبیٔ قسمت سے ایک روز برصغیر کی سب سے بڑی اقلیت نے بالآخر اپنے خواب کی تعبیر پالی۔ قافلۂ حریت ساحلِ مُراد سے ہمکنار ہوا۔ یُوں تو اُس تحریک آزادی کے بہت سارے عوامل تھے مگر اُس کا مرکزی نکتہ ایک ہی اور یہی تھا کہ ہم موّحد، اکثریتی آبادی مشرک، ہم خدائے واحد کے اور وہ بتوں کے پُجاری ہیں۔ایسی سب باتوں کو اصغر سودائی نے ایک نعرے میں سمو کر جدو جہد آزادی میں جان پیدا کردی۔ دریا کو کوزے میں بند کردیا۔ پاکستان کا مطلب کیا لاَ الہ الا اللہ۔مگر آہ! آج اُنہی "مشرکوں" کا دیس مقابلتاً کہاں سے کہاں پہنچ گیا اور ہم "موّحد" جو اپنا سب کچھ تیاگ کر الگ اور ایک ساتھ آزاد ہوئے تھے، بدستور بیچ منجدھار میں پھنسے غیر ملکی اقتصادی اور فوجی امداد کے سہارے اپنی بقاء کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ باوجودیکہ اَب ہمارے کندھوں پر مکمل نہیں، صرف نصف ملک کا بُوجھ ہے۔اور جو "بُوجھ" ہم نے اُتارا تھا وُہ (بنگلہ دیش) بھی ہم سے آگے نکل گیا، اتنا کہ اَب اِدھر کے سرمایہ دار یہ سوچ کر اُدھر کا رُخ کرتے ہیں کہ وہاں مذہبی تعصّب یا بھتے کی خاطر پاکستان چپ بورڈ فیکٹری جہلم اور بلدیہ ٹاؤن کراچی ایسی کسی فیکٹری کو سینکڑوں مزدوروں سمیت جلایا نہیں جاتا!

بات بھارتی جنرل کے ذِکر سے شروع ہوئی تھی، جو مجھے یُوں حیراں کر گئی کہ ہندو ملک، ہندو فوج اور اُس میں ایک مسلمان لیفٹیننٹ جنرل؟ یہ سب کچھ پڑھ کر میرا فوری دھیان اپنے پاک ملک، پاک فوج کی طرف چلا گیا اور ساتھ ہی تین سال قبل شائع ہونے والی احمد نورانی کی ایک رپورٹ یاد آ گئی جو کچھ یُوں تھی۔

"پاکستان میں لوگوں کو متنازع بنا کر اِن سے چھٹکارا حاصل کرنا معمول بن چکا ہے کہ مخالفت یا پھر کسی فائدے سے محروم کرنے یا پھر سبق سکھانے کے لئے کسی کو بھی غدار یا قادیانی قرار دے دیا جائے۔

اس کے پیچھے بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ ایسا کوئی الزام عائد کردیا جائے اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے اِسے متنازع بنا دیا جائے۔۔۔۔سینئر فوجی ذرائع کا کہنا ہے کہ یہ غیر نوشتہ اصول بن چکا ہے کہ قادیانی کمیونٹی سے تعلق رکھنے والا کوئی بھی شخص لیفٹیننٹ جنرل کے عہدے پر نہیں پہنچ سکتا کیونکہ اس موضوع کے حوالے سے عام عوام میں پائے جانے والے معاملات کی حساسیت کی وجہ سے کئی چیک نافذ کئے گئے ہیں۔۔۔کسی بھی تربیت یا پھر کورس میں شمولیت کے لئے تقریباً ہر سال ہر مسلم افسر کو ایک فارم پُر کرنا ہوتا ہے جس میں اس افسر کو واضح الفاظ میں بتانا ہوتا ہے کہ وُہ ختم نبوت پر یقین رکھتا ہے اور قادیانی کمیونٹی سے تعلق نہیں رکھتا۔۔۔۔۔۔۔پروفیسر ساجد میر کے بیان کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ

مذکورہ جرنیل (سپہ سالار جنرل باجوہ) یا اُن کے اہلِ خانہ کا قادیانی کمیونٹی سے کوئی تعلق نہیں۔۔۔۔

(روزنامہ جنگ 26 نومبر 2016ء صفحہ اوّل)

اس اعترافِ حقیقت کے ساتھ ہی یوں تو ایسے بے شمار امتیازی واقعات اس تارکِ وطن کی گزرگاہ خیال میں دُوڑے چلے آئے مگر ایک واقعہ جو مُوضوع سے بھی لگا کھاتا ہے، فوراً ہی یادوں کی منڈیر پر اُتر آیا اور اس کے راوی قصوروارکون؟ کے مصنف میجر(ر) عبدالوحید ظفر ہیں۔ وُہ اپنی اوائل جوانی کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ کس طرح اُن کے دل میں بھی کمشنڈ آفیسر بننے کا شوق پیدا ہوا اور پھر وہ جذبہ جنوں کیسے اُنہیں کھینچ کر ایک روز ایئر فورس میں پائلٹ آفیسرز بننے کے لئے جاری انٹرویو کے مقام تک لے گیا۔ پھر آگے کیا ہوا؟ یہ رُودادِ چمن اُنہی کی زبانی:

فارم وغیرہ پُر کرنے سے پہلے ہم سب کو ایک قطار میں کھڑا کر دیا گیا۔ ریکروٹنگ آفیسر نے ایک طرف سے ہر اُمیدوار کے پاس آ کر سوال کرنے شروع کئے۔ وہ ہر ایک سے اُس کا نام، تعلیم کے بارہ میں ایک آدھ سوال کرتا اور آگے بڑھ جاتا۔ راوی سے تین سوال پُوچھے گئے مثلاً کیا نام ہے تمہارا؟ کس کالج سے پڑھے ہو؟ اس دوسرے سوال کا جواب (ٹی آئی کالج ربوہ سر) سُنتے ہی جیسے وہ کچھ بے ایمان سا ہوگیا!! تیسرا اور آخری سوال پُوچھا کیا تم قادیانی ہو؟ نہیں جناب، میں احمدی ہوں۔ یہ صاف جواب سُن کر آفیسر کے صبّر کا پیمانہ باقاعدہ چھلک گیا اور اُسی وقت اپنا دو حرفی تضحیک آمیز فیصلہ سنایا" گیٹ آوٹ"!!

اُس شاندار کتاب کے مصنف نے اپنی اُس وقت کی داخلی کیفیت اور اپنے خیالات کے باب میں لکھا کہ ریکروٹنگ آفیسر نے مجھے اس قدر خشم گین نظروں سے گھُورا کہ میں نے وہاں سے بھاگنے میں ہی اپنی خیریت جانی۔ دراصل پچھلے چھ سال کے دوران جماعت اسلامی اپنے لائحہ عمل کے مطابق فوج اور سول بیوروکریسی کے نچلے درجے کے آفیسروں میں اپنے نمائندے سرایت کرنے میں کامیاب ہوگئی تھی جو بڑی ہوشیاری سے لوگوں کے ذہنوں کو متاثر کررہے تھے(صفحہ 41)۔ یہ کتنی بدقسمتی کی بات ہے کہ کلمۂ توحید کی گونج میں آزاد ہونے والے اس ملک نے ابھی اپنی آزادی کی پہلی دہائی ہی مکمل کی تھی کہ جائیداد کے جعلی کلیموں کی طرح مذہبی عقائد میں بھی اپنا اپنا کلیم داخل کرنے والے وہ سب طبقات میدان میں کود پڑے جنہوں نے کل تک اپنا مستقبل اکھنڈ بھارت سے وابستہ کررکھا تھا کہ گویا تمہی میرے مندر تمہی میری پوجا تمہی دیوتا ہو!!! مگر پھر بدلتے موسم کے ساتھ ہی اُنہوں نے پاکستان کو نئے امکانات کی سرزمین جانا اور گرگٹ کی طرح رنگ بدلا۔ پلٹا کھایا۔ سوموقع پرستی پر مبنی اس نئی سوچ، نئی حکمت عملی کے تحت لازم ٹھہرا کہ کسی طور ملاح، سفاح اور سفاح ملاح قرار پائیں۔ یہ ایک فکری اور عیی بددیانتی تو تھی ہی، لیکن المیۂ یہ کہ آغازِ سفر میں ہی ملکی بُنیادوں کو کمزور اور کھوکھلا کرنے والا یہ سارا گندہ کھیل بنام اسلام کھیلا جانے لگا جو سراسر امن وسلامتی، محبت اور رواداری کا دین ہے۔ کاروبارِ حیات تو چلتا ہی تنوع کے سہارے ہے، یکرنگی ہو تو امتحان کیسا؟ کیا ہم خُلد سے آدم کا نکلنا بھُول گئے ہیں؟ اُس کی کو کبی اور مہتابی سرشت کو بھی؟ جب جب بھی ایسے رویئے دیکھنے سُننے کو ملتے ہیں تو مجھے اپنے ربّ (جو چاہتا تو اپنے سب بندوں کو ایک ہی رنگ میں رنگ دیتا) کا یہ فرمان یاد آجاتا ہے کہ

"تو پُوچھ کہ کیا تم اللہ کو وُہ خبر دیتے ہو جس (کے وجود) کا اُسے نہ آسمانوں میں کوئی علم ہے نہ زمین میں"(سورہ یونس)

یقیناً، تب کا پاکستان بااعتبار مجموعی موجُودہ پاکستان سے پھر بھی بہت خوبصورت اور مختلف اور وہی تھا جہاں کبھی آج کے"مردودِ حرم" اپنے دیگر ہم وطنوں کے شانہ بشانہ تحریک پاکستان کے بعد دِل وجان سے تعمیر پاکستان میں جُتے نظر آتے تھے۔ ایسے میں کبھی خارجی محاذ پر حضرت قائداعظمؒ کے نامزد کردہ (پہلے) وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان کے نام کی گونج سنائی دیتی تو کبھی عہد ایوب میں معاشی محاذ پر سرگرم منصوبہ بندی کمیشن کے ڈپٹی چیئر مین اور بعد میں صدر یحیٰی خان کے اقتصادی مشیر ایم ایم احمد کی۔ عسکری محاذ پر جنرل اختر حسین ملک (ہلال جرات۔ 1965 میں جنرل ملک کی تباہ کن جنگی حکمتِ عملی سے گھبرا کر بھارتی وزیر اعظم شاستری نے انہیں مارنے یا زندہ گرفتار کرنے کا حکم جاری کیا تھا) جنزل عبدالعلیٰ ملک (ہلال جرات۔ جنگ ستمبر میں چونڈہ کے محاذ پر ٹینکوں کی دوسری بڑی معرُوف لڑائی میں دادِ شجاعت دینے والا ہیرو) جنرل افتخار خان جنجوعہ (ہلال جرات) جنرل نذیر، جنرل ناصر احمد چوہدری (جنہیں راجستھان کے میدانِ جنگ میں دشمن تو باوجود زخمی کرنے کے زیر نہ کرسکا مگر اپنے ہم وطن دہشت گردوں نے 28 مئی 2010ء کو لاہور کی ایک مسجد میں گھس کر دیگر

86 نمازیوں کے ساتھ شہید کردیا) اور اسی طرح بہت سارے دوسرے نام بھی سُننے کو ملتے ۔ جنرل ضیاء دُور کے ڈاکٹر مسعود الحسن نوری غالباً آخری جبکہ پہلے جنرل نذیر تھے جو اس رینک اور مقام تک پہنچے۔ آج کے اس (بقول سینئر فوجی ذرائع کے) "غیر نوشتہ اصول" کے علی الرغم ہم صرف ایک، اوّل الذکر کی بات کرتے ہیں کہ فوجی محاذ پر اُن کی پیشہ وارانہ مہارت کا کیا عالم تھا!!! اپنی وضع کے ایک صوفی منشیبو روکریٹ قدرت اللہ شہاب اپنی سوانح حیات "شہاب نامہ" کے صفحہ 931 پر لکھتے ہیں

"جنرل اختر ملک نے اپنے پلان کے مطابق کارروائی شروع کی اور اکھنور کو فتح کرنے کے قریب ہی تھے کہ فوج میں جنرل موسےٰ سمیت کئی اور جرنیل بھی تشویش میں پڑ گئے کہ اگر اختر ملک کی مہم کامیاب ہوگئی تو وہ ایک فوجی ہیرو کی حیثیت سے ابھریں گے۔ صدر ایوب سمیت غالباً باقی بہت سے فوجی اور غیر فوجی صاحبانِ اقتدار یہ نہیں چاہتے تھے کہ میجر جنرل اختر ملک اس جنگ کے ہیرو بن کے ابھریں اور فوج کے اگلے کمانڈر انچیف کے عہدے کے حقدار بن سکیں ۔ کیونکہ یہ عہدہ صدر ایوب نے ذہنی طور پر پہلے ہی سے جنرل یحیٰی کے لئے محفوظ کر رکھا تھا۔ چنانچہ عین اس وقت جب میجر جنرل اختر حسین ملک انتہائی کامیابی سے چھمب اکھنور سیکٹر پر تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے۔ انہیں معاً انکی کمانڈ سے ہٹا دیا گیا اور اُن کی جگہ جنرل یحیٰی خاں کو یہ کمانڈ سونپ دی گئی ۔ غالباً اس لئے کہ وہ پاکستانی فوج کو اکھنور فتح کرنے کی کوشش سے باز رکھ سکیں ۔ یہ فریضہ اُنہوں نے نہایت کامیابی سے سرانجام دیا۔"

اُس وقت کے سیکرٹری اطلاعات جناب الطاف گوہر مرحوم نے بھی اپنی کتاب "ایوب خان ۔ فوجی راج کے پہلے دس سال" میں اس موضوع "آپریشن جبرالٹر ۔ آغاز اور عمل درآمد" پر کسی قدر تفصیلاً روشنی ڈالی ہے۔ وہ صفحہ 346 پر کمان کی تبدیلی کے عنوان سے لکھتے ہیں

"جنرل موسیٰ 2 ستمبر کو جنرل یحیٰی کے زیر کمان 7 ڈویژن کے ہیڈ کوارٹر میں پہنچے ۔ انہوں نے جنرل ملک کو بھی وہیں بلا لیا۔ صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد جنرل موسیٰ نے جنرل یحیٰی کو ہدایت کی کہ وہ فوری طور پر آپریشن گرینڈ سلام کا کنٹرول سنبھال لیں۔ اس فیصلے کی توثیق جی ایچ کیو کے ایک پیغام کے ذریعے کر دی گئی جس میں کہا گیا تھا کہ 7 ڈویژن نے آپریشن گرینڈ سلام کا کنٹرول فوری طور پر سنبھال لیا ہے ۔۔۔۔۔۔ مزید احکامات 7 ڈویژن کی طرف سے ان منصوبوں کی روشنی میں دیئے جائیں گے جن پر کمانڈر انچیف 7 ڈویژن کے کمانڈر سے گفتگو کر چکے ہیں۔ 7 ڈویژن کا ریکارڈ ان منصوبوں کی کوئی نشاندہی نہیں کرتا البتہ جی ایچ کیو 10 بریگیڈ کی جنگی ڈائری میں درج ہے کہ "جی او سی 7 ڈویژن (جنرل یحیٰی) نے واضح کیا ہے کہ پیش قدمی کے منصوبوں کو دفاعی منصوبوں میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ انہوں نے حکم دیا ہے کہ 2 ستمبر کو ہم (10 ڈویژن) توی کے پار دشمن کے علاقے میں صرف ایک ہر اول دستہ بھیجیں گے اور اس کے ساتھ ہی توی پر شمال میں 102 بریگیڈ اور جنوب میں 10 بریگیڈ کے ساتھ دفاعی انتظامات کئے جائیں گے۔ جب 10 بریگیڈ کے کمانڈر نے پوچھا کہ کیا وہ 3 ستمبر کو توی کے پار بھیجے جانے والے دستے کی طرف سے اشارہ ملنے پر پیش قدمی کر سکتے ہیں تو یحیٰی خان نے جواب دیا کہ وہ اس سلسلہ میں 3 ستمبر کی صبح کو اپنے ہیڈ کوارٹر سے احکامات جاری کریں گے۔ جی او سی نے مزید بتایا کہ توی کو عبور کرنے کے لئے صبح چار بجے کے وقت کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا ہے کیونکہ کمانڈر انچیف کو خدشہ ہے کہ "ہماری بکتر بند گاڑیاں اور دیگر فوج یہ رکاوٹ (توی) عبور کرتے ہوئے دشمن کی فضائیہ کا نشانہ نہ بن جائیں۔" ابھی یحیٰی خان جبرالٹر کی تجہیز و تکفین میں مصروف تھے کہ بھارت نے لاہور پر حملہ کر دیا۔ چھ ستمبر 1965ء کی صبح ایوب خان کو نیند سے جگا کر یہ اطلاع دی گئی کہ بھارت نے پاکستان پر حملہ کر دیا ہے۔

جنرل اختر ملک کی "گرینڈ سلام" سے علیحدگی کے فیصلے کے بارے میں طرح طرح کے افسانے تراشے گئے ۔ جی ایچ کیو کے افسروں کی رائے یہ تھی کہ ایوب خان حوصلہ ہار بیٹھے تھے اور عین اس وقت جبکہ پاکستانی افواج اکھنور پر قبضہ کر کے بھارت کو شکست فاش دینے کے لئے پر تول رہی تھیں ایوب خان نے بھارت کے ساتھ باقاعدہ جنگ کے آغاز کے خوف سے آپریشن کے خاتمے کا فیصلہ کر لیا۔ بعد ازاں بھٹو نے بھی ایوب خان کو قصوروار ٹھہرانے میں کوئی کمی نہ کی ۔ حقیقت یہ ہے کہ جنرل ملک حالات کے ہاتھوں دلبرداشتہ ہو چکے تھے ۔ ان سے بڑھ کر کون جانتا تھا کہ ان کا مشن ناکام ہو چکا ہے ۔ 4 ستمبر کو جنرل ملک نے راولپنڈی میں سیکرٹری اطلاعات سے ملاقات کی ۔ گفتگو

کے دوران وہ اپنے آنسوؤں پر قابو نہ پا سکے اور ان کی زبان سے بصد مشکل یہ الفاظ نکلے کہ "معلوم نہیں کہ میں اپنے بچوں کو کیا جواب دوں گا؟" انہوں نے کسی کے خلاف ایک لفظ تک نہ کہا۔ جی ایچ کیو اور دفتر امور خارجہ نے کمان میں تبدیلی کو اپنی نااہلیوں اور بداحتیاطیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے استعمال کیا۔ بھٹو اور جنرل موسیٰ دونوں سنگین نوعیت کی غلطیوں کے مرتکب ہوئے تھے۔ ان دونوں نے اپنی غلطیوں کو مجرمانہ اور عیارانہ انداز سے چھپانا چاہا اور اپنے آپ کو کسی الزام سے محفوظ رکھنے کے لئے "گرینڈ سلام" کے افسانے کی آڑ لی۔"

بات چل ہی نکلی ہے تو اس ضمن میں تاریخ کا ایک اور ورق پلٹتے ہوئے سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کی طرف چلتے اور اُن کا اُس وقت کا اعترافی بیان پڑھ لیتے ہیں جب وہ راولپنڈی جیل میں بند لمحہ بالمحہ موت کی طرف بڑھ رہے اور اُنہیں ریاکاری کی ضرورت نہیں تھی۔ "بھٹو کے آخری 323 دن" نامی کتاب کے مصنف کرنل رفیع الدین "بھٹو صاحب کی باتیں" والے باب کے صفحہ 66 پر پاک فوج کا سب سے بڑا جنرل کے زیر عنوان لکھتے ہیں۔

"ایک دن پاک بھارت جنگ 1965ء کا ذکر چھڑا میں نے بھٹو صاحب سے پوچھا کہ جناب آپ اس زمانے میں وزیر خارجہ تھے۔ ہمارے فارن آفس نے اس جنگ سے پہلے یہ کیوں نہ سوچا کہ ہندوستان ہماری سرحدوں پر حملہ کردے گا۔ کہنے لگے کہ دفتر خارجہ نے تو اس کا اندازہ لگا لیا تھا لیکن فیلڈ مارشل ایوب خان نے ایک جائنٹ میٹنگ میں اس امکان کو رد کر دیا تھا۔ اسی دوران وہ کہنے لگے کہ جنرل ہیڈ کوارٹر نے بھی تو اسی غلطی کا اعادہ کیا تھا۔ پھر کہنے لگے کہ جنرل اختر ملک کو کشمیر کے چھمب جوڑیاں محاذ پر نہ روک دیا جاتا تو وہ کشمیر میں ہندوستانی افواج کو تہس نہس کر دیتے مگر ایوب خان تو اپنے چہیتے جنرل یحییٰ خان کو ہیرو بنانا چاہتے تھے۔ 1965ء کی جنگ کے اس تذکرے کے دوران بھٹو صاحب نے جنرل اختر ملک کی بے حد تعریف کی۔ کہنے لگے اختر ملک ایک باکمال جنرل تھا۔ وہ ایک اعلیٰ درجے کا سالار تھا۔ وہ بڑا بہادر اور دل گردے کا مالک تھا اور فنِ سپاہ گری کو خوب سمجھتا تھا۔ اس جیسا جنرل پاکستانی فوج نے ابھی تک پیدا نہیں کیا۔ پھر مسکراتے ہوئے کہنے لگے باقی سب تو جنرل رانی ہیں۔"

آہ!! اپنے جوانوں اور افسروں میں یکساں مقبول یہ دراز قد اور وجیہہ جنرل 22 اگست 1969ء کو انقرہ (ترکی) میں ایک کار حادثہ میں اپنی اہلیہ سمیت شہید ہو گیا۔ گو وہ میرا عہد بچپن تھا مگر گہری افسردگی میں ڈوبا 26 اگست کا وہ دِن آج بھی میری یادوں میں مرتسم ہے جب قطعہ شہداء کے نام سے معرُوف احاطہ میں دونوں میاں بیوی کی ایک ساتھ تدفین ہوئی تھی۔ والد صاحب مرحوم اور ہم دونوں بھائی بھی سوگواروں کے ہجوم میں شامل تھے۔ میں نے دیکھا، اُس روز ربوہ کا چھوٹا سا قصبہ ایک فوجی چھاؤنی کا منظر پیش کر رہا تھا۔ فوج اپنے بہادر سپوت کو اپنے ایک جری جرنیل کو پورے فوجی اعزاز کے ساتھ دفن کرنے اُمڈ آئی تھی۔ حق مغفرت کرے۔ آمین

اسی طرح ملکی فضاؤں کے دفاع کی ضامن پاک فضائیہ کا نام آتا تو ساتھ ہی اُس کے ایک سابق سربراہ ایئر مارشل ظفر چوہدری یاد آجاتے جو اپریل 1974ء کو اُس وقت اپنے عہدے سے باعزت مستعفی ہو گئے تھے جب وزیر اعظم بھٹو نے 1973ء کے اٹک سازش کیس (یہ بھٹو کو اقتدار سے برطرف کرنے کا ایک منصوبہ تھا جس میں بری اور فضائی فوج کے 59 افسران ملوث تھے۔ اور جنہیں ایک گمنام سے فوجی افسر ضیاء الحق نے سزائیں سنائیں۔ بعد میں بھٹو نے چھ سینئر جرنیلوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اُسے ہی مارچ 1976ء میں آرمی چیف بنا دیا۔ تدبیر کُند بندہ۔ تقدیر کُند خندہ! یہ "جنرل" پھر گیارہ سال تک قوم کے سینے پر مونگ دلتا اور اُسے بھُولا ہوا "اسلام" کا وہ اُموختہ یاد دلاتا اور اُس کی موجودہ "حساسیت" میں برابر اضافہ کرتا رہا جسکی بنیاد بھٹو نے رکھی تھی۔ اس رئیس المنافقین کے عہد میں جب سیاچین ہاتھ سے نکل گیا تو بڑی بے نیازی سے فرمایا وہاں تو گھاس کا ایک تنکا بھی نہیں اُگتا!) میں ملوث ایئر فورس کے اُن سات افسران کو وقت سے پہلے ریٹائرڈ کرنے کا ایئر چیف کا فیصلہ مسترد کر دیا تھا۔ گویا اصولی مؤقف کے بالمقابل دل میں اپنی ٹرم پوری کرنے کا کوئی لالچ بھرا خیال اُبھرا اور نہ ہی توسیع (Extension) کی آرزو میں گھُلتے مرتے چلے جانے ایسا کوئی عارضہ لاحق ہوا۔ اسی طرح جب ملک میں سائنسی ترقی اور اُس کے فروغ کی بات ہوتی تو پاکستان میں موجود جوہر قابل کے ساتھ ساتھ 1968ء میں اقوام متحدہ کی طرف سے ایٹم برائے امن کا انعام

پانے اور پھر آگے چل کر 1979 ء میں نوبل پرائز حاصل کرنے والے بھٹو کے سائنسی مشیر پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام مرحوم کا نام سامنے آجاتا۔

پھر بھی کہتے ہیں مُجھ سے یہ اہل چمن
یہ چمن ہے ہمارا تمہارا نہیں

مگر ہم نے اس بندۂ خدا کو بھی یہاں سے مار مار کر بھگا دیا اور اس کا سبب بھی ہماری وہی مرقومہ بالا "حساسیت" تھی جو ہر شعبۂ حیات میں افکار تازہ کو نگلتی اور ملک وقوم کو مسلسل پیچھے دھکیلتی رہی۔ یہ تو ابھی کل کی بات ہے جب یہی ڈاکٹر سلام مٹی کی محبت میں منت سماجت کرتا رہا کہ اُسے ملک میں سائنسی ترقی کا ادارہ قائم کرنے دیا جائے کہ یہ دُور سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی اور مسابقت کا دُور ہے اور اس راہ سے ہی وطن عزیز اقوام عالم میں اپنا لوہا منوا اور اپنا مقام بنا سکتا ہے مگر وائے قسمت

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں
واں ایک خامشی تیری سب کے جواب میں

اس سرد مہری نے ڈاکٹر صاحب کو دُکھی کر دیا اور وہ مُتبادل پیشکش سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ٹرایسٹ اٹلی چلے گئے۔ اُنہیں ملک سے بھگانے والی، اپنے عہدوں، گریڈوں، نوٹوں اور ووٹوں کا شمار کرنے والی سوچ تو گزرے کل بھی مال مست اور حال مست تھی اور وہ آج بھی اسی عالم سرشاری میں نظر آتی ہے مگر اس کا اصل نقصان اُن سب پاکستانی طلبہ کو برداشت کرنا پڑا جنہیں یہ سہولت گھر کی دہلیز پر مل رہی تھی۔ اَب وہ وہاں قائم ادارے کا رُخ کرتے اور ہر قسم کی اضافی تکلیف بھی اُٹھاتے ہیں۔ کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟ آخر ان سب لوگوں کا اِن مُحب وطن پاکستانیوں کا کیا قصور تھا؟ ایک الگ مذہبی فکر؟ اِس میں حرج ہی کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے لا اکراہ فی الدین کا اعلان عام کر کے خود اس کی اجازت دے رکھی ہے۔ اور پھر اسلام کے سبھی بہتر تہتر فرقے اپنی اسی اختلافی فکر کی بنیاد پر ہی تو اپنا جداگانہ تشخص رکھتے ہیں۔ یہ ائمہ اربعہ کیا ہیں؟ امام اعظم ابوحنیفہ، امام محمد بن ادریس شافعی، امام مالک بن انس، امام احمد بن حنبل یہ کون تھے؟ آخر یہ سب ایک ہی قرآن مجید فرقانِ حمید کے قاری اور اس بنیادی نکتے پر متفق تھے کہ احکام شرعیہ کا بنیادی ماخذ قرآن وسنت ہی ہے مگر ہر ایک کی فکر اور فقہ الگ کیوں ٹھہری؟

بعینہٖ اگر ایک شخص نے ہر سخن موقع و ہر نکتہ مقام دارد کے مصداق اُسی قرآن وحدیث اور اپنے علم خداداد کی روشنی میں سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اُٹھائے جانے والی روائتی سوچ کو رَد اور آپؑ کی وفات کو ثابت کرتے ہوئے یہ کہا کہ وہ سب جو مسیح کی آمد ثانی کے انتظار میں بیٹھے ہیں اپنے بے خواب کواڑوں کو مقفل کر لیں کہ اس سارے علمی مضمون کا تعلق کسی وفات یافتہ کی دوبارہ آمد سے نہیں کہ یہ سنت اللہ کے خلاف ہے، بلکہ یہ اُس کے مثیل کی خبر دیتا اور اُسی پر اطلاق پاتا ہے تو پھر اس معاملہ میں خصوصیت کے ساتھ قیامت برپا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس خبر کے دینے والے کے نقطۂ نظر سے دعویٰ سے اختلاف کرنے والے ضرور اختلاف کرتے، علمی مباحث اٹھاتے تا وہ جو فقط فطرتِ صحیحہ کی شاگردی میں چلتے ہیں اُنکے علم میں بھی اضافہ ہوتا، اُن پر تصویر کا دوسرا رُخ بھی کھلتا مگر ایسا (اختلاف) کرتے وقت انداز وہی اپنایا جاتا جو ائمہ اربعہ سے ثابت ہے مگر یہاں تو وہ رَن پڑا کہ الاماں الحفیظ۔ اس جوابی ردعمل سے، پست ذہنیت کی حامل سوقیانہ باتوں، طعنوں اور طرزِ انکار سے تو پھر یہی سچ لگا کہ واقعی وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت!!! یعنی صاحبِ قراں ہوتے ہوئے بھی وہی اندازِ فکر اپنایا جو قرآن شریف میں مختلف مقامات پر "باپ دادا" کی نسبت سے بار ہا بیان ہوا ہے، جیسے یہ کہ ہم نے اُنہیں ایسا ہی کرتے ہوئے پایا اور اللہ نے اس کا جواب بھی دیا۔۔۔۔ اُنکے اِس مؤقف کا سیدھا سیدھا یہ مطلب ہوتا تھا کہ آپ کی دعوتِ فکر پر غور تو کُجا، ہم بات سننے کے بھی روادار نہیں۔ خدا کے بندو! اگر کبھی کوئی کسی کُفر یا سنگین اجتہادی غلطی کا مرتکب ہوتا ہے تو دینِ اسلام کی رُو سے اُس کا وبال بھی اُسی پر ہی پڑتا ہے، ملک وقوم کو اِس کی ناحق سزا کیوں دی گئی؟ صادق و امین صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا مقدس اور بابرکت نام لے کر مسئلہ ختم نبوتکی آڑ میں صداقت اور امانت کا خون کیوں کیا گیا؟ صریح جھوٹ کو سچ بنا کر کیوں اُڑایا اور پھیلایا گیا، بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص مسلمان ہونے کا بھی مدعی ہو، اور مُنکرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی ہو؟ لاریبَ اہلِ جماعت کے نزدیک پہلے اللہ اور اُس کا رسول مقبولؐ پھر بانی جماعت، مدعی اور مفسر آتے ہیں۔ ہم ہرگز وُہ نہیں، جنہیں بَرملا یہ کہتے سُنا جاتا ہے کہ پہلے ہمارا فرقہ پھر اسلام۔ حَذر رائے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں۔

میں یہاں اورکس کس اُجلے کردار کا قصہ چھیڑوں۔ حالانکہ یہ سب وہی لوگ تو تھے کہ جب کوئی دوسرا اُنہی میں سے کسی کے ساتھ راہ ورسم رکھتا یا کسی کام سے ملتا تو تب ہر ایسا ملاقاتی جانکار سائل اگلے وقتوں کی سادگی اور شرافت کے ساتھ زیادہ سے زیادہ یہی تبصرہ، یہی تعریف یا تنقید کرتا کہ بندہ تو اچھا ہے، پر ہے قادیانی!!! اور پھر اِسی نوٹ اور تعارف اور اعتراف پر بات ختم ہوجاتی۔ اِدھر اندر ہی اندر پیچ وخم کھائے، 1953ء کے ناکام وَار کے بعد مسلسل گھات لگائے مذہب کے ٹھیکے داروں سے نفس پرستوں سے بھلا یہ سب کچھ کیسے اور کہاں تک برداشت ہوسکتا تھا؟ آخر اُنکی شبانہ روز کی محنتیں اور تدبیریں جو ایک نئے "اسلامی ایڈیشن" کے حصول کے گرد گھومتی تھیں، رنگ لائیں۔ وقت نے کروٹ بدلی (اور وُہ وقت بھی کیا عجب وقت تھا؟ جب جانے انجانے میں ہم نے اپنی تعلیم اور نور بصیرت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اُس (وقت) کی بی ٹیم بن کر بڑی مدد کی۔ سردھڑ کی بازی لگائی۔ اور پھر جب ریل کی سیٹی بجی تو دل لہو سے بھر گیا! یُوں کہ وہ ٹرین پھر جدھر اور جہاں سے بھی گزری آگ لگاتی، صورتحال سے یکسر بےخبر، بےقصور احمدیوں کو مسلسل خاک وخون میں نہلاتی چلی گئی اور یہ سفر، جس میں پاؤں نہیں دل تھکتا ہے، ابھی تک تمام ہونے میں نہیں آرہا)۔ وہ ستمبر کا مہینہ تھا اور سنہ 1974ء جب سات تاریخ کو حکومتِ وقت نے "باڑے" کے سبھی گیٹ چوپٹ کھول دیئے۔ (یادش بخیر، بدقسمتی سے جس برادر اسلامی ملک کے کہنے پر ہم نے خود کو مولویوں، آفاتِ ارضی و سماوی کے سپرد کیا تھا، اُس (ریاض) کے سینئر اسکالر کی کونسل نے "جفا سے توبہ" کرتے ہوئے اب اپنے ملک کے لئے یہ فرمان جاری کر رکھا ہے کہ

تکفیر کا فیصلہ انسان نہیں، اللہ اور رسول نے کرنا ہے۔ یہ ایک سنجیدہ موضوع ہے۔ اس سے قتل عام کو جواز مل جائے گا۔ شادیاں اور وراثت رُک جائے گی۔ کونسل کے مطابق حکمرانوں اور حکومت کو اسلام سے باہر قرار دینا زیادہ خطرناک ہے۔ کیونکہ اس سے تشدد ہتھیاروں کے استعمال، افراتفری، قتل عام اور بدعنوانی بڑھے گی۔

(روزنامہ جنگ 28 ستمبر 2016ء)

اب دھرتی کے سینے میں زہر کے بیج بونے والوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ پہلے اگر یہ تناسب آٹے میں نمک کے برابر تھا تو اَب ہر پست وبالا سے گروہ دَر گروہ اس ناپاک کام کے لئے دوڑے چلے آئے اور یوں سورہ رحمان میں مذکور نعمتوں والی ہماری یہ خوبصورت دھرتی روز بروز بدصورت بانجھ اور بے برکتی کا شکار ہوتی چلی گئی کہ ماضی کا وہ ایک بےضرر سا تعارف اَب اپنی عمومی سطح سے اُٹھ کر ترقی کرتے کرتے انجام کار "سرتن سے جُدا" کی منزل تک پہنچ گیا اور

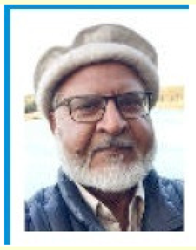
اب وہی حرف جنوں سب کی زباں ٹھہری ہے
جو بھی چل نکلی ہے وہ بات کہاں ٹھہری ہے

اپنی لنکا ڈھاتے ہوئے تب جوش جذبات میں کسی دانا کو یہ خیال تک نہ آیا کہ جب ایک بار مذہبی جنونیت کا جن بوتل سے نکل جائے، حجاب اُٹھ جائے تو پھر چراغ سب کے بُجھیں گے ہوا کسی کی نہیں، والا مضمون صادق آنے لگتا ہے۔ علاوہ ہزاروں لاکھوں افسوسناک واقعات اور اموات کے مذکورہ رپورٹ بھی تو آخر اسی حقیقت کی نشاندہی کرتی نظر آتی ہے۔ جب ملک کی سب سے طاقتور شخصیت کو بھی نہ بخشا گیا۔ بدخواہوں نے جب اُسے اپنے سیاسی مفادات کی تکمیل کیلئے نشانے پر رکھا تو ذرائع کو اُس (جھوٹے) الزام کی باقاعدہ وضاحت جاری کرنا پڑی کہ مذکورہ جرنیل کا قادیانی کیمونٹی سے کوئی تعلق نہیں۔ معاملے کی "سنگینی" کے پیش نظر محض اس ایک بیان پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ خود چیف صاحب بھی اپنی صفائی پیش کرنے کے لئے "مسلح" ہوکر اس میدانِ کارزار میں کچھ یوں کودے کہ اُن کے ایک ہاتھ میں آرمی ہاؤس میں منعقدہ محفل میلاد کی تصویر تھی تو دوسرے میں عمرہ ادا کرتے کی۔ تا سند رہے کہ میرا تعلق الزام و دشنام سہنے، گولی اور پتھر کھانے والی مختصر سی اقلیت سے نہیں بلکہ اس کا ارتکاب کرنے والی غالب اکثریت سے ہے۔ یہ عالمِ پسپائی دیکھا نہ جائے۔ بات وضاحتوں سے پھیلتی گئی مگر کسی نے اُس باریش پروفیسر کو کٹہرے میں کھڑا کرنے، اُلٹا لٹکانے کی جرأت نہیں کی کہ ایک بے سروپا الزام کیوں لگایا؟ شر کیوں پھیلایا؟ کیا اس سے یہ عُقدہ نہیں کھلتا کہ "اسلام کا دَرد" تو محض ایک من گھڑت افسانہ، اصل مسئلہ اور مقصد اُس سے جُڑے مفادات کا حصول اور ملکی سیاست کو مسلسل اپنی گرفت میں رکھنے کا رہا ہے۔ اور یہ مقصد اِس "مخلوق" نے کمال مہارت سے حاصل کرلیا ہے۔ اب کوئی قائد عوام ہو یا سپہ سالار اعظم، سب ہی "دینِ مُلّا" سے ڈرتے اور دبتے ہیں کہ خود کردہ را علاج نیست۔ اس سے عام شریف النفس پاکستانیوں کے احوالِ شب وروز کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے!!

خصوصاً اُن کا جو" چالیس چوروں" کے درمیان بیٹھ کر اپنے فرائض منصبی بڑی ایمانداری کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ اور پھر جب اُنہیں کباب میں ہڈی خیال کرتے ہوئے اسی روائتی ٹھپے کی مدد سے مار بھگایا جاتا ہے تو پھر کہاں اور کس میں تابِ شنیدن؟ کہ وہ بیچارے تو اَب کوڑھی، دلت اور اچھوت ٹھہرے۔ تاہم مقامِ شکر ہے کہ ان سب" اچھوتوں" کا ملکی تباہی اور بربادی میں کوئی حصّہ اور ہاتھ نہیں، اور جن کا ہے اُن سب مفسدوں اور مافیاز اور اُنکے جھانسے میں آئے لوگوں اور گروہوں کو کون یہ سمجھائے، احساس دلائے کہ ہماری سفر وسیلہ ظفر بنی بس (BUS) ایک مدت سے دلدل میں پھنسی اور رُکی ہوئی ہے اور ہم اُسے نکالنے کی بجائے بلاوجہ ہاتھوں کی تقسیم اور تخصیص میں الجھے اپنا اجتماعی سفر حیات مسلسل کھوٹا کر رہے ہیں۔ آقائے ولی نعمت امریکہ کو اقوام عالم میں" سپر پاور" کا مقام دلوانے اور اُس کا سکّہ چلوانے میں دنیا جہان کے ہاتھ (اور اذہان) کارفرما رہے ہیں اور ان میں تاریخی طور پر اُن خون آلود ہاتھوں کا تسلسل بھی شاملِ حال ہے جو سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نعوذ باللہ جھوٹا قرار دیکر صلیب تک کھینچ کر لے گئے تھے۔ جیسے نوبل انعام یافتہ مشہور زمانہ سائنس دان البرٹ آئن سٹائن بھی ایک جرمن نژاد یہودی امریکی تھا۔ اور یہ ایک لمبی فہرست ہے۔ دوسرا یہ کہ آپ حضرات نے جیسا کہ ظاہر و باہر ہے تعمیر نہیں، تخریب میں اپنا حصّہ ڈالا ہے اور مذہب کے نام پر ملک وقوم کی وحدت کو توڑا اور اُسے نہایت سفا کی سے موت کے گھاٹ اور ایک ایسے گھاٹ اُتارا ہے جہاں پینے کو پانی بھی میسر نہیں۔ ایسے میں خیال آتا اور بڑے زور سے آتا ہے کہ کاش ہم" خدا پرستوں" میں بُت پرستوں سے زیادہ نہ سہی، کم از کم اُن کے مساوی ہی رَواداری، دُور اندیشی اور دانائی ہوتی تو آج ہمارا ہاتھ نیچے نہیں، اُوپر ہوتا۔ اسلام اسلام کے اتنے غلغلہ اور" کی محمدؐ سے وفا تو نے" کے بعد دنیا میں ہمارا شمار مانگنے والوں میں نہیں، دینے والوں میں ہوتا۔ افسوس صد افسوس! قریب پون صدی پر مُحیط ہمارے اس سفر آزادی کا ماحصل ایک صُبح بے نور اور دین نہ دنیا کی صورت میں نکلا!!!

منزل ہے کہاں تیری اے لالہ صحرائی؟

غزل



ڈاکٹر طارق انور باجوہ

جب کہیں بندگی نہیں ہوتی
زندگی زندگی نہیں ہوتی

لوٹ آتے خُدا کی جانب، گر
اتنی افسردگی نہیں ہوتی

کیا کسی کو حساب دینا ہے؟
زندگی دل لگی نہیں ہوتی

آسماں سے پیام آیا ہے
روشنی تیرگی نہیں ہوتی

صاف جب وہ کرے تو اس دل میں
کوئی بھی گندگی نہیں ہوتی

مار ڈالا تری اداؤں نے
ورنہ شرمندگی نہیں ہوتی

حُسنِ یوسف خرید لیتا اگر
اتنی کم مائیگی نہیں ہوتی

کیا حقیقت ہے کیا فریبِ نظر
سادگی سادگی نہیں ہوتی

ابر برسا ہے پھر بھی صحرا میں
کوئی روئیدگی نہیں ہوتی

چھوڑتے حرص وہ تو دنیا میں
اتنی در ماندگی نہیں ہوتی

گر نہ آتا وہ میری محفل میں
اتنی تا بندگی نہیں ہوتی

میری خواہش، دِکھائے وہ چہرہ
اس سے بے پردگی نہیں ہوتی

گر محبّت نہ کھینچ لاتی یہاں
اُس کی ہمسائیگی نہیں ہوتی

عرفان کی بارش ہوتی تھی جب روز ہمارے ربوہ میں

کلام صاحبزادی امۃ القدوس بیگم صاحبہ سلمہا اللہ

عرفان کی بارش ہوتی تھی جب روز ہمارے ربوہ میں
اے کاش کہ جلدی لوٹ آئیں وہ دن وہ نظارے ربوہ میں
جب علم کی محفل جمتی تھی عرفان کی باتیں ہوتی تھیں
دن یاد بہت وہ آتے ہیں جو ساتھ گزارے ربوہ میں
اے بے بصرو! کیا تم کو خبر اُس لذّت کی جب ہوتے تھے
عشاق کی محفل میں اُن کی چتون کے اشارے ربوہ میں
گرداب سے نکلو ہم تم کو ساحل سے صدائیں دیتے ہیں
رُخ اپنے سفینوں کے موڑو پاؤ گے کنارے ربوہ میں
اے تخت نشینو! ہم تو اُنہی آنکھوں کا اشارہ دیکھتے ہیں
خوش فہم نہ ہو کہ چلتے ہیں فرمان تمہارے ربوہ میں
جو آگ لگائی ہے تم نے وہ تم کو ہی جھلسائے گی
اے صاحبِ شر! کر ہوش ذرا نہ چھینک شرارے ربوہ میں
مجبور سہی، لاچار سہی ہے کرب و بلا کا دَور مگر!
پُرعزم بھی ہیں با حوصلہ بھی رہتے ہیں جو سارے ربوہ میں
کچھ جان کی بازی ہار گئے، پر لاج وفاؤں کی رکھ لی
خوں رنگ لبادوں میں آئے اللہ کے پیارے ربوہ میں
تسکین سماعت پاتی ہے، ذہنوں کو جلا بھی ملتی ہے
پر دید کی پیاس کا کیا کیجئے، بھڑکی ہے جو سارے ربوہ میں
کب ساقی بزم میں آئے گا، کب جام لُنڈھائے جائیں گے
دو قطروں سے کب ہوتے ہیں رندوں کے گزارے ربوہ میں
جب تک یہ سانس کا رشتہ ہے بندھن بھی آس کا قائم ہے
الطاف کے خوگر بیٹھے ہیں رحمت کے سہارے ربوہ میں
پھر نغمۂ بلبل گونجے گا پھر پھول چمن میں مہکیں گے
پھر لوٹ بہاریں آئیں گی سَو رُوپ نکھارے ربوہ میں
پھر تارے تابندہ ہوں گے پھر چاند اُجالا پھیلے گا
ہر سمت نظر آئیں گے وہی پھر نور کے دھارے ربوہ میں
پھر جلوے بزم سجائیں گے، پھر دید کی پیاس بجھائیں گے
پھر دیکھنے والے دیکھیں گے گلرنگ نظارے ربوہ میں
جب اِذنِ الٰہی ہوگا پھر اک شان سے واپس آئیں گے
آغوشِ امامت کے پالے مہدی کے دُلارے ربوہ میں
اے قادرِ مطلق یہ تو بتا پھر لوٹ کے کب تک آئیں گے
وہ دن کہ اذانوں سے گونجا کرتے تھے منارے ربوہ میں



تیسری عالمگیر جنگ کے خوفناک بادل اور ایٹمی تباہی

ڈاکٹر سر افتخار احمد ایاز، لندن



حال ہی میں جب سے کہ روس نے یوکرین پر حملہ کیا ہے، دنیا میں تیسری عالمگیر جنگ کے خوفناک بادل گھرانے لگے ہیں اور تمام دنیا ایک بار عالمی جنگ کی طرف بڑھتی ہوئی دکھائی دے رہی ہے۔ یہ جنگیں اور یہ بیماریاں جو طرح طرح کے عذاب کی شکل میں دنیا پر نازل ہو رہی ہیں، ان کے متعلق قرآن مجید کا فرمان ہے کہ:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (الروم:42)

''ترجمہ: لوگوں نے جو اپنے ہاتھوں بدیاں کمائیں ان کے نتیجہ میں فساد خشکی پر بھی غالب آ گیا اور تری پر بھی تا کہ وہ انہیں ان کے بعض اعمال کا مزا چکھائے تا کہ شاید وہ رجوع کریں۔''

اور پھر انتہا درجہ کے گناہوں کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے کسی نبی کو اور مامور کو جو انسانوں کو ان کی بداعمالیوں کے بدنتائج سے آگاہ کرتا ہے، مبعوث فرماتا ہے۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا

(بنی اسرائیل:16)

ترجمہ: اور ہم ہرگز عذاب نہیں دیتے یہاں تک کہ کوئی رسول بھیج دیں (اور حجت تمام کر دیں)۔

ایسا ہر دور میں ہوتا ہے اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ کس طرح شروع سے لے کر اب تک انبیاء علیہم السلام کی آمد کے بعد جبکہ وہ ہر بار اہل دنیا کو نیکی اور تقویٰ کی طرف توجہ دلاتے رہے، بعض لوگ ان کی باتوں پر دھیان نہ دے کر ایک تو ان کی مخالفت میں آگے بڑھتے رہے ہیں اور دوسرے ان کی مخالفت کے نتیجہ میں گناہوں کے طوفان میں گھرتے رہے ہیں جس کے نتیجہ میں ہر دور میں عذاب الٰہی نازل ہوتا رہا۔ ایسا حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں بھی ہوا، حضرت ھود علیہ السلام کے زمانہ میں بھی ہوا، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بالآخر آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بھی دنیا نے دیکھا کہ کبھی دنیا طوفان سے غرق ہوئی، کبھی زلزلوں سے پیوست زمین ہوئی، کبھی تیز آندھیوں اور طوفانی جھکڑ نے اُسے اپنی گرفت میں لے لیا۔

یہ عذاب ایک وقت میں مختلف خطوں اور زمانوں میں آتے رہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام بھی مخصوص خطوں اور زمانوں کیلئے تھے اور اب جبکہ آنحضرت ﷺ پوری دنیا کیلئے اور تمام زمانوں کیلئے تشریف لائے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان عذابوں کو بھی عالمگیر شکل دے دی ہے۔ جس کی پیشگوئیاں قرآن مجید میں بھی موجود ہیں اور قرآن مجید سے قبل کتب میں بھی ان کا تذکرہ موجود ہے۔

امام زمانہ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اس دنیا میں آنے والے عذابوں کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ''قرآن کریم اور دوسری الٰہی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر لوگوں پر اسی دنیا میں عذاب کے طور پر موت اور ہلاکت وارد ہوئی ہے وہ صرف اس لئے نہیں وارد ہوئی کہ وہ لوگ حیثیت مذہب کی وجہ سے ناحق پر تھے۔ مثلاً بُت پرست تھے یا ستارہ پرست یا آتش پرست یا کسی اور مخلوق کی پرستش کرتے تھے۔ کیونکہ مذہبی ضلالت کا محاسبہ قیامت پر ڈالا گیا ہے اور صرف ناحق پر ہونے اور کافر ٹھہرانے سے اس دنیا میں کسی پر عذاب وارد نہیں ہوسکتا۔ اس عذاب کیلئے جہنم اور دار آخرت بنایا گیا ہے۔ بلکہ کافروں کیلئے یہ دنیا بطور بہشت کے ہے۔ اور مومن ہی اکثر اس میں دُکھ اور درد اُٹھاتے ہیں۔ الدنیا جنۃ الکافر وسجن المؤمن پس اس جگہ بالطبع یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس حالت میں دنیا جنۃ الکافر ہے اور مشاہدہ بھی اس پر شہادت دے رہا ہے کہ کفار ہر یک دنیوی نعمت اور دولت میں سبقت لے گئے ہیں اور قرآن کریم میں جابجا اس بات کا اظہار ہے کہ کافروں پر ہر ایک دنیوی نعمت کے دروازے کھولے جاتے ہیں تو پھر بعض کافر قوموں پر

عذاب کیوں نازل ہوئے۔اور خدا تعالیٰ نے ان کو پتھر اور آندھی اور طوفان اور وبا سے کیوں ہلاک کیا۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ تمام عذاب محض کفر کیوجہ سے نہیں ہوئے بلکہ جن پر یہ عذاب نازل نہیں ہوئے وہ تکذیب مرسل اور استہزاء اور ٹھٹھے اور ایذاء میں حد سے بڑھ گئے تھے اور خدا تعالیٰ کی نظر میں انکا فساد اور فسق اور ظلم اور آزار انتہاء کو پہنچ گیا تھا اور انہوں نے اپنی ہلاکت کیلئے آپ سامان پیدا کئے۔ تب غضب الٰہی جوش میں آیا اور طرح طرح کے عذابوں سے ان کو ہلاک کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیوی عذاب کا موجب کفر نہیں بلکہ شرارت ہے اور تکبر میں حد سے زیادہ بڑھ جانا موجب ہے۔اور ایسا آدمی خواہ مومن ہی کیوں نہ ہو جب ظلم اور ایذاء اور تکبر میں حد سے بڑھے گا اور عظمت الٰہی کو بھلا دے گا تو عذاب الٰہی ضرور اس کی طرف متوجہ ہوگا اور جب ایک کافر مسکین صورت رہے گا اور اس کو خوف دامن گیر ہوگا تو گو وہ اپنی مذہبی ضلالت کی وجہ سے جہنم کے لائق ہے مگر عذاب دنیوی اس پر نازل نہیں ہوگا۔ پس دنیوی عذاب کیلئے یہی ایک قدیم اور مستحکم فلاسفی ہے اور یہی وہ سنت اللہ ہے جس کا ثبوت خدا کی تمام کتابوں سے ملتا ہے جیسا کہ اللہ جل شانہ قرآن کریم (بنی اسرائیل:17) میں فرماتا ہے:

وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا۟ فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا ٱلْقَوْلُ فَدَمَّرْنَٰهَا تَدْمِيرًا○

یعنی جب ہمارا ارادہ اس بات کی طرف متعلق ہوتا ہے کہ کسی بستی کے لوگوں کو ہلاک کریں تو ہم بستی کے منعم اور عیاش لوگوں کو اس طرف متوجہ کرتے ہیں کہ وہ اپنی بدکاریوں میں حد اعتدال سے نکل جاتے ہیں۔پس ان پر سنت اللہ کا قول ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے ظلموں میں انتہا تک پہنچ جاتے ہیں۔تب ہم ان کو ایک سخت ہلاکت کے ساتھ ہلاک کر دیتے ہیں۔اور پھر ایک دوسری آیت (القصص:60) میں فرماتا ہے:

وَمَا كُنَّا مُهْلِكِى ٱلْقُرَىٰٓ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَٰلِمُونَ○ یعنی ہم نے کبھی کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر صرف ایسی حالت میں کہ اس کے رہنے والے ظلم پر کمربستہ ہوں۔''

(انوار الاسلام بحوالہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؑ اپنی تحریروں کی رو سے۔ صفحہ 1033-35)

دنیا میں یہ عذاب مختلف رنگوں میں آتے رہے۔قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری زمانہ میں مختلف ممالک کے ایک دوسرے پر حملوں کے ذریعہ سے بھی یہ عذاب ظاہر ہوگا۔

چنانچہ انجیل میں لکھا ہے:

''قوم پر قوم اور بادشاہت پر بادشاہت چڑھ آئے گی۔اور جگہ جگہ بڑے بڑے بھونچال آئیں گے۔ بھک مری اور اکال پڑے گا۔اور بھیانک چیزیں اور بڑے بڑے نشان ظاہر ہوں گے۔لیکن اب سب باتوں سے پہلے وہ میرے نام کے سبب (یعنی مسیح موعود کے ماننے کی وجہ سے۔ناقل) تم پر ہاتھ ڈالیں گے اور ستائیں گے۔اور عبادت خانوں اور قید خانوں میں لوگوں کے حوالہ کریں گے۔اور بادشاہوں اور حاکموں کے پاس کھینچیں گے۔اور یہ تمہارے لئے گواہی ٹھہرے گی۔''

(متی باب 21 آیت 10-19)

ہندوؤں کے مقدس مہاتما رویداس جی اپنے بھجنوں میں کلکی اوتار حضرت کرشن جی کی بعثت ثانیہ کا ذکر کرتے ہوئے عالمگیر عذابوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اکال مرتیو جگ ما ہیں ویاپے پرجا بہت مرے
دشٹ دشٹ کو ایسا کاٹے جیسے کیٹ مرے

''ترجمہ: قحط اور موتیں دنیا میں بہت ہوں گی جس کی وجہ سے مخلوق بہت مرے گی۔ظالم دوسرے ظالم کو ماریں گے اور وہ ایسے مریں گے جیسے کیڑے مکوڑے مرتے ہیں۔''

(سور ساگر بحوالہ چیتاونی صفحہ 102-103)

(1942ء۔مولانا پنڈت راج نارائن شاستری گوڑ گاؤں، پنجاب)

چنانچہ یہ عالمی جنگیں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے دور میں شروع ہوئیں۔جن کی پیشگوئی آپؑ نے 1905ء میں کی تھی۔آپ نے ان جنگوں کو زلزلوں سے تعبیر کیا ہے۔اور پھر ایسے پانچ زلزلوں کے آنے کی خبر دی تھی۔آپ کو اللہ تعالیٰ نے الہاماً فرمایا:

'' تازہ نشان۔تازہ نشان کا دھکا۔ زلزلة الساعة قو انفسکم

(تذکرہ صفحہ 534۔ایڈیشن چہارم)نزلت لك. لك تری آیات و نهدم ما یعمرون. قل عندی شهادة من الله فهل انتم مؤمنون كففت عن بنی اسرائیل. ان فرعون وهامان وجنودهما كانوا خاطئین۔ (تذکرہ صفحہ 537۔ایڈیشن چہارم) فتح نمایاں، ہماری فتح (تذکرہ صفحہ 543۔ایڈیشن چہارم) انی مع الافواج اتیک بغتۃ۔(تذکرہ صفحہ 543۔ایڈیشن چہارم) یہ الہام بار بار ہوا۔ پہاڑ گرا اور زلزلہ آیا۔(تذکرہ صفحہ 559۔ایڈیشن چہارم) آتش فشاں (تذکرہ صفحہ 563۔ایڈیشن چہارم) مصالح العرب، مسیر العرب (تذکرہ صفحہ 563۔ایڈیشن چہارم)عفت الدیار کذکری (تذکرہ صفحہ 566۔ایڈیشن چہارم)اریك زلزلة الساعة (تذکرہ صفحہ 609۔ایڈیشن چہارم) یریکم الله زلزلة الساعة (تذکرہ صفحہ 608-609۔ایڈیشن چہارم) لمن الملك الیوم لله الواحد القهار۔ (تذکرہ صفحہ 625۔ایڈیشن چہارم)

مذکورہ الہامات حضرت مصلح موعودؓ کی کتاب ’’دعوت الامیر‘‘ سے ماخوذ ہیں جن کا ترجمہ کرتے ہوئے حضورؓ فرماتے ہیں:

’’ترجمہ: قیامت کا نمونہ زلزلہ۔ اپنی جانوں کو بچاؤ۔ میں تیری خاطر نازل ہوا۔ ہم تیری خاطر بہت سے نشان دکھائیں گے اور جو کچھ دنیا بنا رہی ہے اس کو منہدم کر دیں گے۔ تو کہہ دے میرے پاس ایک گواہی اللہ کی طرف سے ہے کیا تم ایمان لاؤ گے۔ میں نے بنی اسرائیل کی مصیبت دور کر دی۔ فرعون اور ہامان ان دونوں کے لشکر غلطی پر ہیں۔ فتح نمایاں۔ ہماری فتح۔ میں فوجوں کے ساتھ تیرے پاس آؤں گا اور اچانک آؤں گا۔ پہاڑ گرا اور زلزلہ آیا۔ آتش فشاں پہاڑ۔ اہل عرب کیلئے ایسے راستے نکلیں گے کہ ان پر چلنا ان کیلئے مفید ہوگا اور اہل عرب اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوں گے۔ گھروں کو اس طرح اُڑا دیا جائے گا جس طرح میراذکر وہاں سے مٹ گیا ہے۔

اسی زلزلہ کی مزید تشریح آپ علیہ السلام نے اپنی ایک نظم میں فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

یہ زلزلہ ایسا سخت ہوگا کہ اس سے انسان اور دیہات اور کھیتوں پر تباہی آجائے گی۔ ایک شخص حالت برہنگی میں اس زلزلہ کی زد میں آجائے تو اس سے یہ نہ ہو سکے گا کہ کپڑے پہن سکے۔ مسافروں کو اس سے سخت تکلیف ہوگی۔ اور بعض لوگ اس کے اثر سے دور دور تک بھٹکتے نکل جائیں گے۔ زمین میں گڑھے پڑ جائیں گے اور خون کی نالیاں چلیں گی۔ پہاڑوں کی ندیاں خون سے سرخ ہو جائیں گی۔ تمام دنیا پہ آفت آوے گی اور کُل انسان بڑے ہوں خواہ چھوٹے اور کُل حکومتیں اس صدمہ سے کمزور ہو جائیں گی اور خصوصاً زار کی حالت بہت زار ہو جائے گی۔ جانوروں تک پر اس کا اثر پڑے گا اور ان کے حواس جاتے رہیں گے اور وہ اپنی بولیاں بھول جائیں گے۔

اس کے علاوہ آپ علیہ السلام کو الہام ہوا:

کشتیاں چلتی ہیں تا ہوں کشتیاں‘‘ (تذکرہ صفحہ 615۔ایڈیشن چہارم)

اور یہ بھی آپ نے لکھا کہ یہ سب کچھ سولہ سال کے عرصہ میں ہوگا۔ پہلے آپ کو ایک الہام ہوا تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ زلزلہ آپ کی زندگی میں آئے گا مگر پھر الہاماً یہ دعا سکھائی گئی کہ اے خدا مجھے یہ زلزلہ نہ دکھلا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جنگ 16 سال کے عرصہ کے اندر تو ہوئی (1914ء۔ ناقل) لیکن آپ کی زندگی میں نہ ہوئی۔‘‘

(بحوالہ دعوت الامیر۔صفحہ 317-318)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ نے جو ایسے پانچ خوفناک زلزلوں کی خبر دی تھی اس کے متعلق آپ کو الہام ہوا:

’’چمک دکھلاؤں گا تم کو اس نشاں کی پنج بار‘‘

اس وحیٔ الٰہی کا یہ مطلب ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ محض اس عاجز کی سچائی پر گواہی دینے کیلئے اور محض اس غرض سے کہ تا لوگ سمجھ لیں کہ میں اس کی طرف سے ہوں پانچ دہشتناک زلزلے ایک دوسرے کے بعد کچھ کچھ فاصلہ سے آئیں گے تا وہ میری سچائی کی گواہی دیں اور ہر ایک میں ان میں سے ایک ایسی چمک ہوگی کہ اسے دیکھنے سے خدا یاد آجائے گا۔ اور دلوں پر ان کا ایک خوفناک اثر پڑے گا اور وہ اپنی قوت اور شدت اور نقصان رسانی میں غیر معمولی ہوں گے جن کے دیکھنے سے انسانوں کے ہوش جاتے رہیں گے۔ یہ سب کچھ خدا کی غیرت کرے گی کیونکہ لوگوں نے وقت کو شناخت نہیں کیا۔ اور خدا فرماتا ہے کہ میں پوشیدہ تھا مگر اب میں اپنے تئیں ظاہر کروں گا اور میں اپنی چمکار دکھاؤں گا۔ ان نشانوں کے بعد دنیا میں ایک تبدیلی پیدا ہوگی اور اکثر دل خدا کی طرف

کھنچے جائیں گے۔ اور اکثر سعید روحوں پر دنیا کی محبت ٹھنڈی ہو جائے گی اور غفلت کے پردے درمیان سے اٹھا دئے جائیں گے اور حقیقی اسلام کا شربت انہیں پلایا جائے گا۔‘‘

(حضرت مرزا غلام احمد قادیانی اپنی تحریرات کی رو سے۔ صفحہ 1246)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ان زلزلوں اور جنگ عظیم کے متعلق بھی خبر دی تھی کہ ان میں ایسی ایٹمی طاقت کا استعمال ہوگا جس سے دنیا زیروزبر ہو جائے گی۔ چنانچہ دوسری عالمی جنگ میں امریکہ کی طرف سے جاپان پر چھوڑے جانے والے ایٹمی بم کے متعلق اور اس کی تباہ کاریوں کے متعلق دنیا نے دیکھ لیا ہے جس کے بدنتائج آج تک ظاہر ہو رہے ہیں۔

اس ایٹمی تباہی کی تفصیل قرآن مجید کی سورۃ الھمزہ میں بڑی تفصیل سے بیان کی گئی ہے جس کا ذکر حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے اپنی کتاب ’’الہام۔ عقل۔ علم اور سچائی‘‘ میں فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

’’عصر حاضر سے تعلق رکھنے والی بعض قرآنی پیشگوئیاں غیر معمولی طور پر عالمی اہمیت کی حامل ہیں۔ ان میں سے ایک ایسی ہی پیشگوئی ہونے والی ممکنہ ایٹمی تباہی سے متعلق ہے:

یہ پیشگوئی اس زمانہ میں کی گئی جب ایٹمی دھماکہ کا تصور کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا لیکن جیسا کہ ابھی بیان کیا جائے گا قرآن مجید کی بعض آیات میں بڑی صراحت کے ساتھ ایسے باریک ذرّات کا ذکر ملتا ہے جو بے انتہا توانائی کا منبع ہیں گویا کہ اپنے اندر جہنم کی آگ سمیٹے ہوئے ہیں۔ مندرجہ ذیل آیات حیرت انگیز حد تک عین اس مضمون پر روشنی ڈالتی ہیں:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۣ○الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ○يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ۚ﴿۳﴾ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِى الْحُطَمَةِ○وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ○نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ○الَّتِىْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ○ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ○فِىْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ○

’’ترجمہ: ہلاکت ہو ہر غیبت کرنے والے سخت عیب جُو کے لئے۔ جس نے مال جمع کیا اور اس کا شمار کرتا رہا۔ وہ گُمان کیا کرتا تھا کہ اُس کا مال اُسے دوام بخش دے گا۔ خبردار! وہ ضرور حُطَمَہ میں گرایا جائے گا۔ اور تُجھے کیا بتائے کہ حُطَمَہ کیا ہے۔ وہ اللہ کی آگ ہے بھڑکائی ہوئی۔ جو دلوں پر لپکے گی۔ یقیناً وہ اُن کے خلاف بند رکھی گئی ہے۔ ایسے ستونوں میں جو کھینچ کر لمبے کئے گئے ہیں۔‘‘

(الھمزۃ:2۔10)

یہ مختصر سورۃ حیرت انگیز پیشگوئیوں کا زبردست مجموعہ ہے جن کا اُس زمانہ میں کوئی تصور تک نہیں کر سکتا تھا۔ کیا یہ حیران کن بات نہیں ہے کہ بعض گنہگار حُطَمہ میں ڈالے جائیں گے۔ حُطَمہ سے مراد وہ مہین اور باریک ترین ذرّات ہیں جو ایک نیم روشن کمرے میں سے گزرتی ہوئی روشنی کی شعاع میں تیرتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔

مستند عربی لغات میں حطمہ کے دو بنیادی معانی پائے جاتے ہیں۔ ایک حطمہ ہے جس کا مطلب کسی چیز کو پیسنا یا ریزہ ریزہ کرنا ہے دوسرا حُطمہ جس کے معنی بے حقیقت سے چھوٹے ذرّات کے ہیں۔ گویا حُطمہ کسی چیز کو اس کے باریک ترین ذرات میں توڑنے کو کہتے ہیں۔

ان دونوں معانی کا جائز طور پر اطلاق ان باریک ترین ذرات پر ہو سکتا ہے جن کی مزید تقسیم ناممکن ہو۔ آج سے چودہ سو سال قبل ایٹم کا کوئی تصور موجود نہیں تھا لیکن صرف حُطمہ ہی ایک ایسا لفظ ہے جسے ایٹم کا قریب ترین مترادف قرار دیا جا سکتا ہے۔ دوسری جانب صوتی اعتبار سے بھی یہ دونوں الفاظ ملتے جلتے ہیں۔ انسان بھی اس دعویٰ پر حیران ہے کہ اسے حُطمہ میں جھونکا جائے گا کہ ایک اور پہلے سے بھی زیادہ حیرت انگیز دعویٰ سامنے آجاتا ہے۔

لفظ حُطمہ کی وضاحت کرتے ہوئے قرآن کریم اسے ایک ایسی بھڑکتی ہوئی آگ قرار دیتا ہے جو ایسے ستونوں میں بند ہے جو کھینچ کر لمبے کئے گئے ہوں۔ جب انسان کو اس میں جھونکا جائے گا تو یہ آگ پسلیوں کو نقصان پہنچائے بغیر براہ راست دل پر لپکے گی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آگ خاصیت کے لحاظ سے عام آگ سے یکسر مختلف ہوگی جو جسم کو جلانے سے پہلے ہی دل کی حرکت کو یوں بند کر دے گی جیسے اسے روکنے والی پسلیوں کا کوئی وجود ہی نہ ہو۔ نزول قرآن کے وقت یقیناً اس قسم کی آگ کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔

یہاں بیان کردہ تشریح ہی حیران کن نہیں، آگے آنے والی وضاحت اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے۔ جس آگ کا ذکر کیا گیا ہے وہ ایسے ستونوں میں بند ہے جو کھینچ کر لمبے کئے گئے ہوں۔ اور یہ آگ ایسے وقت میں انسان پر حملہ

آور ہوگی جب اس کا بے قابو ہونا مقدر ہوگا۔

یہ چھوٹی سی سورۃ حیرت انگیز امور پر مشتمل ہے۔اوّل یہ ذکر کہ ایک وقت ایسا آئے گا جب انسان چھوٹے چھوٹے ذرات میں جھونک دیا جائے گا۔پھرا ن ذرات کی وضاحت کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان میں ہے کیا؟ ان میں آگ ہے جو چھوٹے چھوٹے سلنڈروں میں بند ہے جنکی شکل لمبوترے بلند و بالا ستونوں جیسی ہے۔

چھوٹے ذرات میں جھونکے جانے کا یہ مطلب نہیں کہ صرف ایک آدمی ان میں ڈالا جائے گا بلکہ یہ وسیع معنوں میں بنی نوع انسان کیلئے استعمال ہوا ہے اور ان میں ڈالے جانے سے مراد وہ عذاب ہے جس میں اسے مبتلا کیا جائے گا جو اس کا مقدر ہے۔جب سے انسان نے ایٹم کا پوشیدہ راز دریافت کر کے اس میں موجود بے انتہا توانائی سے آگہی حاصل کی ہے۔ یہ بات قابل فہم ہوگئی ہے۔یہی وہ دور ہے جب باریک ترین ذرات میں چھپی ہوئی آگ باہر نکل کر ہزار ہا مربع میل علاقہ کو اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے۔اس کی زد میں آنے والی انسان سمیت ہر چیز تباہ ہو جائے گی۔چنانچہ یہ وہ بات جو آج سے چودہ سو سال قبل غیر حقیقی دکھائی دیتی تھی اسے آج کا بچہ بچہ جانتا ہے۔''

(بحوالہ کتاب ''الہام،عقل،علم اور سچائی 537۔539)

اب تک دنیا دو عالمی جنگوں کے خوفناک دور سے گزر چکی ہے۔اور آنے والی تیسری جنگ کے متعلق حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے چوتھے خلیفہ حضرت مرزا طاہر احمد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بزریعہ رویاء بتا دیا تھا کہ تیسری عالمی جنگ کی شروعات روس سے ہوگی۔ چنانچہ اب یہ جنگ روس کی طرف سے شروع ہو چکی ہے جو ممکن ہے کہ آئندہ آنے والی تیسری جنگ عظیم کا پیش خیمہ ہو۔ چنانچہ حضور انورؒ نے اپنے ترجمۃ القرآن میں سورۃ المائدہ کی آیات 115۔116 کے ترجمہ اور تفسیر بیان فرماتے ہوئے اس رویاء کا ذکر فرمایا ہے۔ جہاں حضور انورؒ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی امت پر نازل ہونے والے دسترخوان مائدہ کا ذکر کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا تھا کہ یہ دسترخوان اس وقت تک ہے جب تک آپ کی قوم اللہ تعالیٰ کی شکر گزار رہے گی ۔لیکن جب شکر گزاری ختم ہو جائے گی اور تکبر اس کی جگہ آجائے گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پھر میں ایسا عذاب دوں گا کہ دنیا میں کسی اور قوم کو ایسا عذاب نہیں دیا ہوگا۔حضور نے کئی سال قبل دیکھی اس رویاء کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''ابھی یہ رزق جاری ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ سزا ابھی اپنے کمال کو نہیں پہنچی۔وہ سزا جب اپنی تکمیل کو پہنچے گی جس کا ذکر کیا جا رہا ہے تو پھر یہ رزق والے معاملے تاریخ کا حصہ بن جائیں گے۔اور وہ ابھی آنے والی ہے۔اور مجھے ڈر یہ ہے کہ ان کو جو جلد جلد جرائم کی توفیق مل رہی ہے۔یعنی پچھلی جنگ عظیم کے بعد انہوں نے کافی سبق سیکھے، Morality پر زور دیا، Racism کے خلاف بہت مہمات چلائیں اور انسانیت کے حقوق پر غیر معمولی محنت کی۔اور جب سے رشیا کا Collapse ہوا ہے، اتنی جلدی یہ سبق پھیلانے لگ گئے ہیں کہ شاید ہی دنیا کی تاریخ میں کسی قوم نے اتنی محنت سے کمائے ہوئے سبق اتنی آسانی سے بُھلا دئے ہوں۔یہ ڈر والی بات ہے۔اس سے پتا چل رہا ہے کہ وقت قریب آ رہا ہے۔اس سلسلہ میں مَیں نے ایک دفعہ ایک رویاء بھی دیکھا تھا کہ جو میں دیکھ رہا ہوں وہ رشیا کا شمالی حصہ ہے۔اور وہاں ایک بلند پہاڑ ہے۔ میں وہاں کھڑا ہوں اور جو زمین کی ساخت کے ماہرین ہیں، جیولوجسٹ ان میں کوئی ایک چوٹی کا ماہر ہے جو مجھ سے سبق لینے کیلئے وہاں میرے ساتھ کھڑا ہے اور مجھے کہتا ہے کہ آئس ایج کس طرح تبدیل ہوتی ہے اور کس طرح پھر اس کے بعد دوسرا زمانہ آتا ہے۔وہاں سب برفیں جمی ہوئی ہیں اور سڑکیں بھی بنی ہیں اور نالیاں نالیاں سی جمی ہوئی ہیں۔وہ چوٹی تو ہے لیکن اس چوٹی کا حصہ پھیلا ہوا ہے جیسے سطح ہوتی ہے۔میں اس کو کہتا ہوں کہ یہ دیکھو یہ سب برف جمی ہوئی ہے۔یہ دیکھو کنارہ یہاں پہنچ کر جو برف کا دباؤ ہے وہ بالآخر برف کو پگھلا دے گا اور یہاں سے پھر پانی بہنا شروع ہوگا۔پھر تیزی کے ساتھ یہ عمل بڑھ جائے گا۔اور ایک دفعہ جب شروع ہوا تو یہ ساری برف پگھل کر پانی میں بدل جائے گی اور Age بدل جائے گی۔جو تم چاہتے ہو میں اس کو سمجھا کر کہتا ہوں کہ یوں برفیں پگھلتی ہیں اور یوں برف کا زمانہ نسبتاً گرم زمانوں میں تبدیل ہو جاتا ہے۔وہ تعجب سے میری طرف دیکھتا ہے اور کہتا ہے درست ہے یہ بات اور کہتا ہے کہ اب یہ بات میری سمجھ میں آئی ہے۔ حالانکہ جیالوجسٹ وہ ہے لیکن پوچھ مجھ سے رہا ہے جس سے صاف پتا چلتا ہے

کہ روحانی تبدیلی کی طرف اشارہ ہے۔اس کے بعد میں وہاں سے نیچے اترتا ہوں۔وہاں ہماری کار کھڑی ہے جیسے سفر کی تیاری ہو۔میں یہ دیکھتا ہوں کہ وہ جو رشیا کے پہاڑ ہیں وہ برف پگھلنے کی بجائے سارے پہاڑ بُھر بُھرے ہو جاتے ہیں اور چوٹیوں سے ڈھلکنے لگتے ہیں۔اور Wave After Wave جس طرح لہریں چلتی ہیں اس طرح پہاڑ نیچے اتر رہے ہیں۔جیسے کسی نرم چیز کے ڈھیر کو زیادہ اونچا کر دیا جائے تو وہ خود بخود ڈھلکنے لگتا ہے۔اور وہ ایک سمت میں آ رہے ہیں اور میں وہاں سے دیکھتا ہوں یہ نظارہ کہ ساری دنیا بھی بھاگی جا رہی ہے۔اور اس قدر Panic ہے کہ جیسے قیامت آ گئی ہے اور دیکھتا اس طرف ہوں جس طرف یورپ کا باقی حصہ ہے۔اور لوگ چھوڑ چھوڑ کر دوڑ رہے ہیں۔اور لگتا ہے کہ یہ جو بُھرتے ہوئے پہاڑ ہیں ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے۔اس وقت ہمارے ایک ساتھی کو گھبراہٹ ہوتی ہے کہ میں کیوں جلد نہیں چل رہا۔میں کہتا ہوں مجھے کوئی گھبراہٹ نہیں ہے، کوئی فکر نہیں ہے۔اللہ نے وہ رستے بنائے ہوئے ہیں جن سے میں آرام سے نکل جاؤں گا۔مجھے کوئی گھبراہٹ نہیں۔پھر میں بغیر کسی گھبراہٹ کے کار سٹارٹ کرنے لگا ہوں تو خواب ختم ہوتی ہے۔

اس سے میں سمجھتا ہوں کہ آئندہ جو جنگ عظیم آئے گی اس میں کوئی دھماکہ رشیا کیطرف سے پہلے ہوگا، کوئی آغاز وہاں سے ہوگا پھر جس طرح پہاڑ بُھرتے ہیں۔بعد میں مجھے خیال آیا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جو سورۃ طٰہٰ میں فرمایا ہے کہ:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا۝ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا۝ (طٰہٰ:106-107)

’’ترجمہ: اور وہ تجھ سے پہاڑوں کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ تُو کہہ دے کہ انہیں میرا ربّ ریزہ ریزہ کر دے گا۔پس وہ انہیں ایک صاف چٹیل میدان بنا چھوڑے گا۔‘‘

یہ تو بالکل اس کی تعبیر ہے۔وہ کھلا کھلا منظر آئندہ قوموں کی ترقی اور تنزل کا۔اور اسلام کے راستے میں جو حائل ہیں وہ آئندہ قومیں اسلام قبول کرنے کی سمت آمادہ ہوں گی۔جب ان کے تکبر ٹوٹ جائیں گے اور یہ رویاء دراصل اس کی تفسیر ہے۔تو ہو سکتا ہے کہ آغاز رشیا کی طرف سے ہو کسی وجہ سے۔ابھی تک تو انکی دوستیاں ہیں لیکن یہ دکھاوے کی دوستیاں ہیں۔حقیقت میں کوئی ایسا واقعہ ہو جائے، وہاں اندرونی انقلاب آ جائے، سخت گیر لوگ دوبارہ حاکم ہو جائیں اور کوئی اور ایسا واقعہ ہو جس کے نتیجہ میں دھماکے ہو جائیں۔نیز فرمایا یہ احتمالات نہیں ہیں بلکہ آئندہ ہونے والی حتمی باتیں ہیں۔

فرمایا اسی طرح قرآن مجید کی یہ آیت اشارہ کر رہی ہے کہ اس تیسری جنگ عظیم کے نتیجہ میں اللہ کا یہ فرمان پھر پورا ہوگا کہ:

قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ۝ (المائدہ:116)

’’ترجمہ: اللہ نے کہا کہ میں وہ تم پر ضرور اتاروں گا۔پس جو کوئی اس کے بعد تم میں سے ناشکری کرے تو میں اسے ضرور ایسا عذاب دوں گا جو تمام جہانوں میں کسی اور کو نہیں دوں گا۔‘‘

کہ میں پھر ایسا عذاب دوں گا کہ پھر جب سے زمانہ بنا ہے کسی قوم کو ایسا عذاب نہیں دیا گیا۔اور واقعۃً جو اٹامک وارفرنٹ ہے اس کا کوئی جواب نہیں لیکن یہ بھی خوشخبری ہے کہ احمدیوں کو اللہ تعالیٰ بچا لے گا۔‘‘

(درس القرآن حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ۔سورۃ المائدہ کی آیات 115-116 کا ترجمہ اور تفسیر)

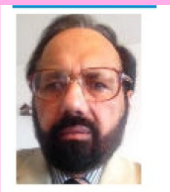
موجودہ روس اور یوکرین کی جنگ میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی مذکورہ رویاء من وعن پوری ہوتی ہوئی نظر آ رہی ہے کہ کس طرح روس کی جانب سے یوکرین کے علاوہ یورپ کے دیگر ممالک پر بھی جنگ کے خطرات منڈلا رہے ہیں۔یورپ کے لوگ آنے والے خوفناک تباہی سے بےچین نظر آ رہے ہیں۔یوکرین کی موجودہ تباہی اور اس کے شہریوں کا جنگ کے خوف سے پولینڈ اور یورپ کے دیگر ممالک کی طرف اجتماعی ہجرت کرنا اور وہاں کے شہریوں کی دن رات ہلاکتیں اور بستے ہوئے گھروں کا اجڑ جانا اور وہ لوگ جو پہلے عیاشی کی دولتوں سے مالا مال تھے اور جو کبھی ایسی بدحالی کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، آج ان کے ایسے خوفناک حالات کو دیکھ کر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی یہ خواب ہستی باری تعالیٰ، آنحضرت ﷺ، حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلافت احمدیہ کی صداقتوں کی عظیم الشان دلیل ہے۔

موجودہ امام جماعت احمدیہ سیدنا حضرت اقدس امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ

بنصرہ العزیز گزشتہ کئی خطبات سے دنیا کو آنے والی تیسری جنگ عظیم اور اس کے خوفناک نتائج سے ڈراتے چلے آرہے ہیں اور احباب جماعت کو دعاؤں کی تاکید فرمارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اہل دنیا کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کی باتوں پر کان دھرے۔ حضور انور تو کئی سالوں سے اس طرف توجہ دلا رہے ہیں۔ چنانچہ حضور انور نے جس جس رنگ میں محبت و پیار و ہمدردی سے بار بار دنیا کو توجہ دلائی ہے وہ خطبات و خطابات حضور انور کی کتاب World Crises Pathway to Peace میں شائع ہو چکے ہیں۔ ذیل میں اس کتاب سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔ دنیا کو ایک اور عالمی جنگ سے خبردار کرتے ہوئے حضور انور نے فرمایا:

''ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جب انسانی کوششیں ناکام ہو جاتی ہیں تب وہ قادر مطلق خدا انسانی قسمتوں کے فیصلے اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے تاکہ وہ اپنا فیصلہ ظاہر کرے اور لوگوں کو اس کی طرف جانے اور انسانی حقوق کے ادا کرنے کیلئے مجبور کرے۔ یہ بات بہت بہتر ہے کہ اہل دنیا خود ان اہم معاملوں کی طرف دھیان دیں کیونکہ جب اللہ کو ایسی کارروائی کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے تو اس کا غصہ انسان کو نہایت خوفناک ڈھنگ سے پکڑتا ہے۔ اس طرح یہ خوفناک پکڑ ایک اور عالمی جنگ کی شکل میں ظاہر ہو سکتی ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ آنے والی عالمی جنگ کے نتائج اور اس کی وسیع تباہ کاریاں صرف اس جنگ تک یا موجودہ نسل تک محدود نہیں رہیں گی بلکہ اس کے خوفناک نتائج آنے والی کئی نسلوں پر اثر انداز ہوں گے۔ پھر ایسی جنگ کے خوفناک نتائج اور اس کے اثرات نوزائیدہ بچوں پر اور مستقبل میں پیدا ہونے والے بچوں پر بھی پڑیں گے۔ موجودہ جدید ہتھیار اس قدر تباہی مچانے والے ہیں کہ مستقبل میں پیدا ہونے والی کئی نسلوں کے جسموں پر ان کے خوفناک نتائج پڑیں گے۔

جاپان ایک ایسا ملک ہے جن نے ایٹمی جنگ کے خوفناک نتائج دیکھے ہیں۔ آج بھی اگر آپ جاپان جائیں تو اس جنگ سے خوف اور نفرت ان کی آنکھوں میں دیکھیں گے۔ حالانکہ وہ ایٹم بم جو اس وقت استعمال کئے گئے تھے وہ آج کے ایٹمی ہتھیاروں، جو اس وقت بہت سے چھوٹے چھوٹے ملکوں کے پاس بھی ہیں، کے مقابلہ میں بہت معمولی تھے۔ کہا جاتا ہے کہ جاپان میں اگر



تجھے دل میں اتارا ہے

منیر احمد باجوہ

جو زمین میں ہے آسمان میں ہے
سب ہی رب کے فرمان میں ہے
جو خطا کبھی نہیں جاتا
وہ تیر میری کمان میں ہے
پیار جس کی کوئی مثال نہیں
وہ نگاہ مہربان میں ہے
اتنا سوچا نہیں تھا پہلے کبھی
جو آج میرے گمان میں ہے
جب تلک سانس چلتی ہے
زیست تب تک امتحان میں ہے
اڑتے اڑتے خواہ آساں چھو لو
چین بلبل بس گلستان میں ہے
عشق کا زخم رہے گا تازہ منیرؔ
کچا گھڑا جب تک دھیان میں ہے

چہ کہ اس واقعہ کو سات دہائیاں گزر چکی ہیں، آج بھی وہ ایٹمی اثرات دیکھے جا سکتے ہیں۔ آج بھی وہ ایٹمی ہتھیار نوزائیدہ بچوں پر اپنے بھیانک اثرات دکھا رہے ہیں۔

اگر کسی انسان کو گولی ماری جائے تو اس کا بچ جانا تو ممکن ہے لیکن اگر ایٹمی جنگ شروع ہو جاتی ہے تو جو بھی اس کی لپیٹ میں آئیں گے ان کی ایسی قسمت نہیں ہوگی۔ اس کے برعکس ہم دیکھیں گے کہ لوگ اچانک مرنے لگیں گے اور ایک جگہ جم جائیں گے۔ ان کی کھالیں پگھلنے لگیں گی۔ پینے کا پانی، کھانا اور سبزیاں سب زہر آلود ہو جائیں گی۔ وہ جگہیں جہاں پر سیدھے طور پر جنگ نہ

ہوگی وہاں پر بھی اور جہاں جنگ کے اثرات کچھ کم پڑیں گے وہاں پر بھی ایٹمی بیماریوں کے بھیانک نتائج پیدا ہوں گے اور مستقبل کی نسلوں کو کئی طرح کے خطرات سے گزرنا ہوگا۔

اس کے باجود آج کچھ مفاد پرست اور بے وقوف لوگ اپنی ایجادات پر بڑا فخر محسوس کر رہے ہیں اور انہوں نے دنیا کی تباہ کاریوں کیلئے جو کچھ ایجاد کیا ہے اس کو دنیا کیلئے ایک تحفہ کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔

ایک اندازہ کے مطابق دوسری عالمی جنگ میں 62 ملین لوگ مارے گئے تھے۔ بتایا جاتا ہے کہ مارے گئے لوگوں میں 40 ملین عام شہری لوگ تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فوج کی نسبت عام آدمی زیادہ مارے جاتے ہیں۔ یہ وہ تباہ کاری ہے جو جاپان کے علاوہ باقی جگہوں پر صرف عام ہتھیاروں کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس جنگ میں صرف بھارت میں 16 لاکھ لوگ موت کا شکار ہوئے تھے۔ لیکن آج حالات بدل گئے ہیں۔ آج جیسا کہ میں ذکر کیا کئی چھوٹے چھوٹے ملکوں نے بھی تباہ کار ایٹمی ہتھیار بنا لئے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر خوف کی بات یہ ہے کہ ایسے ہتھیار ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں بھی آ گئے ہیں جو صحیح شعور نہیں رکھتے یا جو آنے والی تباہی اور بربادی کا صحیح تصور نہیں کر سکتے۔ حقیقت میں ایسے لوگ انجام سے اس قدر لا پرواہ ہوتے ہیں کہ ذرا ذرا سی بات پر بندوقیں تان لیتے ہیں۔

پس اگر بڑی طاقتیں انصاف سے کام نہیں لیتیں اور چھوٹے ممالک کی نا امیدیوں کو ختم نہیں کرتیں اور اس سمت میں ٹھیک کاروائیاں نہیں کرتیں تو حالات ہمارے قبضہ سے باہر ہو جائیں گے۔ اور اس کے بعد جو تباہی بربادی پھیلے گی ہم اس کا تصور بھی کر نہیں سکتے۔

پس دنیا کے ممالک کو ان موجودہ حالات پر بہت فکر مند ہونا چاہئے۔ اسی طرح بعض مسلم ملکوں کے ناانصاف بادشاہ جن کا واحد مقصد کسی بھی قیمت پر اپنے تسلط کو قائم رکھنا ہے، انہیں بھی ہوش میں آنا چاہئے، ورنہ ان کی بداعمالیاں اور بے وقوفیاں ان کی بدانجامی کی وجہ بن جائیں گی۔

ہم جو جماعت احمدیہ کے ممبر ہیں دنیا اور انسانیت کو تباہی سے بچانے کیلئے اپنی انتہائی کوشش کرتے رہیں گے۔ یہ اس لئے کہ ہم نے موجود زمانے کے امام کو مانا ہے جسے خدا نے مسیح موعود بنا کر بھیجا ہے اور جو خدا کے رسول حضرت محمد ﷺ کا غلام تھا جو دنیا کی بھلائی کیلئے آیا تھا۔''

(خلاصہ خطاب حضور انور نویں سالانہ امن کانفرنس بیت الفتوح مارڈن۔24مارچ 2012ء بحوالہ World Crises and Pathway to Peace۔صفحہ نمبر 40تا45)

آج بھی جب دنیا ہلاکت کے گڑھے کے کنارے پر کھڑی ہے اور جنگ کی ابتداء و آغاز ہو چکا ہے اور ہر دل میں خوف ہے کہ نامعلوم دنیا کو کیسی تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا، حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اپنے خطبات میں اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ بھی دنیا کو بار بار توجہ دلا رہے ہیں کہ ابھی بھی ہوش کریں اور اللہ تعالیٰ کی طرف آئیں اور اپنے خالق کو پہچانیں اور اس کے ساتھ تعلق بنانے کی کوشش کریں تا یہ جنگ کے جو بھیانک خطرات منڈلا رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ٹال دے۔

اللہ تعالیٰ اہل دنیا کو وقت کے امام کے ہمدردی اور محبت سے بھرے ہوئے کلمات کو سننے اور ان قیمتی نصائح پر عمل کرنے کی توفیق بخشے تا کہ دنیا آنے والی جنگ کے خوفناک نتائج سے بچ جائے۔ ایسے خوفناک نتائج جن کی اذیتوں کو انسان سالوں تک محسوس کرے گا۔

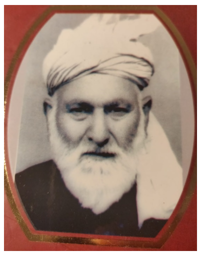
❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

بڑھتی رہے خدا کی محبت خدا کرے

کلام محمود

بڑھتی رہے خدا کی محبت خدا کرے
حاصل ہو تم کو دید کی لذت خدا کرے
توحید کی ہو لب پہ شہادت خدا کرے
ایمان کی ہو دل میں حلاوت خدا کرے
پڑ جائے ایسی نیکی کی عادت خدا کرے
سرزد نہ ہو کوئی بھی شرارت خدا کرے

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁



حضرت قاضی محمد یوسف فاروقی احمدیؓ صاحب کے کچھ خواب

مرسلہ: زبیدہ قاضی صاحبہ

یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ

ہیچ میدانی چہ در عمّان پیدامی شود
زیر آپشن لو ء لوءو مرجان پیدامی شود
قطرہ آبے کہ اندر رحم مادر جاء گرفت
قدرت حق بین کر زو انسان پیدامی شود
مولفہ قاضی محمد یوسف فاروقی احمدی

قاضی خیل ھوتی ضلع مردان (یکم مارچ 1958 بمطابق جمادی اوّل 1377ھ

مختصر سوانح حیات

خاکسار قاضی محمد یوسف احمد خلف الرشید قاضی محمد صدیق فاروقی حنفہ قاضی محمد نور خلف قاضی میر عبدالصمد خلف قاضی محمد قابل از نسل حضرت امیر المومنین سیدنا عمر فاروق اعظم علیہ الصلوۃ۔ خاکسار بروز یک شنبہ ۲۸ شوال المکرم 1300 بمطابق یکم ستمبر 1883 بمقام ہوتی ضلع مردان علاقہ یوسف زئی قاضی خلیل از بطن بیبی عارفہ دختر مولوی محمود صاحب دیگان خلیل مردان تولدّ ہوا۔ اس دن یکم ستمبر کو آسمان پر شفق سرک کا ظہور ہوا۔ جو قریباً چھ ماہ رہا۔ آسمان کے کنارے سرخ رہتے تھے۔ عیسائی یقین کرتے تھے کہ حضرت عیسیٰ کا نزول ہو گیا ہے اور مسلمان کہتے تھے کہ حضرت امام مہدی پیدا ہو چکا ہے۔
(دیکھو عسل مصفیٰ جلد دوم صفحہ 522،370)

اخبار جریدہ روزگار مدراس جلد 9 نمبر 37 مورخہ 15 ستمبر 1883 بمطابق 25 ذوالقعدہ 1300 میں شائع ہوا کہ آسمان پر سورج ماند پڑ گیا اور آفتاب پر خلافِ معمول بڑے بڑے سیاہ داغ یا گڑھے نمودار ہوئے اور تاریکی چھا گئی۔ اور لکھا کہ گزشتہ ہفتہ (یکم ماہ ستمبر 1883) سے 10 ستمبر جو حالات اور عجیب وغریب واقعتا وقوع میں آئے وہ ایسے میں کہ ہم کو دیکھنے یا سننے کا کم اتفاق شاید کم ہوا ہوگا۔ (عسل مصفیٰ جلد دوم ۲۶۸) جزیرہ جاوا میں آتش فشاں پہاڑ پھٹا اور نار من قبل المشرق کا ظہور ہوا اور کئی دنوں تک مشرق سے روشنی دور دور تک نظر آتی تھی۔ دیکھو جزیرہ روزگار مدراس جلد 9 نمبر 38 مورخہ 19 ذوالقعدہ 1300 بمطابق 22 ستمبر 1983ا (عسل مصفیٰ جلد دوم صفحہ 229) نار من قبل المشرق کے اعداد کے ساتھ یوسف کے عدد جمع کرلو تو 1300ا کا سن بنتا ہے۔ (این سعادت بزورِ بازو نیست۔ تانہ بخشد خدائے بخشند)

پہلی رؤیا بعمر دس سال

ایک رات رؤیا میں دیکھتا ہوں کہ سرسبز مقام میں ایک بلند پہاڑ ہے جو شرقاً غرباً واقع ہے اور اس پہاڑ سے جنوب کی جانب ایک کھلا سرسبز میدان ہے۔ جنوب کے کچھ فاصلہ پر ایک صاف اور شفاف پانی کا دریا مشرق سے موجیں مارتا ہوا مغرب کو بہہ رہا ہے۔ میں اس پہاڑ کی بلند چوٹی پر روبہ مشرق سینہ تان کر کھڑا ہوا اور یرے دونوں ہاتھ سیدھے پھیلے ہوئے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں آسمان سے آفتاب کرہ اترا اور میرے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر پڑا ہوا ہے۔ جو بلور کی طرح چمک رہا ہے اور ماہتاب بدر کا کرۂ آسمان سے آہستہ آہستہ آرہا ہے اور میرے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر اترتا ہے میرے ہاتھ کا اور کرۂ ماہتاب کا کوئی تین فٹ کا فاصلہ باقی ہے۔ اتنے میں میری آنکھ کھل گئی۔ 1900 میں جب میں اپنے ماموں مولوی عبدالودود صاحب کے معیت میں اپنے پہلے سفر مردان سے دیر جا رہا تھا۔ اُس وقت عمرا خان شکست کھا کر کابل چلا گیا تھا اور سوات، دیر اور چترال حکومتِ برطانیہ کے تحت آ چکا تھا۔ ہم بٹ خیلہ سے آگے نکل کر چکدرے جا رہے تھے کہ میری اس بلند پہاڑ پر نظر پڑی جس کے دامن میں موضع باذوان واقع ہے۔ یہ پہاڑ شرقاً غرباً واقع ہے اس کے جنوب میں وسیع سرسبز میدان ہے جس میدان میں بٹ خیلہ سے شمال اور باذوان سے جنوب کو دریائے سوات کا صاف اور شفاف پانی مغرب کو بہہ

رہا ہے۔خاکسار نے یہ نظارہ دیکھتے ہی ماموں صاحب سے کہا یہ نظارہ خاکسار نے دو تین سال ہوئے خواب میں دیکھا ہے۔حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی اپنے بچپن میں اس قسم کا رؤیا دیکھا تھا انہوں نے یہ رؤیا والد کو اس طرح سنایا۔

يٰٓاَبَتِ اِنِّىْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِىْ سٰجِدِيْنَ۝ (سورۃ یوسف آیت 4)

والد نے کہا لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ۔حضرت یوسف نے اس رؤیا میں گیارہ ستارے ،سورج اور چاند کو اپنی طرف سجدہ کرتے دیکھا۔والد نے کہا کے اے فرزند اپنی رؤیا اپنے بھائیوں پرمت ظاہر کرہ۔

تعبیر خواب

یہ خواب میں نے سب سے پہلے 15 جنوری 1907 کے بعد حضرت مرزا محمد اسماعیل قندھاری کو سنائی جس نے فرمایا کہ خواب بہت اچھی ہے مگر کسی پر ظاہر مت کرو۔15 مئی 1906 کے بعد بذریعہ خط بدوران قیام حضرت احمد علیہ السلام کو لکھ کر دریافت کیا۔حضرت احمد علیہ السلام نے بھی فرمایا خواب اچھی ہے۔(ظہور احمد موعود صفحہ 83)

واقعات پیش آمدہ نے یہ تعبیر آیت کی

1۔رؤیا میں بلند پہاڑ سے مراد بلندی اور عظمت کا مقام ہے اور اس پر کھڑا ہونے سے مراد احمدیت کا مقام رفیع ہے جو خدا تعالیٰ کے علم میں ہے۔خاکسار کا ایک الہام ہے،اعلی اللہ مقامکم۔یعنی خدا تعالیٰ نے تمہارا مقام بلند کر دیا۔الحمد اللہ علیٰ ذالک۔حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے سالہا سال صوبہ صوبہ سرحد کا امیر الامرا مقرر کیا اور اس عہدہ پر جلیل پر سرفراز فرمایا۔ذالك علی اللہ یعزیز۔

2۔مشرق کی طرف منہ کر کے کھڑے ہونا۔مشرق (قادیان) سے ماہتاب یا بدرِ کامل حضرت احمد علیہ السلام نے 1300 کے سر پر ظہور ہونا تھا۔جو آفتاب حضرت محمد ﷺ کے انوار سے حضور ان کا عکس ہو کر آنا تھا۔سیدنا محمد نے حضرت احمد کے ظہور۔اولی الی المشرق۔مشرق کا مقام ظہور بتایا۔حضرت نبی نے بھی باب 41 آیت 1 میں فرمایا کہ کس نے مشرق میں صادق کو ظاہر کیا۔حضرت احمد علیہ السلام بھی قصیدہ الہامیہ میں فرماتے ہیں۔

3۔کرۂ آفتاب کا دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر موجود ہونا ظاہر کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے سیدنا حضرت محمد ﷺ کا امتی تابع بنا کر پیدا کیا اور کرۂ ماہتاب کا تین فٹ کے فاصلے پر ہونا بتاتا ہے تین سال بعد 1901 میں احمدیت قبول کرنے کی تفقیق ملے گی۔سب سے پہلے جس کے ذریعہ احمدیت سے واقف ہوا وہ میرا اہم جماعت فضل الرحمن تھا۔الحمد اللہ۔آفتاب اور ماہتاب میں حضرت محمد ﷺ اور حضرت احمد کا جو باہمی روحانی تعلق ہے وہ ظاہر ہے۔یہی مشرق سے بحرِ زخار کا صاف اور شفاف ہو کر آنا انوارِ احمدیت کا قادیان سے مغرب کے ممالک پر نور افگن ہونا مراد ہے جو خدا کے فضل وکرم سے وہاں تبلیغ اور اشاعت ہو رہی ہے۔

دوسری رؤیا 191 رؤیا

حضرت نوری رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں خاکسار نے پشتو زبان میں افغان میں تبلیغ کا آغاز کیا اور چند رسائل۔وفات مسیح،آثار قیامت،نزول المسیح، عقیدہ احمدیہ،خروج دابتہ الارضی،خروج یاجوج ماجوج،خروج الدجال،تحفتہ النبوہ،اور ضمیمے تحریر کئے جس کا نام ۔’’ابلاغ حق‘‘ رکھا۔رسالہ الاسلام تحریر فرمایا اور حقیقتہ المہدی شائع کی۔ان کتب کے دوران تحریر میں خاکسار نے دو رؤیا دیکھے۔

1۔ایک رات دیکھا درواز ہدروازہ کوہاٹی کے قریب قبرستان پری چہرہ کے شمالی جو سڑک جہانگیر پورہ سے چوک ناصر خان کو جاتی ہے۔دلاور خان کے مکانات کے سامنے سڑک کے درمیان حضرت احمد علیہ السلام نے زمین سے نصف دھڑ باہر نکالا ہوا ہے اور رو بہ قبلہ ہیں۔مَیں ان کے سامنے رو بہ مشرق کھڑا ہوں اور میرے ہاتھ میں کاغذ اور قلم ہیں اور حضرت احمد علیہ السلام کے دہن مبارک کو بطور دوات استعمال کرتا ہوں۔

2۔اسی رات اس کے بعد دیکھا کہ پری چہرہ کے کنارہ ایک دکان لبِ سڑک واقع ہے جس میں ایک سیّد میوہ فروش خشک میوہ کی دکان کیا کرتا تھا۔اس دکان میں سفید چاندنی کا فرش ہے اور حضرت احمد علیہ السلام بمعہ چند

رفقاء کے تشریف فرما ہیں۔خاکسار پیش ہوا تو مصافحہ کے بعد ایک سفید پرچ میں کوئی سفید چیز دی جو شہد اور ملائی سے ملی ہوئی تھی۔یہ کہا کہ کھا۔جب میں نے وہ چیز کھائی تو میرے منہ میں اس کا لذیذ مزہ جاگتے پر بھی محسوس ہو رہا تھا۔یہ رؤیا بھی 1911 کا ہے۔حضرت مولانا غلام حسن رضی اللہ عنہ ساکن پشاور کو رؤیا سنائی۔آپ نے فرمایا کہ جو کچھ آپ نے تحریر کیا ہے یہ حضرت احمد علیہ السلام کا ہی منشا ہے اور وہ پرچ میں تحفہ اظہار خوشنودی ہے۔

تیسری رؤیا حضرت نورالدین اعظم رضی اللہ عنہ کی

خاکسار نے دسمبر 1913 کو پشتو کتب کا مجموعہ مجلد کرا کے قادیان میں بد دوران ملاقات پیش کیا۔آپ نے یہ تحفہ قبول کیا۔دوسرے دن عند الملاقات فرمایا کہ میں نے رات سارا مجموعہ پڑھا۔میں بنوں میں رہا ہوں۔پشتو سمجھ اور پڑھ لیتا ہوں۔جزاک اللہ احسن الجزاء فرمایا۔خاکسار نے ایک چٹ پر بغرض دعا چند احباب پشاور کے نام پیش کئے۔حضرت نورالدین اعظمؓ نے چٹ کے پشت پر تحریر فرمایا۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

انشاء اللہ۔بہت دعا کروں گا۔آپ بھی دعا کریں۔ایک رؤیا ہے حضرت عمر فرماتے ہیں۔ایران برباد ہو گیا گو مجھے قبرا کرتے ہیں مگر اس کی پرواہ نہیں اب فوجیں جمع کرتا ہوں۔خدا کرے تم بھی افسر ہو جاؤ۔تحریر 28/29 دسمبر 1913 یہ تحریر میرے پاس اب تک محفوظ ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانی بخدمت محمود احمد فضل عمر یا مثیل عمر فاروق ہیں۔ایران سے مراد جماعت کا باقی طبقہ ہے۔جو خلیفہ وقت کے باغی ہوئے۔فوجوں سے مراد مبلغین ہیں جو بغاوت کا مقابلہ کر رہے تھے۔حضرت نورالدینؓ نے آرزو کی کہ خاکسار بھی اس فوج مجاہدین کا افسر بن جائے۔خدا تعالیٰ کے 1951 سے 1958 تک امیر الامرا ہوں اور مولوی محمد علی اور اس کے رفقاء کا تحریراً تیراً مقابلہ کیا۔خاکسار نے 15 جنوری 1903 سے مئی 1908 تک حضرت احمد علیہ السلام سے وقتاً فو وقتاً دعا کرائی۔حضرت نور الدین اعظمؓ نے مئی 1908 لغایت مارچ 1913 بہت دعا خاکسار کے حق میں کی۔حضرت محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بھی خاکسار کے واسطے 1910 لغایت نومبر 1958 خوب دعائیں کیں۔

چھوتی رؤیا 1914

رؤیا میں دیکھا کہ ایک پہاڑ ہے جو مشرق سے مغرب کی طرف پھیلا ہوا ہے۔اس پہاڑ میں ایک پہاڑ ہے جو شمالاً جنوباً واقع ہے۔حضرت نورالدینؓ اور خاکسار دونوں محفوظ ہیں۔اور دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر نظارے دیکھ رہے ہیں۔

پانچویں رؤیا جولائی 1914

رؤیا میں دیکھا کہ حضرت مولانا غلام حسن صاحبؓ کے مردانہ مکان میں محترم مرزا نذر علی خان صاحب انگھٹی کے قریب روبہ مشرق دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے ہیں ان کے گلے میں قیمتی لوہے۔مگر نچلے حصہ بدن پر پاجامہ نہیں اور ستر عورت نظر آتا ہے اور بے پردہ ہو رہے ہیں میں نے ان سے اس وقت کچھ باتیں کہیں۔مگر اس وقت یاد نہیں کیا کیا کہا۔یہ رؤیا میں نے ان دنوں محترم مرزا نذر علی خان اور اُس وقت کے احباب کو سنادی تھی۔واللہ اعظم

چھٹی رؤیا فروری 1915

رؤیا میں دیکھا کہ ہمارے گھر واقع کوچہ گلباد شاہ شہر پشاور میں ایک چارپائی پر میرے بیٹے محمد ایوب کے ساتھ ایک اور لڑکا چھوٹا سا کپڑوں میں لپٹا ہوا پڑھا ہے۔میرے دل میں ڈالا گیا کہ یہ میرا دوسرا لڑکا ہے۔بعد ازاں چارپائی پر چڑھ کر گہوارہ میں دیکھا جو مکان ے چھت کے معلق ہے کہ گہوارہ میں رو اور خوبصورت شیر خوار بچے سو رہے ہیں۔مگر دل میں گزرا کہ یہ ہمارے خاندانی ہیں ہمارے بھائی قاضی محمد شفیع صاحب کے لڑکے ہیں۔

یادداشت۔عزیز محمد ایوب جان 1915 میں محمد یونس خان جان 1917 میں فوت ہو گئے۔اس کے بعد محمد ایوب جان ثانی پیدا ہوئے۔8 اپریل 1930 میں اور بچپن میں فوت ہو گئے۔قاضی محمد شفیع صاحب کے بچوں میں سے عزیز محمد اسحاق پیدا ہوا۔اور بچپن میں فوت ہوا۔اور پھر قاضی محمد اسماعیل اور عزیزم قاضی اسرائیل پیدا ہوئے۔یہ دونوں خدا تعالیٰ کے فضل سے زندہ موجود ہیں۔

ساتویں رؤیا فروری 1915

رؤیا میں دیکھا کہ ایک مکان ہے جس کے اندر مولانا غلام حسن خان رضی اللہ عنہ اور چند اور دوست حلقہ بنا کر بیٹھے ہیں اور خشک خرمہ کے ساتھ ایک چادر

میں ختم کر رہے ہیں اور مرزا غلام سرور صاحب مثل خوان جہانگیر پورہ شہر پشاور روزانو ہو کر ننگے قبلہ کی طرف پشت کر کے منہ حضرت مولانا کے طرف رخ کر کے بیٹھے ہیں اور مجھ کو بھی شریک ختم ہونے کے لئے کہتے ہیں۔خاکسار نے کہا کہ ہم لوگ حضرت احمد علیہ السلام کی بیعت کر چکے ہیں ان ختموں اور حلقوں سے فارغ ہو چکے ہیں۔اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ مرزا عبدالرحیم صاحب احمدی ساکن محلہ قاضی خیلوں شہر پشاور میرے اور حضرت مولانا کے درمیان تشریف فرما ہیں۔فرماتے ہیں کہ ہم تو خرمانیاں کھانا چاہتے ہیں ختم وتم ہم نہیں جانتے ختم کرنے والوں سے جو دانہ خرما کا گرتا ہے اس کو اٹھا کر کھا جاتے ہیں۔

آٹھویں رؤیا 3 جنوری 1915

رؤیا میں دیکھا کہ میں ایک چارپائی پر بیٹھا ہوں اور کوئی شخص میرے دونوں ہاتھوں میں ایک شیر خوار بچہ دے رہا ہے کہ یہ لو یہ تیرا بیٹا ہے۔الحمداللہ علی ذلک

نویں رؤیا 3 فروری 1915

رؤیا میں دیکھتا ہوں کہ ایک اونٹ میرا تعاقب کر رہا ہے۔جب وہ اونٹ میرے قریب پہنچا تو میں نے اس کی گردن پکڑ لی اور مروڑ لی۔اور ایک ضرب کاری سے اس کو بیکار کر دیا۔فالحمداللہ علی ذالک

دسویں رؤیا 3 فروری 1915

رؤیا میں دیکھا کہ میں ایک ایسے مقام پر بیٹھا ہوں۔جہاں ایک شیر رہتا ہے۔اور کوئی شخص مجھے کہتا ہے کہ تمہیں ایک شیر دکھاتا ہوں۔جو احمدی ہیں اتنے میں ایک شیر آیا اور مجھ سے بلّی کی طرح پیار کرنے لگا۔اور نہایت پیار سے کبھی میرے دائیں جانب سے ہو کر میرے پیٹھ پر دونوں ہاتھ رکھ کر بائیں جانب پھاندجاتا ہے کبھی بائیں جانب سے دائیں جانب۔میں زمین کی طرف دیکھ رہا ہوں۔جب میں شیر کی تصویر کو مکمل کر دیا تو کیا دیکھتا ہوں وہ قیصر ہند جارج پنجم کی شکل ہے یا نکولس زار روس کی۔پر میں نے اس شیر کو یہ تصویر دکھا کر ہٹا دیا۔

گیارہویں رؤیا فروری 1915

رؤیا میں دیکھتا ہوں کہ میری ہمشیرہ مرحومہ (بی بی مریم) پشاور آئی ہے۔جس وقت وہ ہمارے گھر میں داخل ہوئی تو میں اپنی چارپائی پر بیٹھا ہوا تھا۔کیا دیکھتا ہوں کہ اس کی گود مین میرا ایک لڑکا ہے۔میں نے پوچھا اس کا کیا نام ہے وہ کہتی اس کا نام ابھی نہیں رکھا تب میں نے اس کا نام مسیح الزماں تجویز کیا۔

ہماری ہمشیرہ مریم پندرہ سال کی عمر میں بیاہی گئی اور دو سال کے اندر 1915 میں فوت ہوئی ایک شیر خوار بچہ نثار احمد یادگار رہا جو دو سال کے بعد مر گیا۔

بارہویں رؤیا 24 فروری 1915

صبح کے قریب رؤیا میں دیکھا کہ ایک راستہ میں سے جو ایک پہاڑ کے درّہ میں سے گزرتا ہے۔گزر کر میں ایک میدان میں داخل ہوا۔اس درّہ کا ایک پہاڑ پس میدان سے مشرق کی طرف سے مغرب کو شمال کی طرف سے جاتا۔دوسرا شمال کو جنوب کی جانب مشرق سے جاتا ہے اور سڑک درہ سے نکل کر شمال سے جنوب کو پہاڑ کے ساتھ ساتھ جاتی ہے۔اور اس میدان میں اترتی ہے۔جب میں س میدان میں آیا تو وہاں ایک وسیع مکان پایا۔جس کے باہر میں نے گاڑی کی قسم کی ایک موٹر میں سوار تھا۔وہاں اترا اور میرے ساتھ ایک ساتھی بھی ہے اُس کو ساتھ لیا مگر اس وقت میرے سر پر پگڑی نہ تھی۔میں کہیں بھول آیا تھا۔میں نے خیال کیا کہ اس مکان میں گو بڑا جلسہ ہے اور معزز لوگ جمع ہیں شاید یہ لوگ خلاف تہذیب خیال کریں کہ میں کہیں ننگے سر جا رہا ہوں۔اتنے میں میرے ساتھی نے ایک زریں ٹوپی پہننے کو دی تب ٹوپی سر پر رکھ کر اس مکان میں داخل ہوا۔وہاں ایک شخص نے دریافت کیا کہ تمہارے پاس یہاں داخل ہونے کا ٹکٹ ہے میں نے کہا کہ میں اس جلسہ کے مہتمم مفتی خدا محمد یا مفتی داؤد کو جانتا ہوں۔میں نے کہا کہ داخل ہو جاؤ۔

تیرھویں رؤیا جنوری 1915

دسمبر 1914 کے آخر یا جنوری 1915 کے آغاز میں ایک رؤیا دیکھی کہ میں اپنی مکان واقع کوچہ گل بادشاہ شہر پشاور کی چھت پر پریشان ہوں۔کیا دیکھتا ہوں زصف النہا دسمت اس پر ایک بڑا سرخ اور روشن ستارہ ہے۔جو ایک کڑک کی آواز کے ساتھ اپنی مقام سے چھوٹ کر مغرب کی طرف گرتا ہوا چلا گیا۔کسی قدر عرصہ کے واسطے نصف النہاد اور مقام افق کے درمیان جا ٹھہرا

اور متحرک رہا۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ مغرب کی طرف سے چند موٹروں کے چلنے کی آواز آئی اور دور سے چیلوں کی طرح چند طیارے اترتے نظر آئے۔ پھر اچانک میں نے اپنی مکان پر اور گرد و پیش کے مکانات پر منڈلاتے دیکھا۔ جب میں نے نظر کی تو چند فوجی افسروں کو وردی میں اُن میں بیٹھے ہوئے پایا۔ ایک ان میں سے ہمارے مکان سے مغرب کو کوچہ میں گرتے یا اترتے پایا۔

چودھویں رؤیا 5 مئی 1919

دارالکتب احمدیہ بالا خانہ بازار جہانگیر پورہ شہر پشاور میں رؤیا میں دیکھا۔ ایک مکان ہے جس کے دو بلند دیواروں پر چھت ہے ایک طرف ایک آباد مقامی ہے بالمقابل دوسری طرف کھا میدان ہے۔ درمیاں میں جو زمین واقع ہے۔ نصف حصّہ میں ایک قبر ہے۔ باقی نصف دوسرے قبر کے واسطے چھوڑ دی گئی ہے۔ وہ قبر زمین سے ہموار ہے۔ وہاں حکیم فیروز الدین خلف الرشید مولوی منہاج الدین ساکن کوٹ نجیب اللہ ہزارہ بھی موجود ہیں اور کہتے ہیں کہ قاضی مظہر الحق احمدی (برادر حکیم فیروز الدین) جو اسلامیہ کالج میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ جس کو حاسد نے دوائی میں زہر ملا کر پلا دیا۔ اور اس زہر کے اثر سے شہید ہوئے، یہ قبر اس کی ہے اس کے اندر سے حرکت کی آواز آتی ہے جیسے کوئی شخص زمین کو لاتیں مار رہا ہو۔ جب میں نے اس زمین کی طرف کان لگایا تو مجھے وہ آواز محسوس ہوئی۔ میں حکیم صاحب سے کہتا ہوں کہ یہ قبر ضرور کھولنی تھی یا ایک طرف روشن دان لگا کر ہوا کا انتظام کرنا تھا۔ ممکن ہے مظہر الحق اس میں زندہ دفن ہو گیا ہو۔ جب حکیم صاحب نے قبر سے مٹی ہٹائی تو مظہر الحق کا تابوت نظر آیا جو سطح زمین کے قریب تھا جو مٹی سے ڈھکا ہوا تھا۔ جب حکیم صاحب نے تابوت کا اوپر کا تختہ الگ کیا تو میں نے کیا دیکھا کہ عزیز مظہر الحق تابوت میں لیٹا ہوا ہے۔ اس کے سر پر سیاہ چمڑے کی ٹوپی ہے اور اس کی آنکھیں چشم خانہ میں حرکت کرتی ہیں اتنے میں مظہر الحق نے دونوں ٹانگیں اٹھا کر کنارہ تابوت پر رکھ لیں اور اچانک کھڑا ہو گیا حکیم صاحب سے بغل گیر ہوا۔ میں نے بغرض مصافحہ اپنا ہاتے بڑھا لیا جب مظہر الحق نے بھی ہاتھ بڑھایا تو میں نے اس کا ہاتھ چوم لیا۔ مظہر الحق قبر سے نکل کر ایک چار پائی پر جا بیٹھا۔ جو بلند سطح پر بچھی ہوئی تھی۔ رؤیا میں دونوں پاؤں زمین کی جانب لٹکا دیے۔ حکیم صاحب بھی اس چار پائی کے اسفل کی طرف بیٹھ گئے۔ اس وقت میں نے کسی احمدی سے کہا کہ جلدی جا کر پیر محمد زمان شاہ نانوتوی کو کہہ دو کہ قاضی مظہر الحق زندہ ہو گئے ہیں۔ مگر دل میں گزرتا ہے کہ اسکو اس واقعہ کا یقین کس طرح ہوگا۔ میں مظہر الحق سے مخاطب ہو کر کہتا ہوں کہ

پندرہواں رؤیا 1930

1930 کے قریب رؤیا میں دیکھا ایک بالا خانہ ہے لکڑی کا بنا ہوا ہے اور ہلکا نیلا رنگ ہے لکڑی کی سیڑھی ہے۔ بالا خانہ کے اوپر سے کوئی شخص دودھ اور ملائی کا ملا ہوا گاڑھا مرکب ٹن کا کنستر بھرا ہوا ہے اور مجھے دے رہا ہے۔ میں نے وہ کنستر تھام لیا اور کھڑے کھڑے سارا کنستر پی لیا۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ دلاور خان نے دیا ہے۔ علم تعبیر کی روح سے دودھ سے مراد علم ہے، سیدنا محمد ﷺ نے بھی معراج میں دودھ ہی کو ترجیح دی تھی۔ الحمد اللہ علی ذلک۔

سولہویں رؤیا 1931

جب میری پہلی بیوی کی ابتداء کی اولاد تین لڑکے اور دو لڑکیاں یکے بعد دیگرے فوت ہو گئے تو خاکسار نے ارادہ کیا کہ سید حیات علی شاہ مرحوم کی چھوٹی بیوہ جو میر حبیب اللہ شاہ کی دختر تھی سے نکاح کر لوں۔ کچھ گفتگو ہوئی۔ جس نے میر حبیب اللہ کو تردد میں رکھا۔ وہ راضی تھا مگر پیر سرور شاہ صاحب غیر سیّد کو دینا خلاف رواج جانتا تھا۔ وہ ساقط تھا۔ میں ان دنون میر احمد شاہ ساکن پشاور کے خلاف، جس کی لڑکی میر حمایت شاہ کی بڑی بیوی تھی۔ وہ وراثت کی تقسیم میں لیت ولعل کر رہا تھا۔ اور خاکسار میر حبیب اللہ شاہ کی حمایت کر رہا تھا۔ اس واسطہ میر حبیب اللہ صاف بات نہ کرنا چاہتا تھا۔ حالانکہ حضرت علیؓ نے ام کلثوم اپنی لڑکی حضرت عمر کو نکاح میں دی تھی۔ سید سرور شاہ کشمیری نے اپنی لڑکی خلف حضرت نور الدینؓ کو دی تھی۔ بخارا سے واپس قادیان آئے تو 1932 کے جلسے کہ اختتام پر میرا نکاح قادیان میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے پڑھا اور ستمبر 1925 میں رخصتانہ ہوا مجھے خدا تعالیٰ نے نعم البدل بیوی دی۔ فالحمد اللہ علی ذالك۔

ستارھویں رؤیا یا کشف 1918

ہمارے مکان واقع پشاور شہر کا واقعہ ہے کہ میرے والد نے مرض الموت میں تین دن قبل جبکہ انکا سر مغرب کو تھا اور پاؤں مشرق کو مشرق کی طرف اشارہ کرکے فرمایا دیکھو یہ کیسی خوبصورت مسجد بن گئی ہے باہر جا کر دیکھا تو خاکسار نے پوچھا کہ مسجد کہاں ہے آپ نے پھر ہاتھ سے مشرق کی طرف اشارہ کیا کہ دیکھو یہ مسجد یہ تم کو نظر نہیں آتی۔فروری 1918 کو وہ فوت ہوئے۔1919 میں خاکسار نے ہمارے مکان سے جانب مشرق ملحق مکان خریدا اور 1920 میں باقی حصص مکانات خریدے اور 1921 میں مسجد احمدیہ پشاور بڑی خوبصورت وہاں بنی جہاں ہمارے والد نے کشف میں دیکھی تھی۔الحمد اللہ

اٹھارویں رؤیا 1926

عزیز محمود احمد کوئی تین سال کا ہوگا کہ بخار اور پیچس نے ایک لمبا عرصہ سے اسکی صحت خراب کردی اور روز بروز حالت خطرناک ہوتی گئی میں ان دنوں چیف کمشنر صوبہ سرحد سر نارمن بولٹن کے ساتھ ناظر تھا اور موسم گرما 1922 میں نتھیا گلی ہزارہ میں تھا۔ڈاکٹر امام علی صاحب اسسٹنٹ سرجن علاج کرتے رہے اس نے کالا باغ کے سول سرجن سے بھی مشورہ کیا لیکن دونوں نے لا علاج بتا کر پشاور لے کر جانے کا مشورہ دیا۔میں نے بذریعہ ایک رقعہ کے لیڈی بولٹن کو حالات سے اطلاع دی۔اس نے بڑی ہمدردی کا خط لکھا اور اجازت دی کہ محمود احمد اور اس کی والدہ کو ہماری سرکاری کار میں براہ کوہ مری راولپنڈی ریلوے اسٹیشن تک پہنچا آؤ۔میں نے کار میں محمود احمد اور اس کی والدہ اور نظام الدین اردلی کو راولپنڈی پہنچایا اور پشاور روانہ کردیا۔پشاور پہنچ کر اجرٹن ہسپتال کے ڈاکٹر فتح الدین احمد ڈاکٹر سعید احمد غیر مبایع ڈاکٹر حکیم اللہ خان اور ڈاکٹر علیم الدین احمدی اور سول سرجن پشاور جو انگریز تھا نے بھی علاج قرار دیا۔محمود احمد کی والدہ محمود کو لے کر ہوتی مردان لے جانے لگی تو کسی عورت نے جو بغرض عیادت آئی تھی کہا کہ ڈاکٹر، بھائی جان کا علاج کرو شاید ڈاکٹر بھائی کا اصل نام سعید احمد تھا۔جو ڈاکٹر جمال الدین حدیث کا بیٹا تھا اور صدر بازار میں بڑے ڈاکخانہ کے پاس دکان تگی اور مرض انفلوئنزا کی عالمگیر وبا میں جو سرحد 1918 میں جھیلی تھی۔تین ماہ میں ایک لاکھ سے زائد لوگ مر گئے تھے۔سعید احمد کے ایک مکسچر سے ہزاراں لوگوں کو فائدہ ہوا۔ایک بیمار کو ایک بوتل دوائی دیتا تھا، اس



غزل

عبدالکریم قدسیؔ

خوف کے تیر ہیں رستہ ہے کمانوں جیسا
میرا انجام ہے مخدوش مچانوں جیسا
کس کی ہمت تھی بھلا آکے بسیرا کرتا
سینہ و دل تھا میرا اجڑے مکانوں جیسا
زندگی ٹیڑی لکیروں میں الجھ کر گزری
نقشہ قسمت کا تھا مدفون خزانوں جیسا
گھر کی دیواریں مہاجن کی نظر رکھتی تھیں
گھر کا ماحول مقروض گھرانوں جیسا
کاشت کرتا ہے اگاتا ہے نئی نت فصلیں
جذبہ شوق میرا بھوڑے کسانوں جیسا
شعر قدسیؔ کے نیا خون عطا کرتے ہیں
نرم لہجے میں ہے انداز اذانوں جیسا

میں بڑی شہرت حاصل کی۔ڈاکٹر سعید احمد نہ خود ڈاکٹر تھا نہ کمپونڈر اور اپنے والد کی دکان پر کام کرتا تھا۔مگر خدا نے اس کے نسخہ میں شفا بخشی تھی۔ڈاکٹر سعید احمد سے دوائی لے آیا۔غالباً وہی دوائی تھی جو انفلوئنزا میں کام دیتی تھی اب پرانے بخار اور پیچس کے واسطے منگوائی گئی ایک روپیہ دیا ایک بوتل لایا۔ادھر نتھیا گلی میں خاکسار دعائے صحت کرتا تھا۔رؤیا میں دیکھا کہ محمود احمد زمین پر پڑا ہوا ہے ہمارے مکان واقع پشاور میں مرچکا ہے میں اسکے چہرے، پیٹ اور چھاتی پر ہاتھ پھیر رہا ہوں۔اور دعا کرتا ہوں رب کل شیءخادمک ربی فاحفظنا وانصرنا وارحمنا۔دہرا رہا ہوں۔اتنے میں دیکھا محمود کے بدن میں گرمی محسوس ہوئی چہرہ پر سرخی۔



آرہا ہے اس طرف احرار یورپ کا مزاج

(انجینئر محمود مجیب اصغر)

آؤ عیسائیو! ادھر آؤ!
نور حق دیکھو! راہ حق پاؤ!

قرآن مجید اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام

"(یادرکھو) عیسیٰ کا حال اللہ کے نزدیک یقیناً آدم کے حال کی طرح ہے اسے (یعنی آدم کو) اس نے خشک مٹی سے پیدا کیا پھر اس کے متعلق کہا کہ تو وجود میں آجا تو تو وہ وجود میں آنے لگا یہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے اس لئے تو شک کرنے والوں میں سے نہ بن اب جو (شخص) تیرے پاس علم (الٰہی) کے آچکنے کے بعد تجھ سے اس کے متعلق بحث کرے تو تو (اسے) کہدے (کہ) آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں کو اور ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو اور ہم اپنے نفوس کو اور تم اپنے نفوس کو اور پھر گڑ گڑا کر دعا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں یقیناً یہی سچا بیان بیان ہے اور اللہ کے سوا کوئی (بھی) پرستش کا مستحق نہیں اور یقیناً اللہ ہی غالب (اور) حکمت والا ہے پھر اگر وہ پھر جائیں تو (تو یاد رکھیں کہ) اللہ مفسدوں کو یقیناً خوب جانتا ہے تو کہہ (کہ) اے اہل کتاب (کم سے کم) ایک ایسی بات کی طرف تو آجاؤ جو ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان برابر ہے (اور وہ یہ ہے) کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور نہ ہم اللہ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو رب بنایا کریں۔ پھر اگر وہ پھر جائیں تو ان سے کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم (خدا کے) فرمانبردار ہیں۔"
(سورۃ آل عمران: 60 تا 65).

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں "مسیح کا بندہ ہونا بالکل سچ اور شک سے منزہ ہے اور اگر اب بھی عیسائی لوگ مسیح ابن مریم کی الوہیت پر تجھ سے جھگڑا کریں اور خدا تعالیٰ کے اس بیان کو جو مسیح درحقیقت آدم کی طرح بندہ ہے گو بغیر باپ کے پیدا ہوا دروغ سمجھیں اور انسان کا افترا خیال کریں تو ان کو کہہ دے کہ اپنے عزیزوں کی جماعت کے ساتھ مباہلہ کے لئے آویں اور ادھر ہم بھی اپنی جماعت کے ساتھ مباہلہ کے لئے آویں گے پھر جھوٹوں پر لعنت کریں گے۔" (تفسیر مسیح موعود جلد 3 صفحہ 123)

نجران کے عیسائیوں کا وفد

آنحضرت ﷺ کی حیات مبارکہ میں نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد جس کے 60 افراد تھے مسجد نبوی مدینہ میں الوہیت مسیح کے نظریہ پر مذاکرات کرتا رہا اس وفد کی قیادت عبدالمسیح کر رہا تھا جو العاقب کے نام سے معروف ہے کافی لمبی بحث کے بعد جب عیسائی الوہیت مسیح کے عقیدہ پر جمے رہے تو آنحضرت ﷺ نے حسب ارشاد ان کو مباہلے کی دعوت دی جس کے لئے وہ آمادہ نہ ہوئے اور اس طرح بالواسطہ اپنے غلط عقیدہ کا اعتراف کر لیا اس موقع پر جب کہ ان کی عبادت کا وقت ہوا تو آنحضرت ﷺ نے انہیں اپنی مسجد میں ان کے اپنے طریق کے مطابق عبادت کرنے کی اجازت دی۔

قیصر روم اور مقوقس مصر کو خطوط

آنحضرت ﷺ نے کئی سربراہان مملکت کو تبلیغی خطوط لکھے اور عیسائی سربراہوں جیسے قیصر روم (بحوالہ قرآن مجید ترجمہ وتشریح مرتبہ حضرت مولانا میر محمد سعید صاحب از درس قرآن حضرت حکیم مولوی نورالدین خلیفۃ المسیح الاول صفحہ 123) اور مقوقس مصر (بحوالہ کتاب محمد رسول اللہ محمد رضا قاہرہ صفحہ 523) کے خطوط میں سورۃ ال عمران کی آیت 65 شامل فرمائی

قل یاھل الکتاب تعالوا الی کلمة سوآء بیننا و بینکم الا نعبد الا الله ولا نشرك به شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون (تو کہہ دے اے اہل کتاب! اس کلمہ کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور نہ ہی

کسی چیز کو اس کا شریک ٹھہرائیں گے اور ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو اللہ کے سوا رب نہیں بنائے گا پس اگر وہ پھر جائیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہنا کہ یقیناً ہم مسلمان ہیں)

یہ عین قرآن مجید کی تعلیم کے مطابق اپنے رب کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت اور بہترین دلیل کے ساتھ دعوت تھی۔تاریخ گواہ ہے کہ عیسائی فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہوئے

صلیبی جنگیں

بیت المقدس حضرت عمر بن الخطاب کے دور خلافت میں فتح ہوا 1095ء سے 1291ء تک بیت المقدس پر مسیحی قبضہ بحال کرنے کے لئے یورپ کے مسیحوں نے کئی جنگیں لڑیں جنہیں تاریخ میں صلیبی جنگوں کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے یہ جنگیں فلسطین اور شام کی حدود میں صلیب کے نام پر لڑی گئیں۔

بعثت مسیح موعود

اللہ تعالی نے آنحضرت ﷺ کی پیروی اور اطاعت میں اور آپ کی قوت قدسیہ سے فیض پا کر چودھویں صدی ہجری کے سر پر احیاء وغلبہ اسلام کے لئے مسیح موعود کو مبعوث فرمایا اس وقت عیسائی لوگ اسلام کو مٹا دینے کے درپے تھے اور جھوٹ اور فریب سے لوگوں کو گمراہ کر رہے تھے اور ان کے جال میں بڑے بڑے علماء اور خطیب پھنس رہے تھے مولوی عماد الدین جو آگرہ کی شاہی مسجد کا خطیب تھا پادری عماد الدین بن گیا تھا اس نے دعوی کیا تھا کہ مسلمان اس کثرت سے عیسائی ہو رہے ہیں کہ عنقریب ایسا وقت آنے والا ہے کہ اگر کوئی مسلمان اپنی زندگی میں ایک دوسرے مسلمان کو دیکھنے کی خواہش کرے گا تو اس کی یہ خواہش پوری نہ ہوگی

عیسی مسیح کر دے گا جنگوں کا التوا

فرمایا" تیرہ سو برس ہوئے کہ مسیح موعود کی شان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے کلمہ یضع الحرب جاری ہو چکا ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ مسیح موعود جب آئے گا تو لڑائیوں کا خاتمہ کر دے گا اور اسی کی طرف اشارہ اس قرآنی آیت کا ہے۔حتی تضع الحرب اوزاھا یعنی اس وقت تک لڑائی کرو جب تک کہ مسیح کا وقت آ جائے یہی تضع الحرب اوزارھا ہے دیکھو بخاری میں موجود ہے" (گورنمنٹ انگریزی اور جہاد روحانی جلد 17 صفحہ 8)

اب آگیا مسیح جو دیں کا امام ہے۔
دیں کی تمام جنگوں کا اب اختتام ہے
اب آسماں سے نور خدا کا نزول ہے
اب جنگ اور جہاد کا فتوی فضول ہے
فرما چکا ہے سید کونین مصطفی
عیسی مسیح کر دے گا جنگوں کا التوا

جنگ مقدس

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں امرتسر ہندوستان میں 22 مئی 1893 سے 5 جون 1893 تک ایک زبردست مباحثہ ہوا جس میں عیسائیوں کی طرف سے پادری عبداللہ آتھم اور مسلمانوں کی طرف سے حضرت مسیح موعود مناظر تھے اس مباحثہ میں* کامل الہامی کتاب اور سچا اور زندہ مذہب اسلام ہے یا عیسائیت* ابن اللہ* الوہیت مسیح * استقرائی *تثلیث *قرآن کریم اور انجیل کا موازنہ بحیثیت الہام کامل ہونے کے*قرآن مجید کی تعلیم پر اعتراضات * کفارہ ۔رحم بلا مبادلہ۔* مباہلہ اور نشان دکھانے کے لئے تحدی ۔ کے موضوعات پر تبادلہ خیال ہوا۔اس مباحثہ کے کنویز میاں محمد بخش صاحب آف جنڈیالہ تھے۔

حضرت مسیح موعود نے مباحثہ کے آخری دن فرمایا کہ آج رات جب میں نے اللہ تعالی سے تضرع اور ابتہال سے دعا کی تو اس نے مجھے یہ نشان بطور بشارت دیا کہ مباحثہ کے دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ اختیار کر رہا ہے اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے وہ پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جاوے گا اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے

جنگ کی جگہ مذاکرات DIALOGUE

سن 1965 میں عیسائیوں نے جنگ کی جگہ مذاکرات کی راہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا اور پوپ کی طرف سے باقاعدہ اعلامیہ Proclamation شائع ہو چکا ہے ملاحظہ فرمائیں

PROCLAMATION OF CATHOLIC CHURCH

ISLAM AS PARTNER OF DIALOGUE

Not all christians encountered Islam with contempt, hate and violence. Among the few voices who already during the Middle Ages pleaded for the matter, religious dialogues instead of religious wars were four scholars, who were the most important proponents of peaceful communication between Christians and Muslims of their times:

1.Petrus Venerabilis, the Abbot of cluny(d 1156(

2 .Francis of Assisi, who travelled to the Palace of Sultan Malik al-Kamil 1)d 1238(

3 .Raman Lull, a Franciscan monk and mystic from Spain(d 1316(

4.Cardinal Nicolaus from leves(Cusanus, d 1464(

Following these " Church Fathers" of dialogue with Islam, the contemporary dialogue with Islam is mainly the domain of Roman Catholic Church...

With 'Nostra Aetate, the declaration of the Second Vatican Council on the relation towards non christian religions, proclaimed in 1965,a Coper-

nican turn of Christianity regarding Islam was initiated

For the first time ever Islam is officially recognised as a respectable and, to some degree, theologically equal partner in the dialogue, as one who shares theologically some common ground with the Church. The theological depreciation of Islam, which from the time of John of Damascus was common for 1200years, had now been to a large extent withdrawn. The key phrases of NESTRO AETATE concerning Islam(no. 3(read as follows.

To Church has also a high regard for the Muslims. They worship God Who is One living and Subsistent, Merciful and Al Mighty, the Creator of Heaven and Earth, Who has also spoken to humanity. They endeavour to submit themselves with reserve to the hidden decrees of God, just as Abraham submitted himself to God's plans to whose faith Muslims eagerly link their own. Although not acknowldging him as God, they venerate Jesus as a Prophet, his Virgin Mother they also honor, and even at times devoutly invoke. Further, they await the day of judgement and reward of God following the resurrection of the dead. For this reason the highly esteem an upright life and worshiping God, especially by way of prayer, alm-deeds and fasting. Over the centuries many of querrels and dissensions have arisen between Christians and Muslims. The sacred council now pleades with all to forget the past and urges that a sincere effort be made to achieve mutual understanding.

Nostra Actate no. 3 ,in Flannery, Austin (e d ※(
1996,Vatican Counci

The basic sixteen documents, North port and Dublin CostelloDominican

Publication page 571

)Christian Approaches to Other Faiths, Alan RacePaul M. Hedges

SC m press

2008page 196

کیتھولک. پوپ کا اعلامیہ اسلام کے ساتھ مذاکرات

مختصرا کیتھولک چرچ کی طرف سے باقاعدہ اعلامیہ (Proclamation) شائع ہو چکا ہے جس میں چرچ کی طرف سے اسلام کو ایک مذہب تسلیم کیا گیا ہے ماضی کی تلخیوں اور جنگوں پر اظہار افسوس کیا ہے اور دین میں مشترک عقائد جیسے اللہ پر ایمان، عبادت، صدقہ خیرات، نبیوں پر ایمان، حضرت عیسی کو نبی ماننے اوران کی کنواری ماں حضرت مریم کے

ادب و احترام کی وجہ سے وہ جنگوں کی بجائے اسلام کے ساتھ مذاکرات Dialogue کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں۔

1978 کی کسر صلیب کانفرنس

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تیسرے خلیفہ کا زمانہ تھا جب لندن میں کسر صلیب کانفرس منعقد ہوئی اس بین الاقوامی کانفرس جو 2, 3, 4 جون 1978 کو منعقد ہوئی کا موضوع تھا "مسیح کی صلیب سے نجات (Deliverence of Jesus from the cross)

یہ ایک غیر معمولی واقعہ تھا اس کانفرنس کے مندرجہ ذیل مقالہ نگار تھے ؛

1 حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صحابی مسیح موعود۔(سابق وزیر خارجہ پاکستان، صدر جنرل اسمبلی وعالمی عدالت انصاف)

(2) صاحبزادہ مرزا مظفر احمد ابن حضرت مرزا بشیر احمد قمر الانبیا، (سابق ڈپٹی چیئر مین پلاننگ کمشن حکومت پاکستان، ڈائریکٹر ورلڈ بنک)

3 عبدالسلام میڈیسن (احمدی سکالر، مترجم قرآن مجید ڈینش، ڈنمارک)،

4 شیخ عبد القادر (محقق، عیسائیت کے متعلق اکتشاف عصری پر متعدد کتابوں کے مصنف، لاہور پاکستان)

5 پروفیسر فدا محمد حسنین، (ڈائریکٹر آثار قدیمہ سری نگر کشمیر و محقق قبر مسیح)

6 لیڈز لیوفلپ، (محقق اکیڈمی آف سائنسیز مشرقی علوم چیکوسلواکیہ)

7 امام بشیر احمد خان رفیق، (احمدی مشنری انچارج برطانیہ، کنوینز کسر صلیب کانفرنس لندن)

8. ریجینالڈ چارلس ایورڈ سکولفیلڈ، (سکالر و مصنف موازنہ مذاہب)

9 اندریاس فائبر قیصر (جرمن فلاسفر، مصنف یسوع کشمیر میں فوت ہوئے)

10۔ آخر میں key note address حضرت مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالث کا تھا۔

کانفرنس کے ردعمل کے طور پر برٹش کونسل آف چرچز نے ایک بیان جاری کیا کہ dialogue کے ذریعے لندن اور دوسری جگہوں پر اس موضوع پر مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان تبادلہ خیال کیا جائے حضور نے اس تجویز کو پسند فرمایا اور فرمایا ہم رومن کیتھولک کلیسیا سے بھی dialogue کے ذریعے گفتگو کے لئے تیار ہیں اور تمام عیسائی کلیسیا بشمول کونسل آف برٹش چرچز سے الگ الگ یا متحد ہو کر تبادلہ خیال کے لئے تیار ہیں

کیوں عجب کرتے ہو گر میں آ گیا ہو کر مسیح
خود مسیحائی کا دم بھرتی ہے یہ باد بہار
آسماں پر دعوت حق کے لئے اک جوش ہے
ہو رہا ہے نیک طبعوں پر فرشتوں کا اتار
آ رہا ہے اس طرف احرار یورپ کا مزاج
نبض پھر چلنے لگی مردوں کی نا گہ زندہ وار
کہتے ہیں تثلیث کو اب اہل دانش الوداع۔
پھر ہوئے چشمہ توحید پر از جان نثار

☆......☆......☆

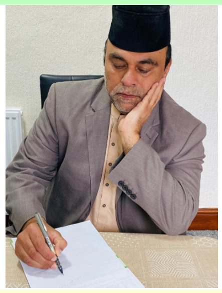


غزل

بشارت ریحان۔کنیڈا

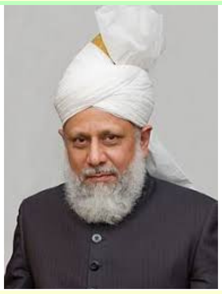
ہے پریشاں آدمی ہر ایک اب حالات سے
ہو گئی تاریک ساری بستیاں ظلمات سے
پہلے تو تاریک راتوں سے بھی ڈر ر لگتا نہ تھا
اب تو دن کی روشنی بھی ہے بھری خطرات سے
بیج ہی جب کھیت میں بے جان ہ ہو ڈالا گیا
ہے عبث امید کچھ رکھنا بھری برسات سے
باغباں کو گر نہ ہو کچھ باغبانی کا شعور
پیڑ سب محروم ہو جایں گے پھر ثمرات سے
قتل اک بندے کا سب انسانیت کا قتل ہے
کیوں یقیں اب اٹھ گیا ہے رب کے فرمودات سے
ختم کر دیں گی تیری پہچان فرقہ بندیاں
کیا نہیں واقف ہے تو قراں کے احکامات سے
سارے مل کر گر خدا کی ایک اسی تھام لیں
فیض اے ریحان پہنچے گا خدا کی زات سے

......*



دور خلافت خامسہ میں الٰہی تائیدات

فتیح الحق۔ لندن



دور خلافت خامسہ میں الٰہی تائیدات

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عالمِ کشف میں حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ سے فرمایا کہ اب تُو ہماری جگہ بیٹھ اور ہم چلتے ہیں۔ یہ پیشگوئی آپؓ کی اولاد میں پوری ہوئی۔ اسی طرح 28 مئی 1907ء کے الہامات ہیں:

☆ عَمَّرَہُ اللّٰہُ عَلٰی خِلَافِ التَّوَقُّع۔ اس کو خدا تعالیٰ امید سے بڑھ کر عمر دے گا۔

☆ اَمَّرَہُ اللّٰہُ عَلٰی خِلَافِ التَّوَقُّع۔ اس کو یعنی شریف کو خدا تعالیٰ امید سے بڑھ کر امیر کرے گا۔

☆ جنوری 1907ء۔ شریف احمد کو خواب میں دیکھا کہ اس نے پگڑی باندھی ہوئی ہے اور دو آدمی پاس کھڑے ہیں۔ ایک نے شریف احمد کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ”وہ بادشاہ آیا“ دوسرے نے کہا ابھی تو اس نے قاضی بننا ہے۔ فرمایا قاضی حَکَم کو بھی کہتے ہیں۔ قاضی وہ ہے جو تائید حق کرے اور باطل کو ردّ کرے۔

☆ دسمبر 1907ء کا الہام ہے: اِنِّیْ مَعَكَ یَامَسْرُوْر۔ اے مسرور میں تیرے ساتھ ہوں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض اصحاب کو بھی یہ خبر دی گئی تھی کہ حضرت مصلح موعودؓ اور حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ کی اولاد میں سے آپؑ کے جانشین اور خلفاء پیدا ہوں گے۔ چنانچہ حضرت مولوی عبدالستار صاحبؓ ساکن خوست نے حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی زندگی میں دیکھا کہ ”میاں محمود اور شریف احمد مسیح موعود کے ولی عہد ہیں“۔

جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ان کی وفات پر فرمایا:

”یہ امر واقعہ ہے کہ بعض پیشگوئیاں، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی ایسا واقعہ ہو چکا ہے، ایک شخص کے متعلق کی جاتی ہیں لیکن بیٹا مراد ہوتا ہے......۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام مرزا شریف احمد صاحب کو مخاطب کر کے کشف میں دیکھتے ہیں کہ ”اب تو ہماری جگہ بیٹھ اور ہم چلتے ہیں“...... یہ الہام حضرت مرزا شریف احمد صاحب کے متعلق پورا نہیں ہوا...... اب یہ بات بعینہٖ آپ کی ذات پر پوری ہوئی ہے...... آپ کا وجود ایک مبارک وجود تھا جسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا روحانی بیٹا ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ جو کچھ بھی اپنے بیٹے کے متعلق دیکھا وہ ان کے بیٹے کے متعلق پورا ہوا۔ اب جب کہ میں نے ان کی جگہ ناظر اعلیٰ اور امیر مقامی ان کے صاحبزادے مرزا مسرور احمد صاحب کو بنایا تو میرا اس الہام کی طرف بھی دھیان پھرا کہ گویا آپ اب یہ کہہ رہے ہیں کہ میری جگہ بیٹھ......۔

اب میں ساری جماعت کو حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب کے لئے دعا کی طرف توجہ دلاتا ہوں اور بعد میں مرزا مسرور احمد صاحب کے متعلق بھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی صحیح جانشین بنائے ”تو ہماری جگہ بیٹھ جا“ کا مضمون پوری طرح ان پر صادق آئے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ خود ان کی حفاظت فرمائے اور ان کی اعانت فرمائے۔“

(الفضل انٹرنیشنل 30 / جنوری 1998)

”انی معك یا مسرور۔“

حضرت مسیح موعودؑ کو 19 / دسمبر 1907ء میں یہ الہام ہوئے: ”(i) میں تیرے ساتھ ہوں اور تیرے اہل کے ساتھ ہوں۔ میں تیرے بوجھ اٹھاؤں گا (ii) میں تیرے ساتھ اور تیرے تمام پیاروں کے ساتھ ہوں۔ (iii) انّی معک یا مسرور۔ اے مسرور میں تیرے ساتھ ہوں۔“

(تذکرہ صفحہ 630)

حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت کے یہ وعدے نہ صرف

حضور علیہ السلام کی زندگی میں بلکہ آپؑ کے تمام خلفاء کے زمانہ میں بھی پورے ہوتے رہے اور حضرت خلیفۃ المسیح الخامس کے دَور میں (جن کا نام ہی ''مسرور'' ہے) تو یہ الہام جس شان سے پورا ہوا اور ہو رہا ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اسی الٰہی معیت کا کچھ ذکر اس جگہ مقصود ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۃ النور کی آیت نمبر 56 میں فرمایا:

اے مسلمانو! تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے ان سے اللہ تعالیٰ نے پختہ وعدہ کیا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا اور ان کے لئے دین کو، جو اس نے ان کے لئے پسند کیا، ضرور تمکنت عطا کرے گا اور ان کی خوف کی حالت کے بعد ضرور انہیں امن کی حالت میں بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور جو اس کے بعد ناشکری کرے تو یہی وہ لوگ ہیں جو نافرمان ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عمل صالح کی دو شرائط سے مشروط، امتِ مسلمہ سے خلافت کے قیام کا حتمی وعدہ فرمایا ہے۔ نبیوں کی آمد کا مقصد دنیا میں توحید کا قیام ہوتا ہے اور خلافتِ حقہ کی بھی یہی نشانی رکھی گئی ہے کہ اس کا بنیادی اور آخری مقصد توحید اور وحدت کا قیام ہے اور یہی بات میری تقریر کا مرکزی نکتہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

(آلِ عمران:104)

اے مومنو! اللہ کی رسی کو سب کے سب مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ نہ کرو۔

اس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کی ہدایت اور وحدت کا ذریعہ حبل اللہ کی صورت میں اتارا ہے۔ حبل اللہ سے مراد دین اسلام اور محمد رسول اللہ ﷺ کا مقدس وجود بھی ہے اور مسیح پاکؑ کا وجود بھی جن کو آنحضرت ﷺ کی غلامی میں ساری دنیا کے لئے مبعوث کیا گیا۔ پھر اس سے مراد خلافت احمدیہ بھی ہے جس کے ساتھ ایک مضبوط تعلق ہماری ترقی، وحدت اور نجات کا وسیلہ ہے۔ خدا تعالیٰ کی نازل کردہ اس رسی کو مضبوطی سے پکڑنا اور پکڑے رکھنا ہمارا فرض ہے۔

خلافت۔ عالمگیر وحدت کا پیغام

ہمارے پیارے آقا ہادیٔ کامل حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین کا منصب عطا فرمایا ہے۔ اس میں اکملیت، افضلیت اور عالمگیریت کا مضمون پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ارشاد فرمایا کہ آپ یہ اعلانِ عام فرمادیں کہ

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا

(الاعراف:159)

کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ یہ عالمگیر نبوت کا ایسا عظیم الشان اعلان ہے جس میں کوئی نبی بھی آپ کا ہمسر نہیں۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد تائید الٰہی سے جو خلافتِ راشدہ قائم ہوئی اس کا دائرہ بھی عالمگیر تھا اور ہر خلیفہ راشد کو خلیفۃ الرسول کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ عالمگیر پیغامِ نبوت عالمگیر سلسلۂ خلافت کے ذریعہ ممکن حد تک اکنافِ عالم میں پھیلتا چلا گیا اور جب دورِ آخرین میں اللہ تعالیٰ نے تکمیلِ اشاعتِ دینِ اسلام کے لئے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تو آنحضرت ﷺ کے امتی اور ظلی نبی ہونے کے لحاظ سے آپؑ کا دائرہ کار بھی سب دنیا پر محیط تھا اور آپؑ نے حقیقی اسلام کا پیغام ساری دنیا میں پھیلایا۔ اپنی بعثت کا دائرہ بیان کرتے ہوئے خود آپؑ نے فرمایا:

''اب اللہ تعالیٰ کا یہی ارادہ ہے کہ تمام قوموں کو جو دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں ایک بنادے''

(چشمۂ معرفت۔ روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 76)

آپؑ نے مزید فرمایا:

''خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان تمام روحوں کو جو زمین کی متفرق آبادیوں میں آباد ہیں کیا یورپ اور کیا ایشیا، اُن سب کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں توحید کی طرف کھینچے اور اپنے بندوں کو دین واحد پر جمع کرے۔ یہی خدا تعالیٰ کا مقصد ہے جس کے لئے میں دنیا میں بھیجا گیا''

(الوصیت۔ روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 306-307)

آپؑ نے یہ وضاحت بھی فرمائی کہ جماعت کی ترقی اور عالمگیر وسعت اور وحدت کا سلسلہ آپؑ کی وفات کے بعد بھی جاری رہے گا۔ آپؑ نے لکھا کہ خدا

تعالیٰ کا مجھ سے وعدہ ہے کہ ''وہ اس سلسلہ کو پوری ترقی دے گا۔ کچھ میرے ہاتھ سے اور کچھ میرے بعد''

(الوصیت۔روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 304)

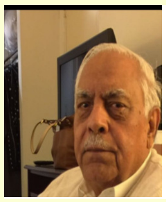
حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے فرمایا ہے:

''اِس زمانہ کے لئے ایسے سامان میسر آ گئے ہیں جو مختلف قوموں کو وحدت کا رنگ بخشتے جاتے ہیں''۔(چشمۂ معرفت۔روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 76)

پس یہ مبارَک دورِ خلافتِ خامسہ جس میں موجود ہونے کی سعادت ہم سب کو حاصل ہے۔ اِس دور میں جس کثرت اور وسعت سے اسلام کی اشاعت اکنافِ عالم میں ہورہی ہے وہ ہر لحاظ سے بے مثل اور یکتا ہے اور خلافت کے عالمگیر فیضان کے زیرِ سایہ وحدت کا مضمون اتنی وسعت سے جلوہ گر ہے کہ گذشتہ تاریخ میں اس کی مثال نظر نہیں آتی۔

امن اور اتحاد کی عالمگیر مہم

سنت نبوی ﷺ کی پیروی میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے سرکردہ سیاسی رہنماؤں اور مذہبی سربراہان کو الگ الگ نہایت مؤثر خطوط لکھ کر امن وسلامتی کی خاطر متحد ہوکر کام کرنے کی دعوت دی تھی۔اور پھر دنیا کے قریباً سب بڑے بڑے ملکوں کا دورہ کرکے سربراہان سے براہِ راست گفتگو میں بھی یہی پیغام دیا۔ان سفروں میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے برطانیہ، امریکہ، یورپین یونین، نیوزی لینڈ، اور کینیڈا وغیرہ کے حکومتی ایوانوں میں متعدد بار نہایت مؤثر انداز میں خطاب فرمایا۔ان خطابات کی پریس میں خوب تشہیر ہوئی۔لندن میں گزشتہ پندرہ سال سے ایک امن کانفرنس منعقد ہورہی ہے جس میں حضور انور کے پرشوکت خطاب کو جو عالمگیر وحدت کے پیغام پر مشتمل ہوتا ہے غیر معمولی توجہ سے سنا جاتا ہے۔ ہر سال دنیا میں امن کے لئے بےلوث خدمات بجالانے والی شخصیت کو امن ایوارڈ بھی دیا جاتا ہے۔امن کی راہوں کی نشاندہی کرنے کے ساتھ ساتھ باہم محبت واحترام اور انسانیت کی خدمت کے لئے متحد ہونے کا پیغام بھی دیا جاتا ہے۔خلیفۂ وقت کی طرف سے یہ بھرپور کوششیں عالمگیر وحدت کے قیام کی راہوں کو ہموار کرنے کی نہایت اعلیٰ اور مؤثر مثال ہیں۔



قُلزمِ حیرت

عبدالشکور، کلیولینڈ اوہائیو

زیست کے ناقۂ بیکار سے ڈر لگتا ہے
اس کے بدلے ہوئے آثار سے ڈر لگتا ہے
خوف ہے کہ سمیٹنے نہیں دیتا مجھ کو
خاک و خس کے اس انبار سے ڈر لگتا ہے
اِک تمنّا تجھے تُحفِ جاں نذر کروں
ایک وحشت ترے اِنکار سے ڈر لگتا ہے
شاد رکھتی ہے ترے لُطف و کرم کی اُمیّد
اور تری غفلتِ بسیار سے ڈر لگتا ہے
خُود کو دیکھوں کبھی پیرہنِ جاں کو دیکھوں
ایسی حالت کہ اِظہار سے ڈر رکھتا ہے
ہے سفینہ کفِ قُلزمِ حیرت، مَدَدے!
نا خُدا سے کبھی پتوار سے ڈر لگتا ہے

❁❁❁❁❁❁❁❁

امن کی عالمگیر دعوت سے دلوں کی تسخیر

حضرات! حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے جس کثرت سے ساری دنیا میں امن کے پیغام کی اشاعت اور مشرق ومغرب اور شمال وجنوب میں اسلام کے عافیت بخش پیغام کی منادی کی ہے اس کا اتنا گہرا تاثر قائم ہوا ہے کہ اب اِن ملکوں میں حضور انور کو امن کے سفیر کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے اور دنیا کے سربراہان میں یہ فکری وحدت پختہ تر ہوتی جارہی ہے کہ اگر دنیا میں واقعی امن قائم کیا جاسکتا ہے تو اُن نظریات کو اپنانے سے ہی ممکن ہے جو حقیقی اسلام پیش کرتا ہے اور جن کی منادی حضرت امام جماعت احمدیہ کی زبان سے ہورہی ہے۔سربراہان مملکت اور دنیا کے دانشوروں پر یہ بات اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے روشن تر ہوتی جارہی ہے اور اب تو وہ برملا اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ

حقیقی اسلام وہی ہے جو جماعت احمدیہ پیش کرتی ہے۔اس سلسلہ میں غیر مسلم عمائدین کے اعترافات کا باب بہت وسیع ہے۔ان میں سے ایک مثال پیش کرتا ہوں جو اس بات پر شاہدِ ناطق ہے کہ خلیفۂ وقت کی زبانِ مبارک سے بیان کردہ نظریات دنیا کے دلوں کو فتح کرتے چلے جا رہے ہیں۔

2012 میں حضور انور نے برسلز میں یورپین پارلیمنٹ سے خطاب فرمایا۔ اس موقع پر Bishop Dr Amen Howard جنیوا (سوئٹزرلینڈ) سے حضور انور ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے خطاب میں شمولیت کے لئے آئے تھے، موصوف انٹرفیتھ انٹرنیشنل کے نمائندہ اور ایک رفاہی تنظیم Feed a Family کے بانی صدر بھی ہیں۔انہوں نے اپنے خیالات کا اظہار جن الفاظ میں کیا وہ توجہ سے سننے والے ہیں۔انہوں نے کہا:

''یہ شخص جادوگر نہیں لیکن ان کے الفاظ جادو کا سا اثر رکھتے ہیں۔لہجہ دھیما ہے لیکن ان کے منہ سے نکلنے والے الفاظ غیر معمولی طاقت، شوکت اور اثر اپنے اندر رکھتے ہیں۔اس طرح کا جراُت مند انسان میں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا۔آپ کی طرح کے صرف تین انسان اگر اس دنیا کو مل جائیں تو امن عامہ کے حوالے سے اِس دنیا میں حیرت انگیز انقلاب مہینوں نہیں بلکہ دِنوں کے اندر برپا ہوسکتا ہے اور یہ دنیا امن اور بھائی چارہ کا گہوارہ بن سکتی ہے۔میں اسلام کے بارہ میں کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا تھا۔اب حضور کے خطاب نے اسلام کے بارے میں میرے نقطۂ نظر کو کلیۃً تبدیل کر دیا ہے۔''

(بحوالہ احمدیہ گزٹ کینیڈا۔مئی 2018ء صفحہ 20)

یہ ایک مثال ہے سینکڑوں مثالوں میں سے۔جن سے پتہ لگتا ہے کہ آج خلافت احمدیہ دنیا کو صحیح اسلامی نظریات عطا کر کے ایک نظریاتی انقلاب پیدا کر رہی ہے۔خلافت کی برکت سے دلوں میں ایک وحدت اور یگانگت پیدا ہوتی جارہی ہے!

''ہر قوم اس چشمہ سے پانی پیئے گی''

آج سے 129 سال قبل قادیان کی ایک چھوٹی سی بستی سے جس کے بارہ میں کیا خوب کہا گیا کہ:

کوئی نہ جانتا تھا کہ ہے قادیاں کدھر

ہاں اسی گمنام سی بستی سے ایک آواز اٹھی تھی جس کے بارہ میں خدائے قادر و قیوم نے فرمایا کہ ''میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا'' یہ آواز کیا تھی۔ایک چھوٹا سا بیج تھا جو خدائی اذن سے بویا گیا اور بڑھتے بڑھتے ایک عالمگیر شجرۂ طیبہ بن گیا اور ہر آن وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔احمدیت کا یہ مقدس شجر آج دنیا کے 212 رملکوں پر سایہ فگن ہے۔احمدیت ایک روحانی چشمہ کا نام ہے جس کے بارہ میں بانئ جماعت حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے علم پا کر فرمایا تھا کہ

''ہر قوم اس چشمہ سے پانی پیئے گی''

(الوصیت۔روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 409)

اے سننے والو سنو اور غور سے سنو کہ یہ پیشگوئی اللہ تعالیٰ کے فضل سے پوری ہوچکی ہے۔اس روحانی چشمہ کا فیضان دن بدن بڑھتا اور پھیلتا جا رہا ہے۔ حضرت مسیح پاک علیہ السلام کی بابرکت زندگی میں ہی احمدیت کے شجر طیبہ کو شیریں پھل لگنے شروع ہوگئے اور مختلف مذاہب کے حق پرست لوگوں نے آسمانی آواز پر لبیک کہا۔ہندوستان اور بیرونی ممالک میں مختلف قومیتوں اور نسلوں کے افراد احمدیت کے دامن سے وابستہ ہوئے اور پھر جب آپ کے وصال کے بعد خلافت احمدیہ کا آغاز ہوا تو ہر دورِ خلافت میں یہ سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔آسمان احمدیت روشن ستاروں سے سجنے لگا اور اکنافِ عالَم میں خلافت کی برکت سے یہ کہکشاں روشن تر ہونے لگی۔ملک ملک مختلف قومیتوں سے تعلق رکھنے والے فدا کار اور جانثار خدامِ احمدیت کی ایک لمبی فہرست ہے جو خلافتِ حقہ اسلامیہ احمدیہ کے ذریعہ احمدیت کی آغوش میں آئے اور احمدیت کے نور سے منور ہو کر امتِ واحدہ کا دلکش نظارہ پیش کرتے رہے اور یہ سلسلہ مسلسل جاری اور ترقی پذیر ہے۔کیا ہی پرلطف نظارہ ہماری نظروں کے سامنے آتا ہے جب ایک طرف بلاد عربیہ میں السید منیر الحصنی، طٰہٰ قزق، مصطفیٰ ثابت اور حلمی الشافعی جیسے صلحاء العرب نظر آتے ہیں اور مغربی دنیا میں بشیر احمد آرچرڈ۔عبدالسلام میڈسن۔سوین ہینسن۔عبدالہادی کیوسی۔ناصر احمد سکروِنر اور ہدایت اللہ ہُبش جیسے ممتاز خدامِ دین پر نظر پڑتی ہے۔روس میں راویل بخارائیو، چین میں محمد عثمان چاؤ، افریقن ممالک میں عبدالوہاب بن آدم، اسمٰعیل بی کے آڈو، عمری عبیدی اور سر ایف ایم سنگھاٹے جیسے وجودوں کی مثالیں موجود ہیں جنہوں نے دینی خدمات کے ساتھ ملک و قوم کی بھی نمایاں خدمات

سرانجام دیں۔ خدامِ دین اور بزرگوں کی یہ چند مثالیں ہیں جنہوں نے خلافت کے زیرِ سایہ بے لوث خدمات سرانجام دے کر عالمگیر وحدت کے انمٹ نقوش اپنی یادگار چھوڑے ہیں۔

عالمگیر وحدت کا ایک نمونہ۔ جلسہ سالانہ

عالمگیر وحدت کی ایک خوبصورت مثال جماعت احمدیہ کا عالمگیر جلسہ سالانہ ہے جس کا آغاز 1891ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقدس ہاتھوں سے قادیان میں ہوا۔ پُرسوز دعاؤں سے جاری ہونے والا یہ جلسہ سالانہ اب ایک عالمگیر شجرۂ طیبہ بن چکا ہے اور ہر سال اکنافِ عالم میں یہ جلسے بڑے اہتمام سے منعقد ہوتے ہیں۔ جماعت احمدیہ عالمگیر کا مرکزی جلسہ سالانہ ہر سال برطانیہ میں منعقد ہوتا ہے جو بلاشبہ خلافت کے زیرِ سایہ عالمگیر وحدت کا ایک فقید المثال روحانی اجتماع ہے جس میں دنیا کے ایک سو سے زائد ممالک سے عشاقِ اسلام پروانہ وار شامل ہوتے ہیں۔ خلیفہ وقت کی بابرکت شمولیت اور پُر معارف خطابات کی برکت سے یہ تین دن رات ایسا روحانی ماحول پیدا کر دیتے ہیں جو شاملینِ جلسہ کو روحانی سکون اور سرور عطا کرتا ہے۔ جو ایک دفعہ اس جلسہ میں شامل ہو جاتا ہے وہ بار بار آنے کی تمنا اور عزم لیکر واپس لوٹتا ہے۔

حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے بھی جلسہ کا یہی مقصد بیان فرمایا کہ یہ جلسہ ''تمام بھائیوں کو روحانی طور پر ایک کرنے کے لئے'' ہے۔

(مجموعہ اشتہارات جلد اوّل صفحہ 341)

ابتلاؤں میں وحدت کی بقا

ابتلا اور مصائب الٰہی جماعتوں پر بھی آتے ہیں لیکن الٰہی جماعتوں پر ان کا اثر دنیاوی جماعتوں سے بہت مختلف ہوتا ہے۔ الٰہی جماعتیں اپنے ایمان میں مستحکم اور ابتلاؤں کے سامنے ثابت قدم رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ وعدہ دیا ہوا ہے کہ

وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا (سورۃ النور:56)

کہ اللہ تعالیٰ ان کے خوف کو امن میں بدل دے گا۔ جماعت احمدیہ کی ساری تاریخ اس وعدہ الٰہی پر شاہد ناطق ہے۔ خلافت کے ہر دور میں عظیم الشان کامیابیوں کے ساتھ ساتھ مخالفتوں کے طوفان بھی اٹھتے رہے، سخت مشکل مراحل آتے رہے لیکن ہر موقعہ پر ساری کی ساری جماعت خلافت کے سایہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ثابت قدم اور متحد رہی اور مِن حیث الجماعت، ہر ابتلا کے بعد پہلے سے زیادہ مضبوط ہو کر ابھری۔ جماعت احمدیہ کی تاریخ کا ایک ایک باب اس بات پر گواہ ہے کہ ہر ابتلا جماعت کے لئے مزید استحکام اور ترقی کی نوید بن کر آیا۔ یہ سب کچھ محض اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ سے قائم ہونے والی اس جماعت کے سر پر خلافت احمدیہ کا تاج سجایا گیا ہے۔ خلیفۂ وقت کا مقناطیسی وجود ہر مشکل گھڑی میں سایۂ رحمت بن کر ان کو متحد رکھنے کا ذریعہ ثابت ہوا۔ خلافت کے سایہ میں وحدت، اتحاد اور ترقی کے نظارے جماعت احمدیہ کو نصیب ہیں اور باقی دنیا اس سے محروم ہے!

ایک عالَم جل رہا ہے دھوپ میں بے سائباں
شکر ہے مولیٰ! ہمیں یہ سایۂ رحمت ملا



غزل

عاصی صحرائی

دم دم کروں میں حمدیں تیری، تُو نے دیئے ہیں لب
کیسے شکر ادا ہو تیرا مخلوقات کے رب
خاک بھی تیری، بیج بھی تیرے، سارے پھل بھی تیرے
بن تیرے اِن سب کھیتوں کا، کون ہے اور سبب!
سانس بھی حمد ہے کرتی تیری، خون میں حمد رواں
جسم کا میرے روم روم بھی بھولا تجھ کو کب!
آنکھوں میں ہے نیند بھی تیری، تیرے حکم سے جاگوں
اُجلی اُجلی صُبحیں تیری، تیری ہی ہر شب
خطا سے اپنی ہو جاتا ہے جب بندہ مغموم
دل میں اُس کے میرے مولیٰ تُو ہی بھرے طَرَب
اِنسانوں کی سنے دعائیں ہر سنّت ہے اعلیٰ
اِذن سے تیرے انسانوں کے بدلے دیکھے ڈھب
شکر ہے تیرا نام عاصیؔ کا رکھا تُو نے اونچا
تیرے رحم کرم سے اللہ میرا نام و نَسب

❁❁❁❁❁❁❁❁

وحدت کا عالمگیر ذریعہ۔MTA

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا تھا

اسمعوا صوت السماء جاء المسیح جاء المسیح

کہ آسمان کی آواز سنو جو یہ اعلان کر رہی ہے کہ مسیح آ گیا۔ مسیح کا ظہور ہوگیا۔ایم ٹی اے ایک مستقل ٹیلی ویژن ہے جو 24 گھنٹے دنیا کی 27 زبانوں میں اسلام واحمدیت کا پیغام نشر کر رہا ہے۔آج دنیا میں کسی اور مذہب کا کوئی ایسا نشریاتی ادارہ نہیں جس کی آواز بیک وقت ساری دنیا کے چپہ چپہ میں سنائی دیتی ہو اور ساری دنیا کو وحدت کا پیغام دیا جاتا ہو۔

گر نہیں عرشِ معلّٰی سے یہ ٹکراتی تو پھر
سب جہاں میں گونجتی ہے کیوں صدائے قادیاں

ایم ٹی اے کے ذریعہ مواصلاتی فتوحات کے تذکرہ کے دوران خلافت خامسہ میں اس کی نئی شاخوں کا ذکر بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اس کا تذکرہ بھی سابقہ پیشگوئیوں میں موجود ہے

☆ 23 مارچ 2006ء کو ایم ٹی اے کے نئے آٹومیٹڈ براڈ کاسٹ سسٹم کا افتتاح ہوا۔

☆ 10 جولائی 2006ء کو انٹرنیٹ پر ایم ٹی اے کی نشریات شروع ہوگئیں۔

☆ 23 مارچ 2007ء کو ایم ٹی اے العربیہ کا اجراء ہوا۔اس چینل نے عرب دنیا میں ایک ہلچل مچا دی ہے۔

= حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے خبر دی تھی کہ میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔

یہ الہام مختلف رنگوں میں پورا ہوتا رہا مگر خلافت خامسہ میں اس الہام نے ایک نیا جلوہ دکھایا اور 16 دسمبر 2005ء کو قادیان کی مسجد اقصیٰ سے معجزانہ طور پر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ کے خطبہ جمعہ کی صورت میں مسیح موعود کی تبلیغ زمین کے کناروں تک پہنچنے لگی اور یہ پیغام جلسہ کے خطابات کے علاوہ 5 خطبات جمعہ اور ایک خطبہ عید الاضحیٰ کی صورت میں گونجتا رہا۔

اس کے 3 ماہ بعد 28 اپریل 2006ء کو زمین کے کنارے فجی سے حضور کا خطبہ جمعہ زمین کی تمام بلندیوں اور پستیوں میں نشر ہوا جسے فجی کے نیشنل ٹی وی نے بھی Live نشر کیا۔حضور نے 2 مئی 2006ء کو جزیرہ تاویونی پر لوائے احمدیت لہرایا جہاں سے Date Line گزرتی ہے۔

پس قادیان سے زمین تک اور زمین کے کناروں سے تمام دنیا تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پیغام کا ابلاغ احمدیت کے مواصلاتی اور فضائی دَور کا نیا سنگ میل ہے۔

= حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے 1920ء میں ایک مضمون میں 'احمدیہ جہاز' کا نظریہ پیش کیا تا کہ مبلغین اور احمدی حجاج با آسانی سفر کر سکیں۔

☆ بعد ازاں 1924ء میں حضرت مصلح موعودؓ کے سفر یورپ میں اس خواہش کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔حضورؓ کا منشاء تھا کہ اپنے جہاز تجارت اور تبلیغ کی اغراض میں معاون ہوں گے۔

☆ حضورؓ نے 1936ء کی مجلس مشاورت میں بھی اپنی اس خواہش کا یوں اظہار فرمایا: ''مَیں تو جب ریل گاڑی میں بیٹھتا ہوں میرے دل میں حسرت ہوتی ہے کہ کاش! یہ ریل گاڑی احمدیوں کی بنائی ہوئی ہو اور اس کی کمپنی کے وہ مالک ہوں اور جب میں جہاز میں بیٹھتا ہوں تو کہتا ہوں کاش! یہ جہاز احمدیوں کے بنائے ہوئے ہوں اور وہ ان کمپنیوں کے مالک ہوں''۔

☆ اللہ تعالیٰ نے خلافت خامسہ میں یہ حیرت انگیز معجزہ دکھایا کہ حضور انور کے دورۂ امریکہ 2008ء کے بعد حضور جس جہاز سے کینیڈا تشریف لے گئے، اسے خلافت فلائٹ کا نام دیا گیا۔ یہ سفر 24 جون 2008ء کو دنیا کی چوتھی بڑی ہوائی کمپنی Continental ایئر لائن پر کیا گیا۔مکرم منعم نعیم صاحب (نائب امیر یو ایس اے) اس ایئر لائن کے وائس پریذیڈنٹ ہیں۔اس جہاز میں سفر کرنے والے احباب کی تعداد 27 تھی۔ جو بورڈنگ کارڈ مہیا کیا گیا اس پر صد سالہ خلافت جوبلی کا Logo بنا ہوا تھا اور ایک طرف منارۃ المسیح کی تصویر تھی۔ کارڈ کے اوپر لکھا ہوا تھا "Khilafat Flight" اور ایک حصہ پر Ahmadiyya Muslim Community لکھا ہوا تھا اور نچلے حصہ میں "Khilafat Centenary Celebration" کے الفاظ درج تھے۔

اسی طرح دنیا بھر میں مساجد کی تعمیر، نیز شدید زلازل اور غیر معمولی

طوفانوں سے زمین کے تہ و بالا ہونے کی پیشگوئیاں بھی خلافتِ خامسہ کے دَور میں حیرت انگیز شان سے پوری ہو رہی ہیں۔

الغرض پیشگوئیوں کا ایک طویل سلسلہ ہے جو ایک طرف خلافت احمدیہ کی صداقت کو آشکار کر رہا ہے تو دوسری طرف خدائے لم یزل کی عظمت کے ترانے گا رہا ہے۔

ایمان افروز جلوے

خلافت کے زیرِ سایہ عالمگیر وحدت اور تائید الٰہی کے ایمان افروز نظارے ہر آن اور ہر جگہ دکھائی دیتے ہیں۔ ذرا ایک نظر ڈالتے ہیں۔

خلافتِ خامسہ کا آغاز ہوتے ہی وحدت کا کیا دلفریب نظارہ اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کو دکھایا کہ خلیفہ منتخب ہونے کے بعد، حضور انور ایدہ اللہ کے پہلے ارشاد کی تعمیل میں سارا عالمِ احمدیت فوراً بیٹھ گیا حتی کہ سات سمندر پار کے احمدی بھی اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے۔ پھر خلافت جوبلی کے جلسہ میں ایک فرمان پر سارا عالمِ احمدیت کھڑا ہو گیا۔ جب حضور انور ایدہ اللہ نے خلافت سے وفاداری، اطاعت اور قربانی کا عہد لیا تو یوں لگتا تھا کہ سارا عالمِ احمدیت سمٹ کر حضور انور کی مٹھی میں آ گیا ہے!

حضور انور غانا گئے تو دنیا نے یہ نظارہ دیکھا کہ حضور انور لوائے احمدیت بلند فرما رہے تھے اور ساتھ ہی صدر مملکت اپنے ملک کا جھنڈا بلند کر رہے تھے۔ ایسا نظارہ کینیڈا کی سب سے بڑی مسجد کے افتتاح کے موقع پر بھی دیکھنے میں آیا۔ حضور انور نے لوائے احمدیت لہرایا اور ملک کے وزیر اعظم نے کینیڈا کا جھنڈا بلند کیا۔

ایک وقت تھا کہ جماعت کے مبلغین تبلیغ کے لئے کسی ملک میں جاتے تو انہیں جیل میں ڈال دیا جاتا اور اب یہ زمانہ آ گیا ہے کہ خلیفۂ وقت دورہ پر جاتے ہیں تو کئی ممالک میں انہیں سرکاری طور پر خوش آمدید کہا جاتا ہے۔ حکومت کے کارندے اپنے شہروں کی چابیاں خلفاء کی خدمت میں پیش کرنا اپنا اعزاز سمجھتے ہیں۔ مختلف سربراہانِ مملکت حضور انور ایدہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ملکی معاملات میں راہنمائی حاصل کرتے ہیں اور دعا کی بھی درخواست کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کی تائید و نصرت کا ہر روز ایک نیا باب کھلتا چلا جاتا ہے!

یہ پذیرائی، یہ عزت، یہ مقبولیت اور عالمگیر وحدت کے روح پرور نظارے



غزل

(آدم چغتائی)

گہرے دریاؤں کو پایاب کیا ہے ہم نے
اس طرح حلقہ گرداب کیا ہے ہم نے

وہ فسانہ جو وفاؤں کی امانت ٹھہرا
تیرے نام اُس کا ہر اک باب کیا ہے ہم نے

کب کیا ہم نے گِلہ وقت کی بے مہری کا
ذکرِ بے مہری احباب کیا ہے ہم نے

گذرے جس راہ سے پھولوں نے لئے اپنے قدم
اُجڑے گلشن کو بھی شاداب کیا ہے ہم نے

میکدے والوں اعجازِ نظر بھی دیکھو
تمام ہی مے کو مئے ناب کیا ہے ہم نے

شدت غم میں بھی جن آنکھوں کے آنسو نہ بہے
ایسی آنکھوں کو بھی پُر آب کیا ہے ہم نے

جسکو سن کر سرِ آدم سبھی جھکا تھا اک دن
نغمہ وہ تشنہ مضراب کیا ہے ہم نے

❁❁❁❁❁❁❁❁

ہم جس کثرت سے دیکھ رہے ہیں یہ سب اس خدائے ذوالجلال کا دین ہے جو ہر عزت وعظمت کا سرچشمہ ہے۔ دنیا کی نظر میں خلیفۂ وقت کے پاس نہ کوئی تاج ہے، نہ کوئی تخت اور نہ کوئی حکومت۔ لیکن دیکھو! کہ وہ خدائی تائید و نصرت کی برکت سے عالمگیر وحدت کا زندہ نشان بن کر اکنافِ عالم میں اپنوں اور غیروں کے دلوں پر حکومت کر رہا ہے۔ کیا یہ قدرت الٰہی کا کرشمہ نہیں کہ یہ بظاہر بے تاج لیکن روحانی بادشاہ آج کروڑوں دلوں کی دھڑکن بنا ہوا ہے۔

ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء

خلافت احمدیہ کے زیر سایہ وحدت ہی وحدت

آج امتِ مسلمہ اپنی بدقسمتی سے ذہنی، فکری اور نظریاتی لحاظ سے انتشار اور

افتراق کا شکار ہو چکی ہے۔ اس بھیانک پس منظر میں جماعت احمدیہ کی ایک واحد مثال ہے جو اپنے سربراہ کے ہاتھ پر متحد اور منظم ہے اور سربراہ بھی وہ جسے اللہ تعالیٰ نے خلافت کا منصب عطا کیا ہے۔ وہی خدا اس کی مدد کرتا ہے اس کی راہنمائی کرتا ہے اور نعمتِ خلافت کی برکت سے جماعت احمدیہ میں ہر پہلو سے وحدت ہی وحدت نظر آتی ہے۔ اختصار کے ساتھ چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

جماعت احمدیہ ایک خلیفۂ وقت کی قیادت اور راہنمائی میں چلنے والی جماعت ہے۔ خلافت کی برکت سے جماعت کے اندر نظریاتی اور فکری وحدت کے ساتھ ساتھ عملی وحدت بھی پائی جاتی ہے۔ جس طرف خلیفۂ وقت کی نگاہ اٹھتی ہے یا کسی جانب ہلکا سا بھی اشارہ ہوتا ہے، سارے احمدیوں کا رخ فوری طور پر اسی طرف ہو جاتا ہے۔ اسی وحدت میں جماعت احمدیہ کی عظمت اور ترقی کا راز مضمر ہے۔

جماعت کے اندر نظریاتی اور فکری وحدت کے قیام کے لئے ایک جامع نظام جاری ہے۔ ساری دنیا میں مذہبی تعلیم وتربیت کے لئے 13 جامعات قائم ہیں جہاں ایک جیسا نصابِ تعلیم جاری ہے جس سے عالمگیر وحدت پیدا ہوتی ہے۔

دینی امور میں راہنمائی کے لئے اِفتاء کا نظام جاری ہے جو خلیفۂ وقت کی نگرانی اور راہنمائی میں کام کرتا ہے اور نظریاتی وحدت کو قائم رکھتا ہے۔

جماعت کے اندر ذیلی تنظیموں کا نظام بھی خلیفۂ وقت کی راہنمائی میں کام کرتا ہے اور باہم کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔

خلافت کے زیر سایہ ہر ملک میں مجلسِ مشاورت کا نظام بھی جاری ہے۔ یہ نظام بھی جماعت کی وحدت اور نظریات وخیالات کی یکسانیت کو فروغ دیتا ہے۔

رمضان اور عیدین کے موقعہ پر عام مسلمانوں میں اختلاف ایک معمول بن گیا ہے لیکن خلافت کی راہنمائی میں جماعت احمدیہ کے اندر اس بارہ میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔ مطلع کے اختلاف سے مختلف ممالک میں الگ الگ تاریخیں ہو سکتی ہیں مگر سب کا فیصلہ ایک متفقہ اصول کے تابع ہوتا ہے۔

خلیفۂ وقت کا خطبہ جمعہ ساری جماعت کی یکساں اور بروقت راہنمائی کا ذریعہ ہے اس طرح ساری جماعت میں ایک نظریاتی اور فکری وحدت پیدا ہوتی ہے۔ جماعت احمدیہ کے علاوہ یہ نعمت کسی اور جماعت کو نصیب نہیں۔

خلافت احمدیہ میں خلیفۂ وقت کا وجود مرکزی محور کی حیثیت رکھتا ہے اور سارا نظام خلیفہ وقت کے اشارہ پر متحرک ہوتا ہے اور ساری جماعت یک جان ہو کر ایک سمت میں حرکت کرتی ہے۔ اس اتحاد اور وحدت کی برکت سے غیر معمولی قوت اور شوکت نصیب ہوتی ہے۔

ساری دنیا میں جماعت کے اصول وقواعد یکساں ہیں۔ اس وجہ سے ہر جگہ یکساں طرزِ عمل نظر آتا جو وحدت کا شاہکار ہے۔

الغرض خلافت کے زیر سایہ وحدت ہی وحدت نظر آتی ہے!

دورِ خلافت خامسہ

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے خلافت خامسہ کے بارہ میں فرمایا:

''یہ دور......انشاء اللہ تعالیٰ احمدیت کی ترقی اور فتوحات کا دور ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی تائیدات کے ایسے باب کھلے ہیں اور کھل رہے ہیں کہ ہر آنے والا دن جماعت کی فتوحات کے دن قریب دکھا رہا ہے۔ میں تو جب اپنا جائزہ لیتا ہوں تو شرمسار ہوتا ہوں۔ میں تو ایک عاجز، ناکارہ، نااہل، پُرمعصیت انسان ہوں۔ مجھے نہیں پتہ کہ اللہ تعالیٰ کی مجھے اس مقام پر فائز کرنے کی کیا حکمت تھی۔ لیکن میں یہ بات علیٰ وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس دور کو اپنی بے انتہا تائید ونصرت سے نوازتا ہوا ترقی کی شاہراہوں پر بڑھاتا چلا جائے گا۔ انشاء اللہ۔ اور کوئی نہیں جو اس دور میں احمدیت کی ترقی کو روک سکے اور نہ ہی آئندہ کبھی یہ ترقی رکنے والی ہے۔ خلفاء کا سلسلہ چلتا رہے گا اور احمدیت کا قدم آگے سے آگے انشاء اللہ بڑھتا رہے گا۔''

(خطاب 27 مئی 2008ء۔ الفضل انٹرنیشنل 25 جولائی 2008 صفحہ 11)

خلافت کے ساتھ خدا ہے۔ خلافت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے غلام صادق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعائیں ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے یہ الفاظ آپ کے خلفاء پر بھی صادق آتے ہیں: ''کیا خدا مجھے چھوڑ دے گا کبھی نہیں چھوڑے گا کیا وہ مجھے ضائع کر دے گا کبھی نہیں ضائع کرے گا۔ دشمن ذلیل ہوں گے اور حاسد شرمندہ اور خدا اپنے بندہ کو ہر میدان میں فتح دے گا۔ میں اس کے ساتھ وہ میرے ساتھ ہے کوئی چیز ہمارا پیوند توڑ نہیں سکتی''

(انوار الاسلام، روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 23)

❁❁❁❁❁❁❁❁



راجہ غالب احمد صاحب مرحوم

پاکستان کے شہرہ آفاق تخلیقی ادیب، شاعر اور دانشور

منور علی شاہد۔ جرمنی



جماعت احمدیہ لاہور میں اللہ تعالیٰ نے خلافت کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی وفا اور محبت کرنے والی بہت سے ایسی شخصیات پیدا کی ہیں جنکی خلیفۂ وقت، نظام خلافت اور سلسلہ سے عقیدت جنون کی حد تک بڑھی ہوئی تھی۔ لاہور کے ایسے ہی مخلصین میں سے ایک محترم راجہ غالب احمد صاحب بھی ہیں۔ آپ ان پاک اور نیک وجودوں میں سے ایک تھے جو خلیفۂ وقت کے سچے سلطانِ نصیر کہلانے کے حقدار ہیں اور جماعتی تعلیمات کا عملی نمونہ بن کر ہمیشہ تقویٰ کی راہوں پر چلنے والے ہوتے ہیں، نظام جماعت کی کامل اطاعت، اس کی حفاظت اور اس کی تشریح اپنے قول وفعل کے ساتھ کرتے کرتے زندگی گزار کر اس دنیا سے تو رخصت ہوجاتے لیکن دوسروں کے لئے مشعل راہ بن جاتے ہیں۔ آپ نے 4 جون 2016 کو 88 برس کی عمر میں لاہور میں وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بیت النور ماڈل ٹاؤن لاہور میں آپ کی نماز جنازہ مکرم طاہر احمد ملک صاحب امیر لاہور نے اور ربوہ میں نمازِ عصر کے بعد مکرم صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب ناظر اعلیٰ وامیر مقامی ربوہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور بہشتی مقبرہ دارالفضل ربوہ میں تدفین کے بعد محترم صاحبزادہ صاحب موصوف نے ہی دعا کرائی

(روزنامہ الفضل ربوہ 8 جون 2016 صفحہ 8)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے خطبہ جمعہ فرمودہ 17 جون 1916 میں مکرم راجہ غالب احمد صاحب کے بارے میں ان کے خاندانی تعارف اور خدمات دینیہ کا ذکر کیا اور فرمایا:

"ان کے والد حضرت راجہ علی محمد صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے انہوں نے 1905 میں بیعت کی اور سلسلہ احمدیہ میں شمولیت اختیار کی۔ ان کے والد کو قادیان میں بطور ناظر مال اور ناظر اعلیٰ خدمت کی توفیق ملی۔ راجہ غالب احمد صاحب کے نانا ملک برکت علی صاحب تھے اور حضرت ملک عبدالرحمن خادم صاحب جو خالد احمدیت تھے آپ کے ماموں تھے۔ حضور نے فرمایا" ان کے والد حضرت راجہ علی محمد صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے انہوں نے 1905 میں بیعت کی اور سلسلہ احمدیہ میں شمولیت اختیار کی۔ ان کے والد کو قادیان میں بطور ناظر مال اور ناظر اعلیٰ خدمت کی توفیق ملی۔ راجہ غالب احمد صاحب کے نانا ملک برکت علی صاحب تھے اور حضرت ملک عبدالرحمن خادم صاحب جو خالد احمدیت تھے آپ کے ماموں تھے۔ حضور نے فرمایا"1974 کے بعد آپ کو بطور ترجمان جماعت احمدیہ کئی بار پریس کانفرنسیں، پریس ریلیزیں اور بیانات جاری کرنے کا موقع ملا۔ خطوط لکھنے والے تھے۔ اخبارات کو ذاتی بیانات دینے کا موقع ملا۔ 1992 تا 1997 ڈائریکٹر فضل عمر فاؤنڈیشن، 1975۔85 تک ڈائریکٹر وقف جدید اور اس کے علاوہ نائب صدر ناصر فاؤنڈیشن بھی رہے۔ بڑے سادہ مزاج اور بڑے دھیمے مزاج کے تھے۔ خلافت سے ان کا بڑا تعلق تھا اور جماعتی عہدیداروں کی بھی بڑی عزت اور احترام کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سے مغفرت کا سلوک فرمائے درجات بلند کرے ان کی اولاد نہیں تھی ان کی ایک لے پالک بیٹی تھی اللہ تعالیٰ اس کو بھی صبر اور حوصلہ عطا فرمائے"۔

(الفضل انٹرنیشنل 24 جون 2016)۔

خاکسار کی کوئی حیثیت نہیں ہے کہ اس عظیم شخصیت پر اظہارِ خیال کروں لیکن مدعا بس یہی ہے کہ آپ کا ذکر خیر ہو جاوے اور احباب آپ کی مغفرت اور بلندیٔ درجات کے لئے دعائیں کریں نیز ان کی خدمات کو نئی نسل کے سامنے رکھا جائے۔ لاہور میں ایک اہم جماعتی ذمہ داری کے حوالے سے اِس

عاجز کا آپ کے ساتھ کم وبیش 11 سال تک نہایت قریبی تعلق رہا جس کے نتیجہ میں جہاں آپ کی شفقت، محبت خاکسار کو میسّر آئی، وہیں آپ جیسی صاحب علم وقلم اور نفیس شخصیت سے سیکھنے کے علاوہ آپکو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ آپ کے ساتھ، آپ کی راہنمائی میں گزرے شب و روز یقینا میرے جیسے کمزور نالائق انسان کے لئے ایک قیمتی اثاثہ سے کم نہیں۔ ذیل کی سطور میں "یادوں کے وسیع صحرا" میں پھیلی پرانی یادوں کی روشنی میں محترم غالب احمد راجہ صاحب کی شخصیت، دینی خدمات کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی عاجزانہ کوشش کی گئی ہے۔

محترم غالب احمد راجہ صاحب بیشمار خوبیوں کے مالک تھے، فرشتہ صفت انسان تھے، عاجزی اور انکساری کا پیکر تھے۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ اور خلافت سے وفا، محبت اور وفا کا گہرا تعلق تھا۔ خلفائے احمدیت، خاندان حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اور سلسلہ کے دیگر بزرگان سے ان کی محبت عقیدت اور وفا بلندی کو پہنچی ہوئی تھی۔ آپ ایک صائب الرائے اور منکسر مزاج انسان تھے۔ ایک دانشور، شاعر، بلند پائیہ لکھاری اور بہترین نقاد تھے۔ بہت سے قومی اخبارات و جرائد میں آپ کی تحریریں اور نظمیں شائع ہوتی رہیں۔ انگریزی زبان میں بھی آپ نے انسانی حقوق کے موضوع پر لکھا ہے۔ خاص طور پر جماعت احمدیہ کے خلاف ضیاالحق کے قانون پر لکھے گئے مقالہ کو جنوبی ایشیا میں بہت پذیرائی ملی تھی۔ آپ کے کلاس فیلوز اور رفقاء کاروں میں حنیف رامے سابق وزیر اعلیٰ پنجاب، احمد ندیم قاسمی، انتظار حسین، شہزاد احمد، وغیرہ شامل تھے۔ آپ نے ادب کی دنیا میں بہت محترم مقام پایا تھا۔ جماعت سے باہر بھی آپ کے وسیع رابطے تھے جن میں نامور کالم نگار، ادیب، شاعر، سیاست دان، انسانی حقوق سے وابستہ لوگ شامل تھے جو سبھی آپ کی عزت واحترام کرتے تھے۔

اب خاکسار مکرم راجہ غالب احمد صاحب کے حالات زندگی پر ایک نظر ڈالتا ہے۔ آپ 1928 کو ضلع گجرات میں پیدا ہوئے تھے۔ سنٹرل ماڈل سکول لاہور سے میٹرک کیا، قادیان سے ایف اے کا امتحان پاس کیا۔ 1951 میں گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم اے نفسیات میں فرسٹ پوزیشن کے ساتھ یونیورسٹی میں ایک نیا ریکارڈ قائم کیا تھا۔ یونیورسٹی میں لکھے گئے ان کے تھیسز کا عنوان "مشرقِ وسطی میں ختنہ کا رواج" تھا جو بعد میں کتابی شکل میں بھی شائع ہوا تھا۔ اس مقالے کے حوالے سے محترم راجہ صاحب نے ایک واقعہ کا خاکسار سے مختلف مواقع پر کئی بار ذکر کیا تھا جس کا یہاں ذکر کرنا برمحل ہے۔ محترم راجہ صاحب کے مطابق ان کا تحریر کردہ مقالہ جب قاہرہ مصر کی یونیورسٹی میں بھجوایا گیا تو وہاں سے انہوں نے صد فیصد نمبر لگا ئے، پنجاب یونیورسٹی انتظامیہ نے واپس بھیجا کہ دوبارہ چیک کریں شاید غلطی لگ گئی ہے۔ مصر سے پھر صد فیصد نمبر کے ساتھ مقالہ واپس آ گیا۔ اس پر پنجاب یونیورسٹی نے دوبارہ قاہرہ یونیورسٹی کو بھیجا اور لکھا کہ اس مضمون میں صد فیصد نمبر نہیں مل سکتے براہ کرم ایک دو نمبر کم کریں۔ اس قاہرہ یونیورسٹی نے جواب دیتے ہوئے کہا ایسا ممکن نہیں ہے، نمبر کم نہیں ہو سکتے البتہ بڑھ سکتے ہیں اور مقالہ واپس پاکستان بھیج دیا۔ غالب امکان یہی ہے کہ یہ پنجاب یونیورسٹی کا ریکارڈ ہے جو ابھی تک ٹوٹا نہیں ہے۔ آپ نے دس سال تک پاکستان ایئر فورس میں بطور سائیکالوجسٹ خدمات سرانجام دیں پھر محکمہ تعلیم میں ملازمت شروع کر دی اور کلیدی عہدوں پر کام کی توفیق پائی ان میں لاہور سیکنڈری بورڈ کے سیکرٹری، سرگودھا سیکنڈری بورڈ کے چیئرمین اور پھر پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ کے چیئرمین کی حیثیت سے کام کیا۔ 1974 میں جب قومی اسمبلی کی طرف سے ناٹ مسلم قرار دینے کا سیاہ قانون پاس ہوا تو اس کے بعد آپ کو مخالفت کی وجہ سے او ایس ڈی (Officer on Special Duty) یعنی بیکار آفسر بنا دیا گیا اور 1974 سے 1988 تک اسی عہدہ پر رکھا گیا جو امتیازی سلوک کا ایک سیاہ ریکارڈ ہے۔

مکرم راجہ غالب احمد صاحب اپنی فہم و فراست اور تدبر کے باعث جماعت کے اندر اور باہر ایک نمایاں مقام رکھتے تھے ایک ایسا ہی واقعہ محترم اعجاز احمد صاحب (سابق قائد خدام الاحمدیہ ضلع لاہور) نے ان کے بارے میں بتایا تھا جس سے آپ کی شخصیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ آپ بتاتے ہیں کہ دسمبر 1984 میں حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب پاکستان تشریف لائے تو آتے ہی بیمار ہو گئے تھے۔ جب چوہدری صاحب کی بیماری

لمبی ہوئی اور صاحبِ فراش ہوئے تو اس پر امیر صاحب لاہور نے ایک میٹنگ بلائی جس میں زیادہ تر وکیل تھے اور مکرم راجہ غالب احمد صاحب بھی میٹنگ میں موجود تھے۔ اس میٹنگ میں مکرم راجہ غالب احمد صاحب نے محترم امیر صاحب کی خدمت میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ مسلم ممالک اور خاص طور پر فلسطین اور مقبوضہ کشمیر کے لئے حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی بہت خدمات ہیں جبکہ وہ عالمی عدالت کے جج اور یو این او کے صدر کے طور پر کام کر رہے تھے۔ اب اگر چوہدری صاحب گمنامی میں فوت ہو گئے تو تاریخ ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گی لہذا ہمیں پاکستان کے تمام اخبارات اور اسلامی سفارتخانوں کو ان کی علالت بارے اطلاع کر دینی چاہیئے۔ محترم راجہ صاحب کے اس مشورے کو سبھی نے بہت پسند کیا اور پھر امیر صاحب نے ان کی ہی ڈیوٹی لگا دی کہ وہ خط تحریر کریں اور پھر اگلے دو دنوں میں خطوط مکرم امیر صاحب لاہور کی طرف سے اسلامی سفارتخانوں اور قومی اخبارات کو ارسال کر دیئے گئے تھے۔ چوہدری صاحب کی علالت کی خبر کی اشاعت کے ساتھ ہی چوہدری صاحب کی خیریت معلوم کرنے والوں کا تانتا بند گیا تھا۔ ان میں اسلامی ممالک کے سفراء، ملکی سیاست دان اور دیگر بے شمار اہم شخصیات شامل تھیں۔

اسلامی اصول کی فلاسفی کی صد سالہ تقریبات کے سلسلہ میں لاہور میں مکرم امیر صاحب نے ایک خصوصی کمیٹی تشکیل دی تھی جس کے اجلاسات میں آپ نے صائب مشورے دیئے تھے، کمیٹی نے دیگر تحقیقی کام کرنے کے علاوہ لاہور میں دو سیمینار بھی منعقد کرائے تھے جس میں مرکزی اور مقامی صاحبانِ علم نے "جلسہ اعظم مذاہب' کے بنیادی پانچ سوالات پر علمی و تحقیقی تقاریر کیں۔ مکرم راجہ غالب احمد صاحب نے پہلے سیمینار منعقدہ مارچ 1996 بمقام مسلم ٹاؤن لاہور میں "جلسہ مذاہب عالم 1896 ایک تعارف" کے عنوان سے ایک سیر حاصل مقالہ پڑھا تھا جس کا طویل عرصہ تک لاہور جماعت میں چرچا رہا۔

2008 میں مکرم راجہ صاحب علیل ہو گئے تھے ان کا ایک اپریشن بھی ہو چکا تھا، خاکسار نے حضورؒ کی خدمت میں اطلاع و دعا کی غرض سے فیکس کر دی۔ کچھ ہفتوں بعد دارالذکر دفتر سے ایک خط وصول ہوا جو حضور کی طرف سے تھا۔ خط میں دعاؤں کے بعد آخر پر تحریر تھا کہ:

" میری طرف سے ان کی عیادت کریں اور انہیں محبت بھرا سلام پہنچائیں۔"

خاکسار اسی وقت راجہ صاحب کے گھر پہنچا اور حسبِ ارشاد عیادت کرنے کے بعد خط بھی پڑھنے کو دیا، خط پڑھنے کے بعد آپ کے چہرہ پر اطمینان و سکون کی لہر اور ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

مکرم فخر الحق شمس صاحب لاہور میں مربی سلسلہ تعینات رہے تھے جن کا محترم غالب احمد صاحب کے ساتھ علمی و ذوقی تعلق رہا تھا۔ آپ نے خاکسار کو محترم راجہ غالب احمد صاحب کی ادبی اور صحافتی خدمات بارے میں بہت کچھ بتایا تھا۔ ان کے مطابق 1990 کی دہائی کے شروع میں ہم نے "کاروانِ علم و آشتی" کے نام سے ایک علمی تنظیم بنائی تھی، جس کے تحت ہم اخبارات میں لکھا کرتے تھے۔ اس تنظیم کے خیال کو عملی جامہ پہنانے اور قواعد و ضوابط لکھنے میں محترم راجہ غالب صاحب کا بہت کردار تھا اور بہت محبت سے اس کام میں میری راہنمائی کی تھی۔ اسی طرح "کاروانِ علم و آشتی" کے زیر اہتمام" کرک ہاؤس" میں مکرم چوہدری محمد علی صاحب کے ساتھ ایک شام منائی گئی تھی، اس کی کامیابی میں محترم راجہ صاحب کا بہت کردار تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے 1990 میں "حقوق انسانیت" کے حوالے سے ایک سال منانے کی تحریک فرمائی تھی۔ تعمیل میں ہماری علمی ادبی تنظیم کے تحت ایک بڑا پروگرام "ایوانِ محمود" ربوہ میں منعقد ہوا جس میں ایک ہزار سے زائد مقامی احباب نے شرکت کی تھی۔ لاہور سے محترم راجہ غالب احمد صاحب کی توسط سے منو بھائی کو ہم بذریعہ کار ربوہ لے کر آئے اور جناب منو بھائی نے پروگرام کے مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی۔ اس پروگرام میں مقالے پڑھنے والوں میں مکرم سیّد قمر سلیمان احمد صاحب اور مکرم عبد السمیع خان صاحب بھی شامل تھے۔ منو بھائی نے آخر پر اپنے خطاب میں جماعت احمدیہ کی حقوق انسانی کے بارے میں خدمات پر خوشنودی کا اظہار کیا اور اس پروگرام کو بہت پسند کیا اور سراہا۔ اسی طرح فلیٹی ہوٹل لاہور میں ایک علمی پر

وگرام ہوا تھا جس کا عنوان "آج کے دور میں لکھا پڑھا کون ہے؟"۔ اس پروگرام کے چیف گیسٹ حنیف رامے تھے، ان کے علاوہ منو بھائی، انتظار حسین، شہزاد احمد سمیت دیگر بڑی علمی و ادبی شخصیات شامل تھیں اور ہر ایک نے بڑھ چڑھ کر اپنے انداز میں موضوع پر اظہار خیال کیا، پروگرام کے دوران محترم راجہ صاحب بھی ڈائس پر آتے رہے اور اپنے مخصوص انداز میں مقررین کی باتوں کا مدلّل اور مؤثر انداز میں جواب دیتے اور مزے کی بات یہ تھی کہ آپ نے کسی کو موضوع سے ہٹنے نہیں دیا اور اپنے بیٹھے، پُرحکمت انداز میں اس پروگرام کو نظم وضبط کے ساتھ اور ماحول کو گل و گلزار بناتے ہوئے کامیاب کیا۔ بلاشبہ راجہ غالب صاحب ایک محفل، سٹیج اور میٹھی پُرحکمت باتوں والے ماہر ابلاغیات تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر ایک خوبی پیدا کر رکھی تھی کہ وہ اللہ کے سوا کسی سے ڈرتے نہیں تھے"۔

2013 میں روزنامہ الفضل ربوہ کے قیام کو 100 پورے ہو گئے تھے اس حوالے سے ایک "صد سالہ سوونیئر" کی اشاعت ہو رہی تھی۔ مکرم راجہ صاحب کا انٹرویو ان کے گھر میں مکرم فخر الحق شمس صاحب نے لیا تھا، خاکسار بھی اس موقع پر موجود تھا اس انٹرویو میں آپ نے بتایا تھا کہ 1937 میں قرآن پاک ختم کرنے پر ان کی تقریب آمین کی رپورٹ روزنامہ الفضل میں شائع ہوئی تھی۔ نیز یہ کہ راولپنڈی میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بچپن میں آپ کو قاعدہ یسرنا القرآن کا سبق پڑھایا تھا

(روزنامہ الفضل ربوہ صد سالہ جوبلی سوونیئر 2013 صفحہ 285)

مکرم راجہ صاحب کو اپنے مجموعہ کلام کی اشاعت کی بھی فکر تھی جس پبلشر کے پاس اس کی طباعت ہو رہی تھی اس کے ساتھ گاہے بگاہے خاکسار کو بھجواتے رہتے اور بالآخر کلام "رخت ہنر" کے نام سے شائع ہو گیا۔ لاہور میں آپ کی شاعری کے مجموعہ کلام "رخت ہنر" کی اشاعت کے بعد اس کی تقریب رونمائی کا انعقاد ان کی دِلی خواہش بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے پوری ہو گئی تھی۔ اس کی تقریب رونمائی منعقد کرانے میں خاکسار کو دیگر مقامی احباب اور ساتھیوں کا تعاون حاصل رہا جس میں مکرم نصر اللہ بلوچ صاحب، مکرم محمد محمود خان صاحب قابل ذکر ہیں۔ یہ تقریب 30 اکتوبر 2008 کو "پنجاب انسٹیٹیوٹ آف لینگویجز، آرٹ اینڈ کلچر قذافی سٹیڈیم لاہور میں منعقد ہوئی جس کی صدارت ملک کے معروف ادبی شخصیت اور نامور نقاد محترم انتظار حسین صاحب نے کی تھی جبکہ دیگر مقررین میں اصغر ندیم سید، مسعود اشعر، قاضی جاوید، ڈاکٹر قاضی منور احمد صاحبان شامل تھے انہوں نے راجہ غالب احمد کی عمدہ شاعری پر اظہار خیال کیا۔ احباب لاہور جماعت کی بڑی تعداد نے بھی تقریب میں شرکت کی تھی۔ اس تقریب کے نظامت کے فرائض پروفیسر ڈاکٹر عبدالکریم خالدؔ صاحب نے سرانجام دیئے تھے۔

محترم راجہ غالب احمد صاحب نے اپنی اہلیہ کی وفات کا صدمہ بھی انتہائی صبر اور ہمت کے ساتھ برداشت کیا تھا، اہلیہ کی وفات پر آپ بالکل اکیلے رہ گئے تھے۔ خاکسار جب بھی ان کے گھر جاتا تو ان کو گہری سوچ میں پاتا تھا۔ ان کے گھر پالے طوطے کی آواز سے ہی کسی اور کے ہونے کا پتہ چلتا تھا۔ زندگی کے آخری سالوں میں آپ کی یادداشت بہت متاثر ہو چکی تھی۔ آخری بار جب آپ کے گھر ملنے گیا تو ان کے لئے خاکسار کو پہچاننا بھی ممکن نہیں رہا تھا۔ ان کی لے پالک صاحبزادی نے بتایا تھا کہ اب وہ کسی کو نہیں پہچانتے۔ 2013 میں جرمنی پہنچ کر بھی ایک دو بار فون کیا لیکن پہچان نہیں سکے تھے۔ ان کے بارے میں دوستوں سے خبریں لیتا رہتا تھا۔ جرمنی میں ہی مجھے مکرم راجہ غالب احمد صاحب کی وفات کی اطلاع ملی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ کئی دنوں تک آپ کی وفات کے غم کے زیر اثر رہا۔ ہجرت کی کڑی آزمائشوں میں ایک یہ بھی ہے کہ آپ بہت پیاروں کے آخری دیدار سے محروم رہ جاتے ہیں۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں آپ کی وفات پر تعزیت اور اظہار افسوس کا خط لکھا جس کے جواب میں حضور نے تحریر فرمایا:

"اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند کرے۔ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ہمیشہ ان پر اپنے پیار کی نظریں ڈالتا رہے اللہ آپ کے ساتھ ہو۔"

(بشکریہ المنار جرمنی)

❁❁❁❁❁❁❁❁



میاں عبدالسمیع صاحب نون ایڈووکیٹ آف سرگودھا

(انجینئر محمود مجیب اصغر)

میاں عبدالسمیع صاحب نون ایڈووکیٹ پنجاب کے مشہور سیاسی اور زمیندار خاندان" نون" کے چشم و چراغ تھے نون فیملی کی جاگیر بھلوال، بھیرہ، شاہ پور میں کئی ملحق گاؤں پر مشتمل ہے آپ کے ہی خاندان کے ایک فرد سر فیروز خان صاحب نون پاکستان کے وزیر اعظم رہ چکے ہیں۔

نون فیملی میں سے اللہ تعالی نے آپ کے والد حضرت عبدالعزیز صاحب نون کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا صحابی بننے کا شرف بخشا ورنہ ایسے بڑے خاندانوں میں دنیوی وجاہت چھوڑ کر روحانی سلسلے سے وابستہ ہونا بڑا rare ہوتا ہے۔

آپ تعلیم الاسلام کالج کے ابتدائی سٹوڈنٹس اور پرنسپل حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب کے کالج دور کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔ آپ کے بڑے شاندار مضامین الفضل میں چھپتے تھے ان سے متاثر ہو کر عمر کے تفاوت کے باوجود آپ سے اس عاجز کی قلمی دوستی ہوگئی۔

برٹش انڈیا کے زمانے میں سرکاری خط و کتابت کے لئے فول پروف سائز کاغذ استعمال ہوتا تھا آپ کا خط ہمیشہ فول پروف سائز کے کاغذ پر آتا تھا بڑی روانی اور خوبصورتی سے شکستہ انداز میں لکھتے تھے۔

آپ کے ایک صاحبزادے نے بتایا کہ آپ کا قلم خوب چلتا تھا ایک دفعہ وہ آپ کے پاس چائے لے کر گئے آپ کوئی مضمون لکھ رہے تھے فرمانے لگے امید ہے چائے دس منٹ میں ٹھنڈی نہیں ہوگی کیونکہ یہ مضمون لکھ کر ہی چائے پیوں گا چنانچہ آپ نے سات منٹ میں مضمون ختم کر لیا اور چائے ابھی تک گرم تھی۔

خلافت اور مرکزیت سے جذباتی تعلق

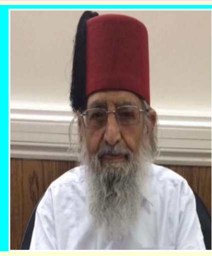
خلافت اور مرکزیت سے آپ کو بڑا جذباتی تعلق تھا جس کا اکثر اظہار آپ کی تحریرات سے ہوتا تھا ربوہ تو آپ کا اکثر آنا جانا رہتا تھا لیکن قادیان کے لئے بہت بے تاب رہتے تھے ایک بار اخبار میں کوئی خبر آئی کہ 70 سال سے زیادہ عمر کے پاکستانی کو انڈیا جانے کے لئے ویزے کی ضرورت نہیں پڑے گی آپ بیگ لے کر واہگہ بارڈر پر پہنچ گئے اور انہیں اخبار کی خبر دکھائی اور بارڈر کراس کرنا چاہا تا کہ قادیان ہو آئیں لیکن ایسے کیسے ممکن تھا چنانچہ آپ کو واپس سرگودھا آنا پڑا اس امر کا ذکر آپ نے اس عاجز کے نام اپنے ایک خط میں کیا

اس عاجز کی طرف سے ایک بار الفضل انٹرنیشنل میں ٹیکنیکل میگزین کے لئے ایک اعلان چھپا اس پر ای میل ایڈریس بھی تھا چنانچہ اس ای میل ایڈریس پر امریکہ سے کسی دوست کا خط آیا کہ وہ مضامین میں خلافت و مرکزیت سے عشق دیکھ کر آپ سے اور اس عاجز سے رابطہ کرنے کے لئے بے تاب تھے اور انہوں نے وہ مشترکہ خط نون صاحب کو بھجوانے کے لئے کہا چنانچہ وہ ای میل آپ کو پوسٹ کر دی گئی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کی وفات پر ہم نے اکٹھے لندن کا سفر کیا واپسی پر آپ نے دوحہ (قطر) ہوٹل میں بتایا کہ آپ نے خواب میں دیکھا تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث آئے ہیں حضور کے ہاتھ میں پھولوں کے دو ہار ہیں بڑا ہار حضور نے حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب کے گلے میں اور چھوٹا ہار صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب کے گلے میں ڈال دیا۔ چنانچہ حضرت مرزا مسرور احمد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے خلافت خامسہ کے روحانی تخت پر متمکن فرما دیا اور مرزا خورشید احمد صاحب کو خلیفہ وقت نے اپنی جگہ ناظر اعلیٰ و امیر مقامی کی ذمہ داری سونپ دی۔

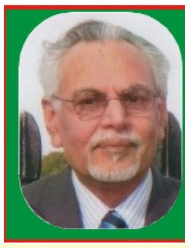
آپ کی جذباتی تحریرات کے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع بھی قدردان تھے ایک طویل خط مرقومہ 24 جنوری 1994ء (لندن) میں حضور نے آپ کو لکھا۔"..آپ کو جانتا تو بہت دیر سے ہوں اور جتنی دیر سے جانتا ہوں ہمیشہ آپ کو اچھا پایا اور آپ کے ملنے سے میں نے ہمیشہ طبعی خوشی محسوس کی.........اس ایک خط میں ہی جو اس وقت میرے پیش نظر ہے آپ کی تحریر کی سلاست اور دلکشی اور جاذبیت اور بہت گہرا اثر رکھنے والا سمویا ہوا غم کسی اعلیٰ درجہ کے شعری کلام سے کم نہیں لیکن اس پر مستزاد یہ کہ آپ نے بہت ہی لطیف اور اعلیٰ پائے کے شعری انتخاب سے اس خط کو مزین کر کے اسے مزید نور بخشا ہے...."

آپ کی وفات 8 جنوری 2011ء کو تقریباً 84 سال کی عمر میں ہوئی اور آپ کی تدفین بہشتی مقبرہ ربوہ میں ہوئی



مکرم دین محمد صاحب (مرحوم) آف ٹوٹنگ لندن کا ذکر خیر

عطاء القادر طاہر سابق صدر بالہم



مکرم ومحترم دین محمد صاحب مرحوم سے میری شناسائی اس وقت سے تھی جب میں ستر کی دہائی میں لندن آیا تھا مگر زیادہ قربت اس وقت شروع ہوئی جب 1981 کے وسط میں، میں نے ٹوٹنگ میں اپنی رہائش اختیار کی۔ میں خود ان سے ملنے ان کی رہائش گاہ پر گیا کیونکہ مجھے بتایا گیا تھا کہ موصوف جماعت ٹوٹنگ کے سیکرٹری مال ہیں اور ساتھ تجنید کا عہدہ بھی ان کے پاس ہے۔ نہائیت خندہ پیشانی سے مجھے ملے اور دیر تک مجھ سے باتیں کرتے رہے، اس وقت سے ہی ہماری دوستی کا آغاز ہوا جو کہ ان کے مرتے دم تک رہا۔ اس زمانے میں ٹوٹنگ کی جماعت علاقائی طور پر کافی بڑی تھی اور بعد میں چار جماعتوں یعنی ٹوٹنگ، ٹوٹنگ براڈوے، ٹوٹنگ بیک اور بالہم میں تقسیم ہوگئی۔ دین صاحب بہت محنت اور لگن سے جماعتی کام کیا کرتے تھے، ہر احمدی کے گھر خود چل کر جاتے اور چندہ وصول کرتے تھے۔ اگر کسی نے کہہ دیا کہ اس وقت میرے پاس نہیں ہے اور بعد میں آ کر لے جائیں تو پوچھتے کہ کب آؤں اور پھر اگلی دفعہ اسی وقت اس کے پاس پہنچ جاتے۔ میں خود بھی جماعت ٹوٹنگ کا جماعتی عہدیدار رہا ہوں اور دین صاحب کے ساتھ مل کر جماعتی خدمات سر انجام دیتا رہا۔ بعد میں جب ٹوٹنگ جماعت کی تقسیم ہوئی تو مجھے بطور صدر، جماعت بالہم کی خدمت کا سترہ سال تک بفضل تعالی موقع ملتا رہا۔ الحمدوللہ

دین صاحب کے ساتھ کافی دوستی تھی اور جب بھی مل بیٹھنے کا موقع ملتا تو اکثر اپنی زندگی کے واقعات سنایا کرتے تھے۔ دین صاحب خاصے پڑھے لکھے انسان تھے اور پاکستان سے وکالت کر کے لندن میں مزید وکالت پڑھنے کے لئے آئے تھے۔ انھوں نے مجھے اپنی اوائل عمر کی تصاویر بھی دکھلائیں جن مین وہ بہت سمارٹ نظر آتے تھے۔ ایک واقع انھوں نے مجھے سنایا کہ انھیں پرانے سکے اور بونڈز جمع کرنے کا بہت شوق تھا، وہ ہر وقت اسی لگن میں رہتے تھے۔ ان کے پاس بعض سکے تو بہت انمول تھے یعنی صدیوں پرانے جو کہ بہت گرانقدر تھے۔ اس کے علاوہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے سکے اور ملکہ وکٹوریا کے عہد کے سکے اور بانڈز تھے۔ چونکہ فطرتاً بہت نیک سیرت تھے ایک دن بیٹھے بٹھائے خیال آیا کہ اس دیوانہ شغل کی وجہ سے گمراہ کن خیالات پیدہ ہو رہے ہیں جو مجھے اللہ سے دور لیجا رہے ہیں اور میں ہرگز ایسا نہیں چاہتا ہوں۔ انھوں نے ان سب سکوں اور بانڈز کو ایک صندوقچی میں ڈالا اور پیدل ہی دریا تھیمز کی طرف چل پڑے اور البرٹ برج کے اوپر کھڑے ہو کر صندوقچی کو دریا میں پھینک دیا اور سکون سے گھر آ گئے اور اللہ کی طرف رجوع کیا۔

غالباً 1990 / 91 کی بات ہے میں ٹیلیویژن کی ایک کمپنی سے منسلک تھا۔ دین صاحب نے مجھ سے کہا کہ ہمارے گھر میں ٹی وی نہیں ہے اور میرے بچوں کی خواہش ہے کہ ہمارے گھر میں بھی ٹی وی ہونا چاہئے۔ میرا گھر دین صاحب کے گھر سے زیادہ دور نہ تھا اور ان کے کہنے پر میں نے گھر میں موجود ایک بڑے سائز کے ٹی وی کو اپنی کار میں رکھا اور مغرب کی نماز سے قبل ان کے گھر پہنچا دیا۔ گھر کے اندر سے آنے والی آوازوں سے اندازہ ہوا کہ گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی ہے اور میں اطمینان سے اپنے گھر کی طرف لوٹ آیا۔ اگلی صبح فجر کے وقت دروازہ پر دستک ہوئی، میں قدرے حیران ہوا کہ اس وقت کون ہو سکتا ہے، دروازہ کھولا تو دیکھا کہ دین صاحب نے وہی ٹی وی ایک wheel-burrow میں رکھا ہوا تھا۔ مجھ سے کہنے لگے کہ اپنا یہ ٹی وی واپس لے لیں، میرے استفسار پر کہنے لگے کہ اس کے آنے سے بچے نمازوں سے غافل ہو رہے تھے اس لئے میں نے سوچا کہ اس شیطانی شے کو واپس کر دوں تا کہ ان کی توجہ اللہ کی یاد کی طرف رہے۔

انھی دنوں کی بات ہے کہ دین صاحب نے اپنا پورا مکان جماعت کے تصرف میں دے دیا اور اپنے رہنے کے لئے صرف ایک کمرہ رکھا۔ یہ صرف اس لئے کیا کہ جماعت کا سنٹر بنے گا اور نمازیں ہونگی تو اس سے ممبران کی اچھی تربیت ہوگی۔ حتی الوسع آج تک خود ہی امامت کرواتے رہے۔ اس نماز سنٹر میں مختلف تنظیموں کے اجلاسات وغیرہ بھی منعقد ہوتے رہے اور یہ سلسلہ اب تک چل رہا ہے۔ دین صاحب نہایت پارسا اور تقوی شعار تھے۔ بہت نرم طبیعت اور حلیم شخص تھے۔ بہت دینی علم رکھتے تھے اور قرآن کا بہت سا حصہ زبانی یاد تھا۔ جماعت اور خلفاء سے حد درجہ اخلاص و وفا کا تعلق رکھتے تھے۔ اللہ تعالی ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند کرے۔ آمین

بلاسفیمی لوٹ کے گھر کو آتی ہے



سلیم ملک

نئے وزیرداخلہ اسی رفتار سے چلتے رہے تو رتبے میں بہت جلد پرانے وزیرداخلہ کے برابر آ جائیں گے۔ اپنے ساتھ اپنی پارٹی اور حکومتی اتحاد کو بھی لے ڈوبیں گے۔نقصان تو پاکستانی عوام کا ہوگا جو پہلے پی ٹی آئی کی تبدیلی سے امید لگائے بیٹھے تھے اور اب پی ڈی ایم سے معجزوں کی امید لگائے بیٹھے ہیں۔ ہمارے ظاہری اور باطنی حکمرانوں کے پاس ملک کو ترقی کی راہ پر لانے جیسے مشکل کام کرنے کا ہنر ہے نہ نیت، بس عوام کو بے وقوف بنانے کا آسان طریقہ مذہب کا کاروبار ہی ہے سووہ کرتے ہیں۔

سیاسی اور ملکی ترقی کے معاملات میں مذہب کا سہارا لینا آسان ہے۔ حکمرانوں کو کچھ کرنا نہیں پڑتا۔ جنت کا وعدہ ہے اور وہ لوگوں نے خود کمانی ہے۔ جنت ملی یا نہ ملی، اس راز سے پردہ اٹھانے کا کوئی طریقہ بھی نہیں ہے۔حکمرانوں کا ٹاسک صرف اتنا رہ جاتا ہے کہ کوئی بھی ایشو اٹھائے رکھو اور لوگوں کی توجہ ادھر لگائے رکھو۔ کچھ کرنا بھی نہ پڑے اور اپنی خالی تقریروں کے لیے مواد بھی ملتا رہے۔

پی ٹی آئی اپنے دور میں اپنا منجن بیچ کر چلی گئی اب پی ڈی ایم نے اپنا منجن بیچنا شروع کر دیا ہے۔کارکردگی یہ کہ دنیا میں اپنے مذہب اور مذہبی رہنماؤں کی عزت بڑھانے کے لیے فلاں بیان دے دیا۔ فلاں فورم پر تقریر کر دی۔ تو واضح رہے کہ دنیا اس کا یقین نہیں کرتی جو ہمارے حکمران کہتے ہیں، بلکہ وہ اس بات کا یقین کرتے ہیں جو وہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے حکمران کر رہے ہوتے ہیں۔

ہمارے مذہب کی عزت ہمارے بیانات اور تقاریر سے نہیں بڑھ سکتی۔ اس کا دارومدار ہمارے روزمرہ کے رویے پر ہے۔ ساری دنیا کو نظر آ رہا ہے کہ ہمارے معاشرے میں سچ اور دیانت داری ناپید ہے۔ دنیا کو علم ہے کہ ہم اپنے کاروباری معاملات میں انتہائی ناقابل اعتبار ہیں۔ بے پناہ فرقہ واریت ہے۔ ہم انسانوں میں برابری کے قائل ہی نہیں ہیں۔ ہمارے ہاں جنسی، صنفی، مذہبی اور نسلی بنیادوں پر بے پناہ تفریق پائی جاتی ہے۔ اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ ایک معاشرہ وہی ہوتا ہے جو کچھ حکمران اس کو بناتے ہیں۔ سچ، دیانت داری اور تہذیب سکھانا پڑتی ہے۔ یہ کوئی ایسی چیز نہیں جو انسان ماں کے پیٹ سے سیکھ کر آتا ہے۔ تمام ترقی یافتہ معاشرے یہ سکھاتے اور حکمرانوں کو خود اس کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ پہلے حکمران سچ اور دیانت داری کا مظاہرہ کرتے تو پھر عوام اس پر عمل پیرا ہو سکتے ہیں۔

اس لیے بیرونی دنیا کو یہ خوب معلوم ہے کہ ہمارا کردار کیا ہے۔ ہمارے حکمرانوں کی تقریریں کھوکھلے نعروں سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں۔ بیرونی دنیا میں ہمارا مقام وہی ہے جو ہم کرتے ہیں نہ کہ وہ جو ہم کہتے ہیں کہ ہم ہیں۔

بلاسفیمی کا قانون بھی ایک ہتھیار ہے جو جنرل ضیاالحق نے مذہب کے نام پر بیچا۔ مقصد بغیر کچھ کیے لوگوں کو یہ یقین دلانا تھا کہ حکومت اسلام کی بہت خدمت کر رہی ہے۔ یہ دھندا پھر چل پڑا۔ ہمارے حکمرانوں نے اس کے نام پر نوجوانوں کو اپنے مقاصد کے لیے خوب استعمال کیا۔ پھر ٹی ایل پی کے ذریعے یہ معاملہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ حکمرانوں نے ہمارے بے ہنر، بے روزگار اور مستقبل سے مایوس نوجوانوں کو اسلام کے تحفظ پر مامور کر دیا ہے۔ اب نوجوانوں کو اس عہدے سے اتارنا آسان کام نہیں ہے۔ اس وقت سینکڑوں لوگ اس الزام میں پاکستانی جیلوں میں سڑ رہے ہیں اور ان کا کوئی پرسان حال نہیں۔ سال 2021 کے دوران 580 کیسز درج کرائے گئے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ بلاسفیمی واپس مڑ کر گھر کو آتی ہے۔ سبھی اس کا شکار ہوئے۔ آپا نثار فاطمہ جنرل ضیاالحق کے قریب تھیں اور بلاسفیمی لاء بنوانے کا کریڈٹ لیتی تھیں۔ ان کا اپنا بیٹا احسن اقبال اس کا شکار ہوا۔ اس کو گولی ماری گئی، خوش قسمتی سے بچ گیا۔ پی ٹی آئی نے ٹی ایل پی کے ساتھ مل کر نواز شریف کی حکومت کو بے بس کر دیا تھا۔ پھر وہی ہتھیار انہیں خود برداشت کرنا پڑا۔ اب

دوبارہ وہ اسی کا شکار ہو رہے ہیں۔

اور تو اور ٹی ایل پی کے بانی اور سربراہ جن کا بزنس ہی بلاسفیمی تھا ان پر الزام لگا۔ وہ کسی دوسرے فرقے کی اذان کے متعلق ناپسندیدگی کا اظہار کر رہے تھے۔ اس طرح جنید جمشید یعنی تبلیغی جماعت کے اتنے مشہور رہنما بھی اس کا شکار ہوئے۔ ملک سے بھاگ کر یورپ جانا پڑا۔ عمران خان پر بھی مولانا خادم رضوی یہ الزام لگا چکے ہیں۔ غرض کہ شاید ہی کوئی اس الزام سے بچا ہو۔ اس کو روکنا ہوگا۔ ہر اگلے دن کچھ نیا ہو جاتا ہے اور ہمیں ہیرو بننے کا ایک نیا موقع مل جاتا ہے۔

ایک موقع پھر آ گیا ہے۔ عمران خان اور پی ٹی آئی کی برداشت سے باہر ہو گیا ہے کہ عمران وزیراعظم نہیں ہیں۔ وہ تشدد پر اترے ہوئے ہیں۔ تشدد بذات خود قابل مذمت ہے جہاں بھی ہو۔ مسجد نبوی میں بھی جو کچھ پی ٹی آئی کے حامیوں نے کیا وہ تشدد تھا۔ ان کا مقصد مخالفین کو تشدد کا نشانہ بنانا تھا مسجد نبوی کی بے حرمتی نہیں۔ موجودہ حکومت کو چاہیے کہ ان کے متشدد رویے کے خلاف قانون کو حرکت میں لائے نہ کہ ایک مرتبہ پھر مذہب کا سہارا لے اور ایک نئی مثال قائم کرے۔

موجودہ حکومت ایک مرتبہ پھر غلطی کر رہی ہے۔ پی ٹی کے لوگوں کے خلاف بلاسفیمی کے مقدمات قائم کرنے کی کوئی منطق نہیں ہے۔ یہ جہالت ہے اور واپس مڑ کر حکومت کے گلے بھی پڑے گی۔ کیونکہ ابھی تک یہی دیکھا گیا ہے کہ بلاسفیمی لوٹ کے واپس گھر کو آتی ہے۔

(بشکریہ ہم سب 3 مئی 2022)



غزل

(آدم چغتائی)

اُمید و یاس بہت محشر خیال میں ہے
مگر عروج بشر عزم لازوال میں ہے
مدارِ شمس و قمر کی حدود قائم ہے
مگر حیات کا ہر لمحہ انتقال میں ہے
ہم اُن کی چشم عنایت سے ہیں ابھی محروم
ہمارے بخت کا سورج ابھی زوال میں ہے
زبانِ حضرت ناصح جو شعلہ بار ہوئی
یہ کس کا بخت زبوں آج ابتذال میں ہے
جو بچھڑے خوف سے آخر ملے یقیں کے ساتھ
عجیب معجزہ رفتارِ ماہ وسال میں ہے
ہم انتہا سے جو گذرے تو یہ شعور ملا
سکونِ قلب اگر ہے تو اعتدال میں ہے
خرابی کم نہیں اب بھی نصیب آدمؔ میں
فقیہہ شہر کو دیکھو بڑے جلال میں ہے

پاکستانی سپیس پروگرام اور رہبرون

جب پانچ پاکستانی سائنسدانوں نے صرف نو ماہ میں پاکستان کو خلائی قوت بنا دیا

(از بلال کریم مغل۔ بشکریہ بی بی سی اردو ڈاٹ کام، اسلام آباد۔ 7 جون 2021)

یہ سات جون 1962 کی بات ہے، پاکستان کے پانچ نوجوان سائنسدانوں کا ایک گروہ ڈاکٹر عبدالسلام کے ہمراہ بلوچستان کے ساحلی علاقے سونمیانی میں جمع ہے۔

مئی 1998 میں بلوچستان میں کیے گئے نیوکلیئر دھماکوں سے 36 سال قبل اُس دن بلوچستان کی سرزمین پر ایک اور سائنسی تجربہ ہونا تھا۔ یہ تمام سائنسدان پاکستان کے پہلے راکٹ کو خلا میں بھیجنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ سورج غروب ہو چکا ہے اور رات کے آٹھ بجنے میں ابھی سات منٹ باقی ہیں۔ پھر کاؤنٹ ڈاؤن شروع ہوتا ہے۔ تھری، ٹو، ون۔۔۔

اور پاکستان کا پہلا راکٹ 'رہبرون' کامیابی سے بالائی فضا میں لانچ ہو کر اپنے بعد آنے والے مزید راکٹس کے لیے ایک رہبر بن جاتا ہے۔ صرف یہی نہیں، اس لانچ کے ساتھ ہی پاکستان مسلم دنیا سمیت جنوبی ایشیا کی وہ پہلی قوت بنا جس نے کامیابی سے خلائی تجربہ سرانجام دیا۔ اب اس واقعے کو 59 سال ہو چکے ہیں مگر اس پراجیکٹ کے ٹیم لیڈر ڈاکٹر طارق مصطفیٰ کو آج بھی وہ دن اُسی طرح یاد ہے جیسے کل ہی کی بات ہو۔

یہ پراجیکٹ کیسے شروع ہوا، پاکستان یہ مقصد کیسے حاصل کر پایا اور ٹیم کو اس دوران کیا کیا چیلنجز درپیش رہے، یہ میرے وہ سوال تھے جن کی وجہ سے میں چھ دہائیوں بعد اس ٹیم کے ارکان کی تلاش میں نکلا۔ ڈاکٹر طارق جب مسکراتے ہوئے اپنے بذلہ سنج اور باوقار انداز میں گفتگو کرتے ہوئے اس دور کے بارے میں بتا رہے تھے تو خلائی سائنس کے دلدادہ اس صحافی نے خود کو یکا یک اُسی دور میں پایا۔

آیئے، آپ بھی میرے ساتھ اس سفر پر چلیئے۔

دوسری عالمی جنگ کا اختتام ہو چکا ہے۔ جنگ کا میدان اب زمین کے بجائے خلا کی طرف منتقل ہو چکا ہے۔ جنگ کی نوعیت بھی اب ایک دوسرے کو



بائیں سے دائیں: احمد ضمیر فاروقی (مواصلات، پاکستان ایئر فورس)، محمد رحمت اللہ (محکمہ موسمیات پاکستان)، ڈاکٹر طارق مصطفیٰ (ٹیم لیڈر، پاکستان اٹامک انرجی کمیشن)، ڈاکٹر سلیم محمود (الیکٹرونکس، پاکستان اٹامک انرجی کمیشن)، سکندر زمان (انجینیئرنگ، پاکستان اٹامک انرجی کمیشن)

ہتھیاروں کے ذریعے نقصان پہنچانے کے بجائے معاشی اور سائنسی میدان میں پیچھے چھوڑ دینے میں بدل چکی ہے۔ روس اور امریکہ ایک دوسرے کو خلائی دوڑ میں نیچا دکھانے کے درپے ہیں۔ امریکہ حیران ہے کہ روس نے خلا میں پہلا انسان پہنچانے میں سبقت کیسے حاصل کر لی؟

یکا یک امریکی صدر جان ایف کینیڈی اعلان کرتے ہیں کہ امریکہ (ساٹھ کی) دہائی کے اختتام سے قبل نہ صرف انسان کو چاند پر اتارے گا بلکہ بحفاظت واپس بھی لائے گا۔ اپالو خلائی پروگرام کے منتظم امریکی خلائی ادارے ناسا کے لیے یہ ایک بڑا چیلنج تھا اور اس کے لیے کئی ایسے اعداد و شمار اور سائنسی ڈیٹا کی ضرورت تھی جو اس وقت اُس کے پاس موجود نہیں تھے۔ اسے بحرِ ہند کے اوپر موجود فضا کی صورتحال کو جاننے کی بھی ضرورت تھی اور جب اُس نے یہ کرنے کی ٹھانی، تو پاکستان کا ستارہ چمک اٹھا۔

سنہ 1961 میں جب پاکستان کے اُس وقت کے فوجی حکمران جنرل ایوب خان امریکہ کے دورے پر تھے تو اُن کے سائنسی مشیرِ اعلیٰ، نوبیل انعام



امریکی صدر جان ایف کینیڈی کانگریس کے سامنے امریکی خلاباز کو اسی دہائی میں چاند پر اتارنے اور واپس لانے کے عزم کا اعلان کرتے ہوئے۔ 25 مئی 1961

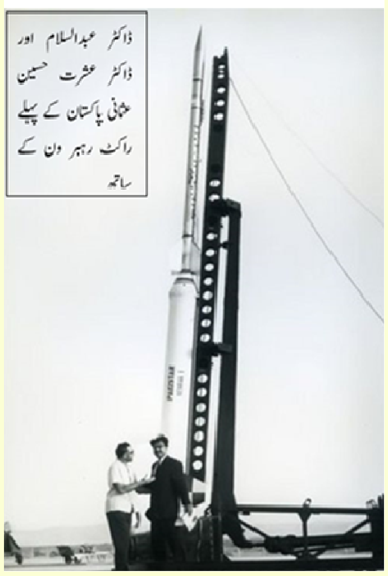
یافتہ ڈاکٹر عبدالسلام بھی اُن کے ہمراہ تھے۔

ڈاکٹر طارق مصطفیٰ اس وقت کو یاد کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ وہ اُس وقت پاکستان اٹامک انرجی کمیشن سے وابستہ تھے اور ٹریننگ کی غرض سے امریکہ میں مقیم تھے۔ وہ اسی دوران صدر ایوب اور ڈاکٹر عبدالسلام کے امریکہ کے دورے کو اچھا اتفاق قرار دیتے ہیں جس کی وجہ سے پاکستان فی الفور خلائی دوڑ میں شامل ہوگیا۔

بی بی سی سے انٹرویو میں اُنھوں نے بتایا کہ امریکہ میں قیام کے دوران ایک دن اُنھیں ڈاکٹر عبدالسلام کا فون آیا 'طارق، صبح واشنگٹن میں ایک اہم میٹنگ ہے اور تم نے پہنچنا ہے۔ مجھے اس سے کوئی واسطہ نہیں کہ لفٹ لے کر آؤ یا جہاز میں آؤ، بس تم نے پہنچنا ہے۔' اگلے دن وہ ڈاکٹر عبدالسلام کے ہمراہ واشنگٹن میں ناسا کے دفتر پہنچے۔ وہاں حکام نے اس پاکستانی وفد کے سامنے بحرِ ہند کے اوپر موجود فضا کے متعلق ڈیٹا نہ ہونے کی مشکل رکھی۔ ناسا نے پیشکش کی کہ وہ بحرِ ہند کے آس پاس کے ممالک کو راکٹ ٹیکنالوجی فراہم کرنے کو تیار ہیں، صرف ایک شرط کے ساتھ کہ اس راکٹ سے جو بھی ڈیٹا حاصل ہوگا، اس کا تبادلہ ناسا کے ساتھ بھی کیا جائے گا۔

یہ سُن کر ڈاکٹر عبدالسلام ڈاکٹر طارق مصطفیٰ کی جانب مڑے اور پنجابی میں کہا 'طارق، تیرا کی خیال اے؟' اُنھوں نے فوراً پنجابی میں جواب دیا: 'ایہہ تے ساڈا خواب پورا ہو جائے گا۔' پنجابی میں ہونے والی اس گفتگو کو ناسا کے عہدیدار سمجھ تو نہ سکے لیکن اُنھوں نے مزاج سے اندازہ لگاتے ہوئے ڈاکٹر عبدالسلام سے کہا کہ 'ینگ مین لُکس ویری کین' (نوجوان بہت پُرجوش معلوم ہو رہا ہے۔)

ناسا کے حکام نے اسی دن ڈاکٹر طارق مصطفیٰ کو اپنے ایک خصوصی طیارے کے ذریعے ملک کے دوسرے کونے میں بحرِ اوقیانوس کے کنارے واقع والپس آئی لینڈ راکٹ رینج بھیج دیا، جہاں اُنھیں تمام آلات اور سامان کے متعلق بریفنگ دی گئی۔ پوری رات وہ اپنی رپورٹ مرتب کرتے رہے اور اگلے دن وہ دوبارہ واشنگٹن میں ناسا کے دفتر میں دوبارہ ڈاکٹر عبدالسلام کے ہمراہ اپنی رپورٹ کے ساتھ پہنچے۔ اسی دن ناسا نے پاکستان سے کہا کہ اگر آپ ہامی بھریں، تو ہم یہ پروگرام شروع کر سکتے ہیں۔ اور اُس کے صرف نو ماہ بعد ہی سونمیانی میں نہ صرف راکٹ رینج بھی بنا لی گئی بلکہ رہبر سیریز کے اولین راکٹ لانچ بھی کر دیے اگئے۔ انڈیا نے یہ کارنامہ اس کے 15 ماہ بعد نومبر 1963 میں انجام دیا۔



ڈاکٹر عبدالسلام اور ڈاکٹر عشرت حسین عثمانی پاکستان کے پہلے راکٹ رہبر ون کے ساتھ

ٹیم کی ترتیب اور راکٹ رینج کا قیام

ڈاکٹر طارق مصطفیٰ کی ڈیوٹی لگائی گئی کہ وہ ٹیم اکٹھی کریں۔ اُن کے ساتھ ڈاکٹر سلیم محمود (جو بعد میں سپارکو کے چیئرمین رہے) بھی ٹریننگ پر امریکہ میں موجود تھے۔ تین مزید سائنسدانوں احمد ضمیر فاروقی (پاکستان ایئر فورس)، محمد رحمت اللہ (محکمہ موسمیات کے ڈپٹی ڈائریکٹر) اور سکندر زمان (بعد میں چیئرمین سپارکو بنے) کو بھی امریکہ بلوا لیا گیا اور یہ مختصر سی ٹیم اپنے کام میں جُت گئی۔ سب سے پہلا مرحلہ پاکستان میں راکٹ رینج کے قیام کا تھا جو اس وقت تک یہاں پر موجود نہیں تھی۔

اس کام کے لیے صدر ایوب خان نے تجویز دی کہ سونمیانی میں واقع فوج کی آرٹلری رینج کو اس مقصد کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے کیونکہ وہاں پر افرادی قوت کے رہنے کا انتظام اور دیگر سہولیات پہلے سے موجود تھیں۔ اس تجویز کو قبول کیا گیا اور فوراً اس آرٹلری رینج کو پاکستان کی پہلی راکٹ رینج میں بدلنے کا کام شروع کر دیا گیا۔ سائنسدانوں کو اس کام کے لیے امریکہ میں تیاری کروائی گئی اور ناسا کی جانب سے ہی ساز و سامان مہیا کیا گیا۔ چھ مہینوں

کے اندر ناسا کے ڈپوز میں موجود امریکی فوج کے فاضل سامان میں سے راکٹ چلانے کے لیے ضروری سامان تلاش کیا گیا اور اسے امریکہ کی والپس آئی لینڈ راکٹ رینج میں اکٹھا کیا گیا۔ پھر پاکستانی سفارتخانے کے مالیاتی مشیر وزیر علی شیخ کی ذمہ داری لگائی گئی کہ یہ سامان پاکستان پہنچایا جانا ہے۔ سامان میں موجود حساس آلات ڈاکٹر طارق مصطفیٰ کی ایک گاڑی کی ڈگی میں رکھ کر گاڑی پاکستان بھیج دی گئی۔ تمام سامان مارچ 1962 تک پاکستان پہنچ گیا اور تب تک راکٹ لانچ کی ذمہ دار ٹیم نے فوج کے انجینیئر نگ شعبے کی مدد سے مل کر آرٹلری رینج کو راکٹ لانچ کے لیے موزوں شکل دے دی تھی۔

تجربہ کیا تھا؟



بائیں سے دائیں: ڈاکٹر طارق مصطفیٰ، ڈاکٹر عشرت حسین عثمانی (چیئرمین پاکستان اٹامک انرجی کمیشن)، ڈاکٹر عبدالسلام، انیس احمد خان شیروانی (سیکریٹری، پاکستان اٹامک انرجی کمیشن)، ایس این نقوی (ڈائریکٹر، محکمہ موسمیات)، محمد رحمت اللہ

تجربہ یہ کرنا تھا کہ راکٹ کے ذریعے فضا میں 50 سے 100 میل کی بلندی پر سوڈیم کے بخارات چھوڑے جائیں جنھیں سورج کے غروب ہونے کے بعد افق کے نیچے سے آنے والی سورج کی روشنی سے منعکس ہونا تھا اور اس کے بعد بھولاڑی، لسبیلہ، حب اور کراچی ایئرپورٹ کے مقام پر کیمرے نصب کیے گئے جنھوں نے بیک وقت، بغیر ایک سیکنڈ کے وقفے کے، اُن بخارات کی تصاویر لینی تھیں۔

اس مقصد کے لیے پاکستانی فضائیہ کے طیاروں میں استعمال ہونے والے جاسوس کیمروں کو زمین پر نصب کر دیا گیا اور ان کو آپس میں منسلک کر کے بیک وقت تصاویر لینا ممکن ہو پایا۔ فضائیہ سے احمد ضمیر فاروقی کو شامل کرنے کے پیچھے یہی مقصد تھا۔ ان بخارات کی تصاویر کا بغیر کمپیوٹر کی مدد کے طویل حسابات کے ذریعے تجزیہ کیا جانا تھا جس سے بالائی فضا کے درجہ حرارت اور وہاں پر ہواؤں کا رخ معلوم ہو جاتا، جس کی ناسا کو اپالو پروگرام کے لیے ضرورت تھی۔ اس ٹیم کے رکن اور بعد میں پاکستان کے سپیس اینڈ اپر ایٹموسفیئر ریسرچ کمیشن (سپارکو) کے چیئرمین ڈاکٹر سلیم محمود بی بی سی سے بات کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ اس دن ٹیم میں بے چینی، جوش، جذبے اور خوشی کے جذبات کا ایک امتزاج موجود تھا۔

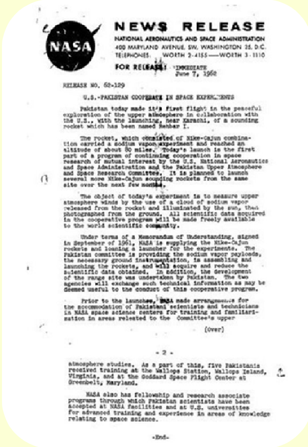


وہ بتاتے ہیں کہ رہبر ون راکٹ تین مرحلوں پر مشتمل راکٹ تھا اور ہر مرحلے کی کامیاب تکمیل کے بعد ٹیم کو خوشی بھی ہوتی اور اضطراب بھی کہ اگلا مرحلہ کیسا رہے گا، مگر یہ تجربہ کامیاب رہا۔ اُس رات یہ تمام سائنسدان خوشی کے باعث سو پائے یا نہیں؟ اس سوال پر ڈاکٹر سلیم محمود ہنس دیے ا۔ "س رات بھی ہم لوگ جلدی سو گئے تھے کیونکہ اس راکٹ لانچ کے بعد ہمیں اگلا راکٹ چار دن بعد 11 تاریخ کو ہی لانچ کرنا تھا۔"

رینج کے مشکل حالات کے بارے میں بتاتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ وہ ایک مشکل مقام تھا اور ہر وقت گرمی کے ساتھ ساتھ سانپوں اور بچھوؤں کے خطرے کا بھی سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ایک دن تو وہ کنٹرول روم میں داخل ہوئے تو سامنے میز پر ایک سانپ پہلے ہی اپنی جگہ لیے ہوئے تھا۔ چاروناچار ٹیم وہاں سے الٹے پاؤں واپس ہوئی اور پھر لوگوں کو بلا کر سانپ کو وہاں سے نکلوایا گیا۔ لیکن ان حالات کے باوجود کام جاری رہا اور تجربہ کامیابی سے ہمکنار ہوا۔

ناسا کی اپنی ضرورت پوری ہوئی اور پاکستان نے ناسا کی اس پیشکش کا فائدہ اٹھا کر خود کو خلائی دوڑ میں ایشیا کا سرِفہرست ملک ثابت کر دیا۔ اس حوالے سے امریکی خلائی ادارے ناسا نے بی بی سی اردو کو خصوصی طور پر اپنے آرکائیوز میں سے سات جون 1962 کی وہ پریس ریلیز فراہم کی جس میں اس کامیاب راکٹ تجربے کا تذکرہ ہے۔ اس پریس ریلیز میں تفصیلی طور پر بتایا گیا ہے کہ یہ تجربہ ناسا اور سپارکو کے درمیان باہمی مفاد کی خلائی تحقیق کے پروگرام کے تحت کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ اس پریس ریلیز میں والپس آئیلینڈ اور ناسا کے گوڈارڈ سپیس فلائٹ سینٹر میں پانچوں پاکستانی سائنسدانوں کی تربیت کا تذکرہ بھی کیا



NEWS RELEASE
NATIONAL AERONAUTICS AND SPACE ADMINISTRATION
400 MARYLAND AVENUE, SW, WASHINGTON 25, D.C.
TELEPHONES: WORTH 2-4155 — WORTH 3-1110
FOR RELEASE: IMMEDIATE
June 7, 1962

RELEASE NO. 62-129

U.S.-PAKISTAN COOPERATE IN SPACE EXPERIMENTS

Pakistan today made it's first flight in the peaceful exploration of the upper atmosphere in collaboration with the U.S., with the launching, near Karachi, of a sounding rocket which has been named Rehbar I.

The rocket, which consisted of Nike-Cajun combination carried a sodium vapor experiment and reached an altitude of about 80 miles. Today's launch is the first part of a program of continuing cooperation in space research of mutual interest by the U.S. National Aeronautics and Space Administration and the Pakistan Upper Atmosphere and Space Research Committee. It is planned to launch several more Nike-Cajun sounding rockets from the same site over the next few months.

The object of today's experiment is to measure upper atmosphere winds by the use of a cloud of sodium vapor released from the rocket and illuminated by the sun, then photographed from the ground. All scientific data acquired in the cooperative program will be made freely available to the world scientific community.

Under terms of a Memorandum of Understanding, signed in September of 1961, NASA is supplying the Nike-Cajun rockets and loaning a launcher for the experiments. The Pakistan committee is providing the sodium vapor payloads, the necessary ground instrumentation, is assembling and launching the rockets, and will acquire and reduce the scientific data obtained. In addition, the development of the range site was undertaken by Pakistan. The two agencies will exchange such technical information as may be deemed useful to the conduct of this cooperative program.

Prior to the launches, NASA made arrangements for the accommodation of Pakistani scientists and technicians in NASA space science centers for training and familiarization in areas related to the Committee's upper

(Over)

- 2 -

atmosphere studies. As a part of this, five Pakistanis received training at the Wallops Station, Wallops Island, Virginia, and at the Goddard Space Flight Center at Greenbelt, Maryland.

NASA also has fellowship and research associate programs through which Pakistan scientists have been accepted at NASA facilities and at U.S. universities for advanced training and experience in areas of knowledge relating to space science.

-End-

گیا ہے۔ سات جون 1962 کو پاکستان کے کامیاب راکٹ تجربے کے بارے میں ناسا کی جاری کردہ پریس ریلیز اپنے ہی ملک میں راکٹوں کی تیاری رہبر راکٹ لانچ کے لیے مدد اور سامان امریکہ نے فراہم کیا مگر اس کے بعد پاکستانی سائنسدانوں نے یہ سوچا کہ کیوں نہ ملک میں خود ہی راکٹس تیار کیے جائیں؟

اس معاملے کو یاد کرتے ہوئے ڈاکٹر طارق مصطفیٰ بتاتے ہیں کہ امریکہ مفت راکٹس فراہم کرنے کے لیے تیار تھا مگر پاکستان اپنے راکٹس بنانا چاہتا تھا۔ چنانچہ جاپان اور فرانس کے سروے کیے گئے اور بالآخر فرانس کی ٹیکنالوجی زیادہ موزوں قرار پائی۔

فرانس سے ٹیکنالوجی کے حصول کے لیے پاکستانی سائنسدانوں کو فرنچ زبان سکھائی گئی اور خصوصی طور پر کراچی اور فرانس میں کورسز کروائے گئے تاکہ وہ فرانسیسی انجینیئرز سے گفتگو کر کے ٹیکنالوجی سمجھ سکیں۔

اس کے بعد کراچی میں ماڑی پور کے مقام پر راکٹس کی تیاری کا پلانٹ لگایا گیا، جہاں سے تیار ہونے والے راکٹس سے 1969 میں پاکستان نے تجربے شروع کیے، جنھیں شہپر سیریز کہا گیا۔

پھر کیا ہوا؟



لیکن سوال یہ ہے کہ پھر آنے والے برسوں میں پاکستان اس خلائی دوڑ میں اتنا پیچھے کیوں رہ گیا؟

پاکستان نے حالیہ برسوں میں چین کی مدد سے کئی سیٹلائٹس لانچ کی ہیں۔ تو ایک ایسا ملک جو خود اپنا راکٹ لانچ کر رہا تھا، اب سیٹلائٹس لانچ کرنے کے لیے چین پر منحصر کیوں ہے جبکہ پڑوسی ملک انڈیا چاند اور مریخ تک اپنے خلائی مشنز بھیج رہا ہے؟ اس کے جواب میں ڈاکٹر طارق مصطفیٰ کا موٴقف یہ ہے کہ سپارکو کو اتنے وسائل نہیں دیے گئے اور پاکستان کی توجہ مختلف وجوہات کی بنا پر دفاعی جانب زیادہ رہی۔ خود ڈاکٹر طارق مصطفیٰ بھی سیکریٹری دفاعی پیداوار ڈویژن رہ چکے ہیں اور 1994 میں حکومتِ پاکستان سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ اُنھیں اور ڈاکٹر سلیم محمود کو سنہ 71 کی جنگ میں ریڈار ٹیکنالوجی کی مدد سے انڈین بحری جہازوں کو دھوکہ دے کر پاکستانی بحری جہازوں کو محفوظ رکھنے پر بحریہ کے اعزازی کمانڈر کا اعزاز دیا جا چکا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ پاکستان اس خلائی دوڑ میں ایسے ہی موقعے کا فائدہ اٹھا کر شامل ہو گیا تھا لیکن ملک کے پاس اس حوالے سے ویژن نہیں تھا کہ پاکستان نے بالائی فضا کے بعد باقاعدہ خلا میں بھی قدم رکھنے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ انڈیا کے پاس اس حوالے سے کہیں زیادہ مالی وسائل اور سائنسی دماغ اور سہولیات موجود تھیں جس کی بنا پر وہ آج اس جگہ تک جا پہنچے ہیں۔

دوسری جانب ڈاکٹر سلیم محمود کے نزدیک اس حوالے سے انڈیا اور پاکستان کا موازنہ نہیں کیا جانا چاہیے۔ اُن کا یہ کہنا ہے کہ پاکستان کی اپنی قومی ترجیحات ہیں اور پاکستان اس کا متحمل نہیں ہو سکتا کہ اب راکٹ لانچنگ ٹیکنالوجی تیار کرنے پر فنڈز خرچ کرے۔ ڈاکٹر سلیم محمود کہتے ہیں کہ جو وسائل دستیاب ہیں، اُن کے ذریعے سپارکو نے موسمیاتی تبدیلی، جنگلات کی کٹائی، ماحولیاتی آلودگی، قدرتی وسائل اور آبی ذخائر وغیرہ کی مانیٹرنگ جیسے اہم مسائل پر زیادہ توجہ دی اور اس کے لیے سپارکو کی ٹیکنالوجی کو استعمال میں لایا گیا۔

دسمبر 1979 میں وہ سپارکو (جو اس وقت ایک کمیٹی تھا) کے ایگزیکٹیو ڈائریکٹر تھے اور اس کو دستیاب فنڈز ناکافی ہونے کے باعث وہ سپارکو کو چھوڑ گئے تھے۔ پھر اُن کے مطابق جنرل ضیا الحق نے اُنھیں اگلے ہی سال دوبارہ سپارکو آنے کے لیے کہا۔ ڈاکٹر سلیم محمود کے مطابق اس موقع پر اُنھوں نے جنرل ضیا کے سامنے تجاویز رکھیں جن میں فنڈز، اختیارات اور سپارکو کی حیثیت بڑھا کر اسے کمیشن کا درجہ دینا تھا، جن کی ضیا الحق نے مکمل طور پر منظوری دی۔ وہ 15 دسمبر 1980 کو سپارکو کے چیف ایگزیکٹیو افسر کے طور پر واپس آئے اور اپریل 1981 میں جب اسے کمیشن کا درجہ دیا گیا، تو اس کے پہلے چیئرمین کے طور پر اپنی ذمہ داریاں سنبھالیں۔

بطور سابق سپارکو چیئرمین وہ بتاتے ہیں کہ جنرل ضیاالحق خود ذاتی طور پر خلائی تحقیق میں دلچسپی رکھتے تھے اور اس دور میں سپارکو کو فنڈز اور اختیارات کی کوئی کمی نہیں رہی۔ تاہم اُن کے مطابق آئندہ سالوں میں وہ معاملہ برقرار نہیں رہا۔

’ملک کا پہلا خلائی پراجیکٹ کافی پرعزم اور پرجوش تھا جسے آگے چلائے رکھنے کے لیے مسلسل کام کی ضرورت تھی جو آئندہ سالوں میں اس رفتار سے نہیں ہوسکا، لیکن کام کی بنیاد کو ضائع نہیں ہونے دیا گیا۔

یہ سوالات بی بی سی نے ای میل کے ذریعے سپارکو کی موجودہ انتظامیہ کے سامنے بھی رکھے ہیں تاہم تاحال کوئی موقف موصول نہیں ہوا ہے۔

عثمانی سلام ’برادران‘


ڈاکٹر سلیم محمود بطور چیئرمین سپارکو، سنہ 1981

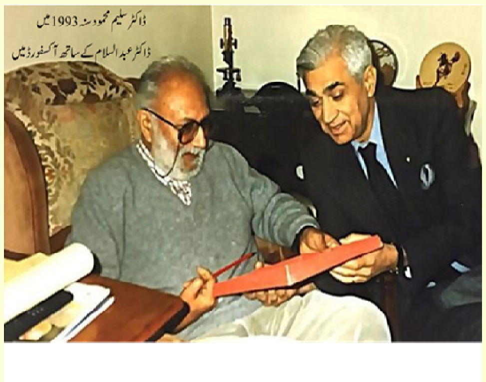
ڈاکٹر عبدالسلام کے بارے میں بات کرتے ہوئے ڈاکٹر طارق مصطفیٰ بتاتے ہیں کہ وہ خود تھیوریٹکیل سائنسدان تھے، انجنیئر نہیں، اس لیے اس پورے پروگرام میں اُن کا کردار اعلیٰ سطحی نوعیت کا تھا جس میں بین الاقوامی سطح پر رابطہ کاری شامل ہے کیونکہ وہ بین الاقوامی سطح پر مشہور شخصیت تھے۔ بعد میں ڈاکٹر عبدالسلام کو سپارکو کا اعزازی چیئرمین بھی بنایا گیا۔

اس دور میں ڈاکٹر عشرت حسین عثمانی پاکستان اٹامک انرجی کمیشن کے چیئرمین تھے۔ ڈاکٹر طارق بتاتے ہیں کہ ڈاکٹر عبدالسلام اور ڈاکٹر عشرت عثمانی کے درمیان سائنسی ترقی کے لیے ہم آہنگی اتنی زبردست تھی کہ اُنھیں لوگ ’عثمانی سلام برادران‘ کہا کرتے تھے۔ اس راکٹ مشن میں ڈاکٹر عشرت حسین عثمانی کے کردار پر پاکستان میں کم ہی بات ہوتی ہے۔ ڈاکٹر طارق بتاتے ہیں کہ انتظامی طور پر اس پورے پروگرام میں ڈاکٹر عشرت عثمانی نے اہم کردار ادا کیا اور وہ کہتے تھے کہ ’تم لوگ آئیڈیاز لے کر آؤ، بیوروکریسی کو بوتل میں لانا (فنڈز نکلوانا) میرا کام ہے۔‘

وہ ایک دلچسپ واقعہ بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب ڈاکٹر عثمانی کو کراچی میں ڈرگ روڈ پر نیا دفتر دیا گیا تو یہ تجویز دی گئی کہ دفتر کا پارکنگ لاٹ پیچھے کی جانب بنایا جائے۔ مگر ڈاکٹر عثمانی کا کہنا تھا کہ پارکنگ لاٹ سڑک کی جانب ہونا چاہیے تاکہ ہر آتے جاتے شخص کو چمکتی ہوئی گاڑیاں نظر آئیں، لوگوں کے ذہنوں میں اٹامک انرجی کے شعبے کا ماڈرن تشخص پیدا ہو اور کوئی اسے غیر اہم شعبہ نہ سمجھے۔ اُن کے مطابق ڈاکٹر عثمانی کی منطق یہ ہوا کرتی تھی کہ چونکہ پاکستان میں لوگ دکھاوے سے کافی متاثر ہوتے ہیں اس لیے سائنسی کام کے ساتھ ساتھ اس کی چمک دمک بھی ہونی چاہیے تاکہ کام میں مالی رکاوٹ نہ پیدا ہو۔

’آپ لوگ انسان تھے یا جن؟‘

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس پروگرام میں امریکی مدد شامل تھی، لیکن یہ پورا کام پاکستانی سائنسدانوں نے ریکارڈ مدت میں انجام دیا۔ ٹیمیں بنائی گئیں، سائنسی دماغوں کو ایک ساتھ اکٹھا کیا گیا اور ہر کسی سے اس کے شعبے اور مہارت کے مطابق مدد لی گئی۔ پاکستانی سائنسدانوں نے دن رات بلوچستان کی چلچلاتی گرمی میں کام کیا کیونکہ ہر کسی کے سر پر بس ایک ہی دھن سوار تھی کہ پاکستانی راکٹ تجربے کو کامیاب بنانا ہے۔


ڈاکٹر سلیم محمود سنہ 1993 میں ڈاکٹر عبدالسلام کے ساتھ آکسفورڈ میں

ڈاکٹر طارق ہنستے ہوئے بتاتے ہیں کہ سونمیانی کی آرٹلری رینج کے انچارج میجر بادشاہ نے تجربے کی کامیابی کے بعد اُن سے کہا کہ ’یار آپ لوگوں نے جو وہاں کام کیا ہے، ہم تو اس پر بڑے حیران ہوئے۔‘

’ایک دن تو ہمیں اطلاع ملی کہ اٹامک انرجی والے لڑکے وہاں آ کر کچھ کرنا چاہتے ہیں، اور چند مہینوں بعد ہمیں پتا چلا کہ وہاں سے راکٹ چھوڑے جا رہے ہیں۔ تو یہ آپ لوگ بتائیں کہ آپ لوگ انسان تھے یا جن؟‘

chaudhry Columbus Khan,Mahdi)
(004915703040898,Abad-Germany

گیانی واحد حسین صاحب مربی سلسلہ کے بارہ میں چند یادداشتیں

مرزا محی الدین ایڈمنٹن ابرٹا۔کینیڈا

حضرت ابا جی مرحوم گیانی مرزا واحد حسین کے بارہ میں جب سوچنا شروع کیا تو پہلے یہ خیال آیا کہ ان کی وفات کو 45 سال کا عرصہ بیت چکا ہے۔اب کیا ان کے بارہ میں لکھ سکتا ہوں۔جب یہ سوچ ختم ہوئی تو ایسے محسوس ہوا کہ ایک چھوٹا سا لڑکا ابا جی کی دائیں ہاتھ کی انگلی پکڑ کر راہوالی قصبہ ضلع گوجرانوالہ پاکستان کی تنگ گلیوں میں سے گزر کر احمدیہ مسجد میں فجر کی نماز کے لیے جا رہا ہے۔اندھیرا ہے گلیوں میں کوئی بجلی کا چراغ گلیوں کو روشن نہیں کر رہے۔اس ہاتھ کی گرمی ابھی تک محسوس ہوتی ہے۔اندھیرے سے ڈر بھی لگ رہا ہے لیکن تحفظ کا ایک عجیب احساس دل میں موجود ہے کہ ایک بہت ہی شفیق ہستی کے ساتھ صبح کی نماز کے لیے مسجد کی طرف جا رہا ہوں۔اس وقت یہ شعور نہیں تھا نماز کی حقیقت کیا ہے مگر صبح صبح ابا جی کے ساتھ مسجد جانے کا شوق مجھے جلد جگا دیا کرتا تھا۔اس طرح مسجد جانے کا شوق صبح جلد اُٹھنے کے شوق میں جب کوئی آواز نہ آ رہی ہو جلد اُٹھنے کی باقاعدگی میں بدل گیا۔راستے میں ابا جی کی چھوٹی چھوٹی باتیں خدا کے بارہ میں اب بھی یاد آتی ہیں۔یہ راہوالی کی تنگ گلیوں میں ابا جی نے یہ سکھایا تھا کہ خدا تعالیٰ ایک بہت ہی پیار کرنے والی ہستی ہے اور دعا مانگنے سے خدا تعالیٰ سنتا ہے۔کبھی کبھی میں ہو چھا کرتا تھا کہ ابو جی خدا تعالیٰ کیسے باتیں سنتا ہے تو جواب دیتے تھے کوئی دعا کرو۔ س وقت دعائیں بھی چھوٹی چھوٹی اور سیدھی سادھی ہوتی تھیں۔اللہ تعالیٰ امتحان میں پاس کر دے۔اللہ تعالیٰ یہ جو گلی میں بھڑوں کے بچے ہیں انہیں حکم دے مجھے تنگ نا کیا کریں۔

راہوالی میں ملک کی تقسیم کے بعد ابا جان مرحوم مبلغ جماعت احمدیہ کی حیثیت سے مقیم تھے۔میری عمر شاید 9،8 سال کے قریب تھی پہلے ابا جی سخت بیمار ہو گئے اور پھر اماں جی مرحومہ کو بھی گردوں کی سخت تکلیف ہو گئی۔بڑی پریشانی ہوئی کہ اب کیا ہو گا ابا جی مجھے دعا کی تلقین کرتے رہتے تھے اور دعا کی قبولیت کا اتنا یقین تھا کہ دیکھنا اللہ تعالیٰ ڈاکٹر کو گھر بھیج دے گا۔ان کی دعا بھی طریقہ واحد تھا لگتا تھا خدا تعالیٰ کے ساتھ دوستوں کی طرح باتیں کر رہے ہیں اکثر دعا کرتے وقت آسمان کی طرف منہ کر لیتے تھے۔اس وقت میں جب تکلیف زیادہ ہوئی خدا تعالیٰ سے دعا کی مولا کریم کچھ بندوبست فرما اپنی جناب سے اگرچہ میری عمر چھوٹی تھی لیکن اچھی طرح یاد ہے کہ گھر کے دروازہ پر دستک ہوئی میں نے ہی دروازہ کھولا۔دیکھا کہ ایک بزرگ عمر کے دوست ابا جی کے بارہ میں پوچھ رہے ہیں۔کہنے لگے میرا نام ڈاکٹر وزیر احمد ہے اور ابا جان کو بتاؤ مجھے ان سے کوئی کام ہے۔مجھے یقین ہو گیا کہ خدا تعالیٰ نے انہیں بھجوایا ہے کیونکہ اس وقت شاید وہ وزیر آباد میں رہتے تھے اور راہوالی جیسے قصبہ میں ان کا کوئی آنے کا جواز نہ تھا۔میں ان کو اندر لے آیا اور ابا جی چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے ابا جی کے ساتھ جو کام تھا وہ تو مجھے یاد نہیں لیکن مجھے کہا جاؤ کاغذ اور پین لاؤ۔یہ دوائیں لکھ کہ دے رہا ہوں۔اماں جی مرحومہ کہ لیے بھی انہوں نے دوائیں لکھ دیں۔اس دوائی کا نام ابھی تک ذہن میں موجود ہے۔indocid۔خدا تعالیٰ نے فضل فرمایا اور ابا جی اور اما جی کو صحت عطا فرمائی اور میرے ذہن پر دعا کی قبولیت کا ایک ایسا مثبت نقش ثابت ہو گیا کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کی دعائیں سنتا ہے۔

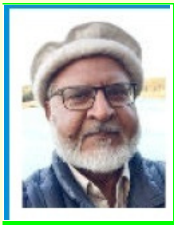
اپنی راہوالی کی گلیوں میں صبح کی نماز کے لیے جاتے وقت ابا جی کی انگلی پکڑے ہوئے ابا جی نے احمدیت کے بارہ میں چھوٹی چھوٹی باتیں ذہن میں ڈالیں۔ابتدائی عمر میں یہ بات ذہن میں جاگزیں ہو چکی تھی ہم احمدی ہیں اور وفات مسیح کے حوالے دس سال کی عمر تک ذہن میں جڑ پکڑ چکے تھے۔چھوٹے ذہن نے یہ بات سمجھ لی تھی کہ انسان آسمان پر اس جسم کے ساتھ نہیں جا سکتے۔ابا جی نے ایسا حوصلہ بھی جگا دیا تھا کہ اپنے لیول پر تبلیغ کرنے کا شوق پیدا ہو گیا تھا اور دل میں کوئی خوف جاگزیں نہیں تھا۔

ایک واقعہ ابھی تک واضح طور پر یاد ہے کہ اپنے ایک کلاس فیلو کے ساتھ وفات مسیح پر بات شروع ہوگئی۔ اندازاً میں اس وقت چھٹی کلاس میں تھا۔ اس دوست کے گھر کی چھت پر بیٹھے ہوئے اس مسئلہ پر بات چھڑ گئی۔ میں نے اپنی دلیلیں پیش کیں اس نے کوئی ایسی بات کہی جس کا میں جواب نہ دے سکا میں نے اس دوست سے کہا اچھا چند منٹ کے لیے ٹھہرو؟ میں ابا جان سے پوچھ کر آتا ہوں۔ مجھے ابھی تک یاد ہے کہ میں گھر اتنی تیزی سے بھاگا کہ چھوٹی چھوٹی ٹانگوں کے باوجود میں گھر منٹ کے اندر ابا جی کے پاس پہنچ گیا اور تیزی سے سانس لے رہا تھا۔ جلدی جلدی میں نے بتایا کہ میرے فلاں دوست نے وفات مسیح کے بارہ میں یہ سوال پوچھا ہے اور مجھے اس کا جواب نہیں آیا۔ ابا جی نے کچھ جواب بتایا اور میں اسی رفتار سے اس دوست کے گھر پہنچا اور اس سوال کا جواب دیا۔ ایک ایسی روحانی خوشی محسوس ہوئی کہ جس کا بیاں مشکل ہے۔

ابا جی مرحوم ایسی بحث کو encourage کیا کرتے تھے۔ ابتدائی عمر میں کتابیں تو اتنی پڑھ نہیں سکتا تھا۔ لیکن ابا جی نے سب قرآن کے حوالے زبانی یاد کروا دیئے تھے۔ اس تبلیغ کے شوق میں ہماری اماں جی مرحوم کا بھی اتنا ہی شوق تھا۔ قرآن کریم تو اماں جی نے ہی پڑھایا تھا اور پڑھانے کے دوران جب کوئی وفات مسیح کا حوالہ آتا تھا اماں جی اس کی سادہ رنگ میں تشریح کر دیا کرتی تھیں۔ اسطرح ابا جی نے دل میں احمدیت کی محبت اُجاگر کر دی ہوئی تھی۔ اور دل سے ڈر بھی نکال دیا ہوا تھا۔

مڈل سکول میں دینیات کے ایک استاد ہوا کرتے تھے شاید ان کا نام نسیم صاحب تھا اسلامی جماعت کے تھے اور انہوں نے احمدیت کے بارہ میں کبھی نفرت چھپائی نہیں تھی۔ میں چونکہ مربی سلسلہ کا بیٹا تھا میرا احمدی ہونا چھپا ہوا نہیں تھا اور یہ دینیات کے استاد جب کبھی موقع ہوتا مجھے طنز کا نشانہ ضرور بناتے تھے۔ لیکن عجب بات یہ ہے کہ اس وقت عزت نفس self esteem کا کوئی علم نہیں تھا اور ان کے طنز کا کبھی برا نہیں منایا تھا۔ جب کبھی ابا جی مرحوم سے ذکر کیا کہتے تھے دعا کیا کرو۔ اس طرح ابا جان نے دعا کی قوت اور طاقت سے متعارف کروایا۔

ایک موقع پر یاد ہے کہ ان دنوں اخباروں میں کوئٹہ کے زلزلوں کا چرچا ہو



غزل

ڈاکٹر طارق انور باجوہ۔ لندن

ہوں تو انسان مگر ان سے سروکار نہیں
جو ہیں انسان پر انساں سے انہیں پیار نہیں
دین کے نام پہ کر گزریں نہ جانے کیا کیا
اُس کو پھر کہنے سے اسلام انہیں عار نہیں
ہم نے تعلیم جو پائی وہ محبّت کی تھی
ہم ہوئے اس پہ فدا اس سے تو انکار نہیں
ہم ہوئے خیرِ امم جس سے ہے وہ خیرِ رُسل
اس سے بڑھ کر کوئی رحمت مری سرکار نہیں
اُس کی آغوش میں آ کر تو سکوں ملتا ہے
اس کے دامن میں تو سب گل ہیں کوئی خار نہیں
اُس کی شفقت میں غلام آئے تو بس اس کے ہوئے
نرم تھی اُس کی نگہ ، دیدۂ خوں بار نہیں
اس کی ہر بات محبّت سے بھری ہوتی تھی
گفتگو اس کی کبھی دیکھی ، دل آزار نہیں
چند لوگوں نے ہی بدنام کیا انساں کو
سارے انسانوں سے طارق ہوئے بیزار نہیں

❀❀❀❀❀❀❀❀

رہا تھا اور کئی لوگ ہلاک ہونے کی خبریں آ رہی تھیں۔ ان دینیات کے استاد نے ایک دن کلاس میں مجھے کھڑا کر دیا اور کہا۔ او مرزائی کے پتر۔ اگر تم لوگ سچے ہو تو کوئٹہ کے زلزلے میں مرزائی کیوں ہلاک ہوئے ہیں۔ اور ساتھ ہی کہا اپنے پیو (ابا جان) سے کل پوچھ کر آنا۔ میں نے ابا جان سے گھر آ کر پوچھا۔ ابا جان نے بہت ہی سادہ مجھے کہا دیکھو بیٹے جنگ بدر میں کتنے ہی مسلمان شہید ہوئے تھے بس یہی جواب دیا اس وقت مجھے اس لوجک کی سمجھ تو نہیں تھی۔ میں نے یہ فقرہ یاد کر لیا اور اگلے دن کلاس میں انتظار کرتا رہا کہ استاد

صاحب کل کے سوالات کا جواب پوچھیں گے تو جواب دوں گا۔آخر استاد نے مجھے کھڑا کر لیا اور اپنے مخصوص طریقے سے پوچھا اپنے باپ سے پوچھ کر آیا ہے۔میں نے کہا انہوں نے یہ جواب دیا ہے کہ جنگ بدر میں کتنے مسلمان شہید ہوئے تھے۔یہ جواب سن کا ان کا رنگ لال ہو گیا اور اتنی بری گالی نکال کر مجھے کہا اپنا ہاتھ آگے کر دو تین ڈنڈے لگا کر ان کی تسکین ہوئی۔لیکن آج تک سوچتا ہوں ان ڈنڈوں کی تکلیف کیوں نہ ہوئی۔گھر آ کر ابا جان اور امی جان کو سارا واقعہ بتایا مجھے یاد نہیں کسی نے بھی کہا ہو کہ بیٹے احمدیت کے بارہ میں باتیں نہ کیا کرو۔اس طرح دنیا کا استاد نہیں مارے گا۔دونوں نے ہی دل کی طاقت بڑھائی کہ بیٹے تم نے سچائی بیان کی ہے اور یہ استاد دلیل ہار گیا تھا اس وجہ سے اس نے تمہیں مارا یہ تو اب بعد میں پتا چلا کہ جب لوگ دلیل ہار جاتے تو مرنے مارنے پر اُتر آتے ہیں۔

1953 میں میری عمر دس سال کی تھی۔جب فسادات شروع ہوئے تھے تو ابا جی نے گھر میں ذکر کیا کہ کسطرح حالات تیزی سے خراب ہو رہے ہیں۔اور ہوسکتا ہے کہ ہمارے گھر پر حملہ ہو۔کوئی خوف نہیں ان کے چہرے پر۔اس وقت ہم 5 بہن بھائی تھے۔ایک دن سکول گیا تو استاد نے کہا کہ تم چند دن اسکول نہ آنا۔کچھ اندازہ تھا کہ یہ استاد کیا کہہ رہا ہے۔میرا وقت اس وقت گھر میں ہی گزرتا تھا۔ابا جی نے ایک رات سب بہن بھائیوں کو بلایا۔اور حضرت مصلح موعودؓ کا بیان پڑھ کر سنایا۔اس کا یہ حصہ صرف یاد ہے کہ خدا تعالیٰ تمہاری مدد کو دوڑا چلا آ رہا ہے ابا جی نے فرمایا کہ مجھے پتا چلا ہے کہ کل ہمارے گھر میں دشمنان احمدیت حملہ کر رہے ہیں۔ہمارے گھر کی گلی دو اطراف سے کھلی تھی۔سامنے ایک حویلی تھی جس میں ہماری بھینس بندھی ہوتی تھی۔بعض اوقات اس بھینس کو ہم گلی میں باندھ دیتے تھے۔ابا جی نے یہ پلان بنایا کہ میں مرزا محی الدین بعمر دس سال ابا جی اپنے گھر کے باہر گلی میں پہرہ دیں گے۔حملہ آوروں کو سب سے پہلے ہم دونوں سے نپٹنا پڑے گا۔پھر دروازے کے اندر اماں جی اور بڑی بہنیں امتہ الواحد لڑنے کے لئے تیار ہوگئیں۔اگر دشمن ہم دونوں کو ہلاک کر کے اندر آ گیا تو وہ لڑیں گی اور جان دے دیں گی۔اس کے بعد دشمن گھر میں آنے کے قابل ہوگا۔اس وقت ابا جی

غزل

عاصی صحرائی



نامِ احمدؐ کی ہے پھیلی تازگی ہی چار سُو
ذکر ہو سرکارؐ کا اور گُل پہ آئے رنگ و بُو
کیا عجب جادو دو عالم میں ہے پھیلے چار سُو
جب بدل دے سیرتِ احمدؐ گنہگاروں کی خُو
نُور میں اُجلے نبیؐ پیارے نہیں اُنؐ سا کوئی
سب ملائک کر رہے ہیں اک جھلک کی آرزو
عالمیں میں ہیں بہت رب نے بنائے شاہکار
ہیں مراتب میں نبیؐ میرے بلند و خوبرُو
اُنؐ کی ہے معراج ساتوں آسمانوں تک بلند
نہ ہوا، ہوگا کبھی صفات میں، نہ ہُوبہُو
میری نسلوں کا مقدر جاگ جائے یا نبیؐ
اک جھلک میں خواب میں ہی دیکھ لوں گر رُوبرُو
سب ہی جینے کے ہُنر سیکھے بشر نے آپ سے
مل رہے ہیں رحمتوں کے سب کو ہی جام و سبُو
جس کے ہاتھوں میں محمدؐ کا عَلَم، اُس کو یقیں
خاکِ پا سے اُنؐ کی کمتر دہر کے سارے گُورُو
وار دوں عاصیؔ میں جاں بھی کوچۂ محبوبؐ پر
اے مِری قسمت، اُسی ہی خاک سے جاگی ہے تُو

نے یہ دعا اچھی طرح یاد کروائی۔رب کل شئیء خادمك رب فاحفظنی وانصرنی وارحمنی۔اس دعا کا ورد ہم سب بار بار کر رہے تھے عجیب بات یہ ہے کہ ابھی تک سب بہن بھائیوں،امی جان اور ابو جان کے چہرے اچھی طرح یاد ہیں۔کوئی خوف اور حزن کا شبہ تک نہیں۔سب سے چھوٹے بچوں کے ذمہ یہ ڈیوٹی تھی کہ وہ گھر کی طرف نظر رکھیں۔اس طرف اگر کوئی دشمن آئے تو ہمیں مطلع کریں۔صبح شاید ابا جان نے بھینس کا گلی میں

باندھ دیا ہوا تھا۔ دس بجے کے قریب آوازیں آنی شروع ہوئیں۔ احمدیت کے خلاف نعرے لگ رہے ہیں۔ اماں جی کے اشارہ پر ابا جی اور میں دروازہ پر آ گئے۔ ہاتھ میں شاید ڈنڈے تھے باقی بہن بھائیوں نے بھی پلان کے مطابق اپنی پوزیشن سنبھال لی۔ آہستہ آہستہ ہجوم گلی کے اطراف سے گلی میں داخل ہونا شروع ہوگیا اور لگتا تھا کسی وقت بھی گھر پر حملہ آور ہوں گے۔ اچانک آوازیں آنا شروع ہوگئیں۔ بھاگو، بھاگو۔ بھینس آ گئی۔ بھینس آ گئی۔ بھاگو مار دے گی اور ہجوم تتر بتر ہوگیا۔

اس وقت یہ سمجھ نہ لگ سکی کہ کیا ہوا ہے حضرت مصلح موعودؓ کا وہ ارشاد خدا تمہاری مدد کو دوڑا چلا آ رہا ہے کس طرح پورا ہوا۔ جب جذبات قابو میں آئے تو پتا چلا کہ ہماری بھینس جو گلی میں بندھی ہوئی تھی ہجوم کے شور پریشان ہو کر اپنا رسا تڑوا کر گلی کے ایک طرف بھاگی۔ اس طرح جب ہجوم نے دیکھا کہ اس طرف آ رہی ہے تو وہ خود ڈر کر بھاگے اور ساتھ شور کرتے رہے تا کہ باقی لوگوں کو بھی خبردار کر دیں۔ بھینس آ گئی۔ بھینس آ گئی۔ بھاگو اوئے بھاگو بھاگو۔ اچانک بھینس نے اپنا رُخ بدلا اور گلی کی دوسری طرف رُخ کرلیا۔ جب اس طرف کے لوگوں نے دیکھا کہ بِپھری ہوئی بھینس اس طرف آ رہی ہے تو وہ واپس بھاگ اُٹھے۔ اس طرح چند سیکنڈ میں خدا تعالیٰ نے ایسا بندوبست فرمایا کہ جان اور مال محفوظ رہے۔

ابا جی مرحوم میں مزاح کی حس بہت تھی۔ اور بعد میں اکثر لطیفے کے رنگ میں ذکر کیا کرتے تھے۔ کہ دیکھا خدا تعالیٰ نے کس طرح ہماری دعائیں سنیں اور کس طرح بھینس کے دل میں ڈالا کے اس ہجوم کو بھگا ڈالو۔

اور ساتھ بھی ذکر کیا کرتے تھے کہ دیکھا خلیفہ وقت کا ارشاد خدا تعالیٰ تمہاری مدد کو دوڑا چلا آ رہا ہے کس طرح پورا ہوا۔ الحمد للہ اس واقعہ کے بعد ہم سب کے ایمانوں میں بہت تقویت ہوئی۔

راہوالی کا ایک اور واقعہ یاد آ گیا جس سے پتا چلتا ہے کہ ابا جی نے ہماری تربیت کس طرح کی تھی اور اس کا دوسروں پر کتنا اثر ہوتا ہے۔ ایک مولوی صاحب جن کا نام مولوی عبدالرحیم تھا۔ جماعت کے مخالفین میں سے تھے لیکن ان کو جب کوئی کام ہوتا تھا ابا جی سے ملنے آ جایا کرتے تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب احمدی مبلغین کے انتظامیہ کے ساتھ اچھے تعلقات ہوتے تھے۔ مجھے ابھی تک یاد ہے جب ضلع گوجرانولہ میں نئے ڈپٹی کمشنر صاحب آئے تو ابا جی مرحوم مجھے اپنے ساتھ لے گئے ان سے ملنے کے لیے اور اپنا تعارف کروایا میں احمدیہ جماعت کا مبلغ ہوں۔

ایک دن مولوی عبدالرحیم صاحب ابا جی کو ملنے آئے۔ ابا جی گھر نہیں تھے۔ دروازہ پر دستک دی۔ میں نے بالکونی میں سے نیچے جھانکا اور پوچھا کون صاحب ہیں۔ کہنے لگے میں عبدالرحیم ہوں۔ میں نے بتایا کہ ابا جان تو گھر پر نہیں کیا اپ تشریف رکھیں گے کہنے لگے کہ نہیں میں پھر آ جاؤں گا۔ بعد میں انہوں نے ابا جان سے ذکر کیا۔ کہ آپ کے بیٹے نے اس طرح میرے ساتھ بات کی ہے۔ عام رواج کے مطابق لوگ پوچھتے ہیں ''اوئے کون ایں''۔ میں آج کے بعد جماعت کی مخالفت چھوڑ رہا ہوں۔

راہوالی کے چند اور واقعات جو یادوں میں قید ہیں عرض کر دیتا ہوں۔

1۔ سلسلہ احمدیہ کے مبلغ اور عالم جناب عبد الرحمن صاحب ابو جی کے دوست بھی تھے اور اکٹھے تبلیغی مہموں پر بھی جاتے تھے۔ میرا بھی ان کے ساتھ

غزل

عاصی صحرائی



ہر سر پہ اب عزت کی دستار نہیں ہے
عوام کی کوئی بھی ہمدرد اب سرکار نہیں ہے

ابن الوقت ہو گیا ہے یہ بد بخت زمانہ
کوئی بھی انساں اب صاحبِ کردار نہیں ہے

صبرو برداشت سے عاری ہوگئی ہے دنیا
شور و غوغا تو ہے مگر کوئی خوش گفتار نہیں ہے

قول و عمل کا فرق نظر آتا ہے ہر جا
بد عملی کی وجہ سے مومن کی للکار نہیں ہے

اس قوم کو مقصد ہوا ہر وقت مفاد پرستی
مغرب کی طرح قمیض تو ہے مگر شلوار نہیں ہے

❁❁❁❁❁❁❁❁

تعارف تھا اور ظاہر ہے یہ تعارف گیانی واحد حسین صاحب یعنی ابا جی مرحوم کی وجہ سے تھا۔ بعض دفعہ خادم صاحب کہتے تھے میرے بیٹے سے سوال پوچھو۔ اس وقت وفات مسیح سے لے کر صداقت مسیح موعود تک کے پوائنٹس رٹے ہوئے تھے۔

مجھے ابا جی نے یہ یہ جوابات لوجیکل طریقہ سے سمجھائے ہوئے تھے مثلاً آسمان ایک کائنات کی طرح ہے اس کا جسم نہیں کہ جہاں پر لوگ چلے جاتے ہیں اور واپس آتے ہیں۔ پھر ہمارے رسول تو ادھر زمین میں ہی دفن ہین۔ اسی طرح وہ شعر ابھی تک یاد ہے۔

غیرت کی جا ہے عیسیٰ زندہ ہو آسمان پر
مدفون ہو زمین میں شاہِ جہان ہمارا

خادم صاحب سے بھی کبھی چھوٹے چھوٹے سوال پوچھ لیا کرتا تھا۔ ایک دن ابا جی نے کھانا تیار کروایا اور مجھے لے کر ریل گاڑی سے لاہور روانہ ہو گئے۔ پتا چلا کہ خادم صاحب میو ہسپتال میں داخل ہیں یہ محبت کا ایک ایسا پہلو ہو جو ہمیشہ یاد رہتا ہے پھر بعد میں میری ڈیوٹی ہوتی تھی کہ خادم صاحب کے لئے کھانا لے کر جاؤں۔

2۔ راہوالی سے کئی دفعہ قادیان جلسہ پر ابا جی تقریر کے لئے جاتے تھے ہمیشہ ملیشیا کے کپڑے کا کرتہ پسند کرتے تھے۔ جب بھی قادیان جاتے تھے کسی طرح لوگوں کو پتہ چل جاتا تھا۔ ایسے والدین اکثر گھر آجاتے تھے ہماری بیٹیاں ہندستان رہ گئی ہیں۔ ان کو ڈھونڈنے میں مدد کریں جماعتی نظام کے تحت پورے کوائف لیتے اور اس طرح اپنی کوششوں میں کامیاب بھی ہوتے۔

3۔ ایک واقعہ جو گوجرانوالہ کا ہے وہ بھی عرض خدمت ہے جسے میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ ہر ضرورت مند کی مدد کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے یہ مبلغ اور مربی کا فرض ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک زمیندار کا مزارع ابا جی کے پاس آیا اور شکایت کی کہ اس کو اپنی ضرورت کے مطابق زمین کے لیے پانی نہیں دیا جاتا۔ اس طرح فصلیں تباہ ہوجاتی ہیں۔ ابا جی کی ایک عادت ہوتی تھی وہ ضرورت مند کی مدد کے لئے فوراً حل کیا کرتے تھے گوجرانوالہ تحصیل میں ایک دفتر تھا۔ ایک شخص کو ساتھ لے کر تحصیل کے دفتر پہنچ گئے۔ پیغام یہ دیتے ہیں کہ جاؤ اپنے افسر کو بتادو کہ جماعت احمدیہ کا مبلغ آیا ہے اور یہ کام ہے وہ زمانہ شاید اچھا تھا زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑتا تھا۔ آفیسر کے آگے درخواست رکھی گئی اس پر آفیسر نے no کا لفظ آگے لکھ دیا۔ ابا جی نے جب یہ دیکھا تو اس کاغذ پر لکھ دیا کہ تو افسر نہیں رہے گا اور یہ کہہ کر فوراً اُٹھ کر آ گئے۔ بعد میں معلوم ہوا یہ افسر suspend کر دیا گیا تھا۔

4۔ راہوالی گوجرانوالہ، وزیرآباد گکھڑ، روالی اردگرد کے علاقوں میں تبلیغ کے لیے جاتے تھے ان کی دلچسپ تقاریر ہر کوئی پسند کرتا کرتا تھا۔ تقریر کا انداز اتنا شیریں ہوتا تھا کہ لوگ رو بھی پڑتے تھے۔ ہنس بھی پڑتے تھے اور احمدیت کا پیغام بھی دلوں میں جاگزیں ہوجاتا تھا۔ ان کی تقاریر اکثر جلسے کے آخر میں رکھی جاتیں اور لوگ بڑے شوق سے بیٹھے رہتے۔ دو مثالیں ان کی تقاریر کی پیش خدمت ہے۔

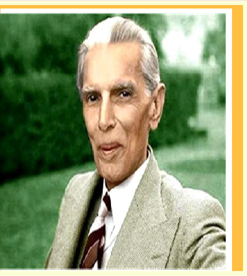
1۔ ایک تقریر میں بیان کیا کہ لوگو تم نے دیکھا ہے کہ ریل گاڑی جب گزرتی ہے تو بڑی تیزی سے جاتی ہے تم نہیں بتا سکتے یہ گاڑی یا ریل کیسی ہے جب تک تم اس کے اندر سوار نہیں ہوگے تو تمہیں کیسے پتا چلے گا کہ یہ ریل گاڑی کیسی ہے اسی طرح جب تک تم لوگ احمدیت میں داخل نہیں ہوگے تو تمہیں کیسے پتا چلے گا کہ احمدیت کی گاڑی کیسی ہے اور احمدیت کی کیا خوبیاں ہیں۔

2۔ دجال کے گدھے کے بارے میں بیان کر رہے تھے کہ ایک تقریر میں کہ لوگو یہ دیکھو دجال ایک آنکھ والا ہوگا اور اس کا گدھا اتنا لمبا ہوگا۔ اس گدھے کے پیٹ کے اندر لوگ سوار ہوں گے۔ اس وقت مسیح موعود کا ظہور ہوگا۔ لوگو تم نے کبھی سوچا ہے اس بارہ میں۔ ساتھ ہی یہ شعر بھی پڑھا۔

سئو گو رو دی دھرم نال جانی
کہ بکری نے اونٹ جمیا۔

لوگو یہ سوچو کہ بکری کبھی اونٹ پیدا کرسکتی ہے۔ اتنے بڑے دجال کے گدھے کی ماں کتنی بڑی ہوگی لوگ عش عش کرنے لگ گئے۔ پھر مزید اپنے رنگ میں اس پیش گوئی کے بارہ میں بتایا۔

1958 کے آخر میں ابا جی مرحوم نے ایک ٹرک میں گھر کا سامان اور ہم



وہ ہستی جس نے ہمیں پاکستان دیا

ایئر مارشل (ر) ظفر چودھری



سب بہن بھائیوں کو ربوہ لے آئے اور وہاں سے زندگی کا ایک اور نیا دور شروع ہوا۔راہوالی کی زندگی دوست احباب ابھی تک یاد آتے ہیں۔سب اچھے لوگ تھے۔ہندوستان سے نئے نئے آئے تھے۔لوگوں میں محبت اور پیار تھا۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

ایئر مارشل (ر) ظفر چودھری 1972ء سے 1974ء تک پاک فضائیہ کے سربراہ رہے۔یہ تحریر ان کی کتاب ''فضائیے میں گزرے ماہ و سال'' سے لی گئی ہے۔

1941ء میں جب میں گورنمنٹ کالج لاہور میں پڑھتا تھا، مجھے حیدرآباد دکن جانے کا اتفاق ہوا۔اس سفر میں مجاہد حسین صاحب (چشتی مجاہد کے والد) جو گورنمنٹ آف انڈیا کے افسر تھے بھی شامل تھے۔

جب ہم حیدرآباد پہنچے تو معلوم ہوا کہ قائداعظم محمد علی جناح بھی ایک مقدمے میں وکالت کے سلسلے میں وہاں تشریف لائے ہوئے ہیں۔مجاہد حسین صاحب نے ہمیں بتایا تھا کہ وہ ایک وقت قائداعظم کے سیکرٹری کے طور پر کام کر چکے ہیں۔میں نے اصرار کیا کہ وہ کوئی ایسا رستہ نکالیں کہ ہم قائداعظم کی خدمت میں حاضر ہو سکیں۔

اس وقت تک قائداعظم ہندوستان کے مسلمانوں کے واحد رہنما بن چکے تھے اور خاص طور پر ہر نوجوان ان کی طرف انتہائی عزت اور احترام کی نظر سے دیکھتا تھا۔ہمیں معلوم ہوا کہ وہ ایک ریسٹ ہاؤس میں مقیم ہیں۔ہم راستہ پوچھتے ہوئے وہاں جا پہنچے۔گیٹ پر ایک چوکیدار مقرر تھا جس نے ہمارا راستہ روکا اور کسی قدر درُشتی سے اعلان کیا کہ کسی کو گیٹ کے اندر آنے کی اجازت نہیں۔ہم نے کچھ اس کی منت سماجت کی اور یہ بھی یقین دلانے کی کوشش کی کہ مجاہد حسین صاحب قائداعظم کو اچھی طرح جانتے ہیں لیکن وہ نہ مانا اور چلاّ چلاّ کر ہم پر دھونس جمانے لگا۔یہ شور ابھی جاری تھا کہ عمارت کا صدر دروازہ کھلا اور برآمدے میں وہ چہرہ نمودار ہوا جس کی تصویر ہر مسلمان گھرانے کی زینت بن چکی تھی۔

قائداعظم حسب معمول نہایت اُجلا اور اعلیٰ سوٹ زیب تن کئے ہوئے تھے اور مجاہد حسین صاحب کو پہچانتے ہی مسکرانے لگے اور ہمیں اندر آ جانے کو کہا۔ہمیں وہ اپنے دفتر میں لے گئے اور مجاہد حسین صاحب سے پوچھا کہ کیسے آنا ہوا۔انہوں نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ لڑکا میرے سر ہو گیا تھا کہ وہ آپ کو دیکھنا چاہتا ہے اور اس غرض کے لیے میں کوئی چارہ کروں۔

یہ سنتے ہی قائداعظم میری جانب گھومے اور انگریزی میں کہا ''لو میاں اب اچھی طرح دیکھ لو۔'' ان کی شخصیت میں کمال جاذبیت تھی اور ان کے چہرے سے نظر ہٹانا مشکل تھا۔انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ میں کہاں پڑھتا ہوں اور تعلیم حاصل کرنے کے بعد کیا کام کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔میرا جواب کچھ گول مول تھا۔

جس پر انہوں نے کہا کہ ''اپنی تعلیم پر پوری توجہ دو اور پھر جس کام کا بھی انتخاب کرو اسے اعلیٰ طریق سے انجام دو۔'' پھر انہوں نے آواز دی ''فاطمہ! ان لوگوں کے پینے کے لیے کچھ لاؤ۔'' جلد ہی ایک معتبر خاتون ٹرے میں دو گلاس شربت لے کر آئیں اور ہمیں پیش کیا۔مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ یہ ہستی قائداعظم کی ہمشیرہ ہیں۔جنہوں نے ہمیں یہ کمال عزت بخشی۔ہم کوئی بیس منٹ تک قائداعظم کی خدمت میں حاضر رہے لیکن میں کئی دنوں، ہفتوں اور مہینوں تک ہر کسی کو انتہائی فخر سے بتاتا رہا کہ میں نے واقعی قائداعظم کو دیکھا ہے اور ان سے باتیں بھی کی ہیں۔

قائداعظم 1945ء میں پشاور تشریف لائے جن دنوں میں وہاں فضائیہ

کے ایک یونٹ میں متعین تھا۔ وہ دہلی سے انڈین نیشنل ایئرویز کی اس پرواز سے آ رہے تھے جو دوپہر کے وقت پشاور پہنچتی تھی اور جس پر کوئی چودہ پندرہ سیٹوں والا جہاز چلتا تھا۔ قائداعظم کی متوقع آمد کے سبب ہندوستانی افسروں میں خاصی گرما گرم بحث ہونے لگی جو کبھی کبھی ضرورت سے زیادہ تُرش اور ناخوشگوار بھی ہو جاتی اور جس میں ہمارے ساتھ کے چند ہندو افسران کا گہرا تعصب بھی نمایاں ہو جاتا۔

جس دن قائداعظم کو آنا تھا اس روز پھر خاصی تکرار ہوئی جس کے اختتام پر ایک بنگالی پائلٹ بنام بھاسکرن دت نے اعلان کیا ''آج میرے جہاز کی مشین گنیں لوڈڈ ہوں گی اور میں اس جہاز کو مارگراؤں گا جس میں جناح آ رہا ہے۔'' یہ سن کر میرے تن بدن میں آگ لگ گئی اور میں نے اسے للکارا: ''بچو میرا جہاز تمہارے ساتھ چمٹا رہے گا اور پیشتر اس کے کہ تم اس جہاز کے پاس پھٹکو، میں تمہیں مار گراؤں گا۔''

میں نے اس کے ساتھ ہی ٹیک آف کیا اور اس کے جہاز کو ایک لمحے کے لیے نظر سے اوجھل نہ ہونے دیا۔ خدا کا شکر ہے کہ بھاسکرن دت کی تعلّی خالی بڑ ہی ثابت ہوئی اور قائداعظم کا جہاز بخیریت پشاور پہنچ گیا۔ تاہم اس واقعہ سے عیاں ہوتا ہے کہ بعض ہندو کتنے متعصب اور کٹر ذہن کے مالک تھے اور اس نقطہ نظر کو بھی تقویت ملتی ہے کہ ہندوستان کی تقسیم کی اصل ذمہ داری درحقیقت اکثریتی مذہب کے متعصب اور غیر روادار عناصر پر عائد ہوتی ہے نہ کہ مسلمانوں پر۔ قائداعظم کا پشاور میں نہایت عالیشان استقبال ہوا اور شام کو انہوں نے اسلامیہ کالج میں ایک جلسے سے خطاب کیا۔ فضائیہ کے اکثر مسلمان افسر بھی اس جلسے میں موجود تھے۔

ان کی شمولیت ایک عظیم لیڈر کی تعظیم اور ان سے عقیدت کا اظہار تھا اور ان کی غرض ہرگز یہ نہ تھی کہ وہ کسی سیاسی کارروائی میں حصہ لیں۔ قائداعظم کی تقریر کا خاص نقطہ یہ تھا کہ وہ انگریزی حکومت سے یہ وعدہ حاصل کر چکے ہیں کہ وہ اس وقت تک ہندوستان کو چھوڑ کر نہیں جائیں گے، جب تک کوئی ایسا سیاسی حل نہ ڈھونڈ لیا جائے جسے مسلم لیگ بھی قبول کرے۔ سامعین نے اس تقریر اور یقین دہانی کا انتہائی جوش سے خیر مقدم کیا اور ہم سب خوشی خوشی

لمبی عمر پانے کا نسخہ

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

''دوسروں کے لیے دعا کرنے میں ایک عظیم الشان فائدہ یہ بھی ہے کہ عمر دراز ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ وعدہ کیا ہے کہ جو لوگ دوسروں کو نفع پہنچاتے ہیں اور مفید وجود ہوتے ہیں اُن کی عمر دراز ہوتی ہے۔ جیسا کہ فرمایا وَ اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (ترجمہ) اور جو چیز لوگوں کو نفع دینے والی ہوتی ہے وہ زمین میں ٹھہری رہتی ہے (الرعد: ۱۸) اور دوسری قسم کی ہمدردیاں چونکہ محدود ہیں اس لیے خصوصیت کے ساتھ جو خیر جاری قرار دی جاسکتی ہے وہ یہی دعا کی خیر جاری ہے۔ جب کہ خیر کا نفع کثرت سے ہے تو اس آیت کا فائدہ ہم سب سے زیادہ دعا کے ساتھ اُٹھا سکتے ہیں

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 353)

❁❁❁❁❁❁❁❁

واپس لوٹے۔

آخری مرتبہ میں نے قائداعظم کو اپریل 1948ء میں ان کے رسالپور کے یادگار دورے کے دوران دیکھا۔ پہلے انہوں نے فضائیہ کی ایک پریڈ کا معائنہ کیا اور پھر جب ہمارے میس میں ناشتے کے لیے تشریف لائے تو فضائیہ کے افسروں کے ساتھ ایک تصویر کھنچوائی جو اب ایک قیمتی یادگار بن چکی ہے۔ پھر انہوں نے برّی فوج کی پریڈ کی سلامی لی جو کوئی دو گھنٹے جاری رہی۔ کمزوری کے باوجود وہ تمام وقت سیدھے کھڑے رہے۔ یہ ان کی قوت ارادی اور ہمت کا ایک بین ثبوت تھا۔

ویسے ان کی یہ خصوصیات پہلے ہی ضرب المثل بن چکی تھیں۔ فضائیہ کو خطاب کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا، ''طاقتور فضائیہ کے بغیر کوئی بھی ملک حملہ آور کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔ پاکستان کو اپنی فضائیہ بہت جلد منظم کرنی ہے اور یہ فضائیہ اپنی کارکردگی میں کسی سے بھی کمتر نہیں ہونی چاہیے۔'' یہ الفاظ اب تک ہمارے کانوں میں گونج رہے ہیں۔

(ہفتہ 8 اگست 2015 بشکریہ نیوز ایکسپریس)

❁❁❁❁❁❁❁❁

خطرناک دھمکی آمیز سازشی خط لیک ہو گیا



سلیم ملک صاحب

جو بائیڈن پریشان تھا۔عمران خان کی موجودگی میں پاکستان کی ترقی کو روکنا ناممکن ہو گیا تھا۔اسے نظر آ رہا تھا کہ اگر پاکستان اسی رفتار سے ترقی کرتا رہا جتنی اس نے پچھلے تین برسوں میں کی ہے تو اسلام کا یہ قلعہ کنٹرول کرنا مشکل ہو جائے گا۔اسے لگا کہ وہ دن دور نہیں جب پاکستان ہی دنیا کا لیڈر ہو گا اور یورپ اور امریکہ اپنی حفاظت کے لیے پاکستان کو سالانہ خراج دے رہے ہوں گے اور وہ بھی اربوں ڈالر میں ہو گا۔حیرت کی بات یہ ہے کہ چین کا صدر شی جن پنگ بھی اتنا ہی پریشان تھا۔جو بائیڈن نے یورپین لیڈران سے اس معاملے پر بات کی تو وہ اور بھی زیادہ خوف زدہ دکھائی دیے۔یورپ والوں کو صاف نظر آ رہا تھا کہ اس فاسٹ باؤلر (میرا مطلب سیاسی لیڈر اور مدبر) کو اگر نہ روکا گیا تو یورپ بہت جلد پاکستان کی کالونی ہو گا۔برطانیہ کا خوف یہ بھی تھا کہ ایسی صورت میں ان کا بریڈ فورڈ تو خالی ہو جائے گا اور انہیں بریڈ فورڈ جا کر سستی پاکستانی ہانڈی کھانے کا جو نشہ ہو گیا ہے وہ پورا نہیں ہو پائے گا۔جو بائیڈن نے یورپین بادشاہوں سے بات کرنے کے بعد مودی کو فون لگایا۔وہ پراتھنا میں مصروف تھے لیکن سیکیورٹی کے اسرار پر بائیڈن کا فون سننے پر راضی ہو گئے۔مودی نے دھوتی سنبھال کر جو بائیڈن کی بات غور سے سنی اور جو بائیڈن کو بتایا کہ اس نے تو خطرے کو پہلے ہی بھانپ لیا تھا۔عمران خان کی کپتانی (میرا مطلب ہے کہ حکومت) میں پاکستان کی اکانومی کو اٹھتا دیکھ کر کشمیر ہاتھ سے جاتا دکھائی دیا تو ہی اس نے کشمیر والا جھگڑا مکا ڈالا۔مودی جی نے جو بائیڈن کو مزید بتایا کہ عمران خان پاکستان کا دوسرے نمبر کا قابل اور خطرناک ترین لیڈر ہے۔جو بائیڈن نے پہلے نمبر کے خطرناک اور قابل ترین لیڈر کا پوچھا تو مودی نے بتایا کہ پہلے تو وہ خادم حسین رضوی تھے لیکن ان کی وفات کے بعد اب مقابلہ مولانا سعد رضوی اور شیخ رشید کے درمیان ہے۔اور اگر یہ دونوں پہلا نمبر حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوئے تو پھر فردوس عاشق اعوان ہی ہوں گی۔جو بائیڈن نے جب ان لیڈران کی قائدانہ صلاحیتوں کا پوچھا تو بتایا گیا کہ وہ سب ایک ہی ہتھیار کا بے دردی سے استعمال کرتے ہیں اور اس ہتھیار کو وہ زبان کہتے ہیں۔خیر عمران کا راستہ روکنے کے لیے جو بائیڈن، تمام یورپین بادشاہ، مودی اور شی جن پنگ ایک پیج پر آ گئے تو سب نے بیٹھ کر اس کا حل سوچنا شروع کیا۔وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اس کا حل ایک خط ہی ہو سکتا ہے۔انہوں نے خط لکھ دیا۔اس خط کا نام "عمران خان کے نام اسلام دشمن دنیا کا سازشی اور دھمکی آمیز خط" رکھا گیا۔اس خط میں واضح لکھ دیا گیا کہ دنیائے کرکٹ کو عمران خان کی تیز ترین ان سونگ سے شدید خطرہ ہے۔اگر عمران خان کو اپنی خطرناک باؤلنگ سے نہ روکا گیا تو اپنی ہی ساری وکٹیں اڑا بیٹھے گا۔اور اگر ایسا ہو گیا تو پھر ایک کی بجائے دو افغانستان بن جائیں گے۔اور یہ دوسرا افغانستان پہلے سے بھی زیادہ خطرناک ہو گا کیونکہ اسے تو رعونیت کا تڑکا بھی لگا ہوا ہے۔

خط تو لکھا گیا اور سازش بھی تیار ہو گئی اب مسئلہ یہ تھا کہ یہ خط عمران خان تک کیسے پہنچایا جائے۔اس کے لیے پاپا جونز کے ایک ڈیلیوری بوائے کا انتخاب کیا گیا۔ڈیلیوری بوائے نے یہ خط وزیر داخلہ شیخ رشید کو پہنچایا۔انہوں نے پوری ایمانداری سے پڑھے بغیر یہ خط وزیراعظم کو پہنچا دیا۔اسی لیے تو شیخ رشید کو خط کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا۔خیر عمران خان بھی ان کے قابو میں آنے والا نہیں تھا۔اس نے خط کے اوپر سے اپنا نام کاٹ کر اپنے سے بھی زیادہ خطرناک ان سونگر وسیم اکرم پلس کا نام لکھ دیا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وسیم اکرم پلس کی وکٹ اڑ گئی اور عمران خان کی اننگز ابھی جاری ہے لیکن سازشی خط کے لیک ہونے سے پیج اور بھی گیلی ہو گئی ہے۔بات اب پاپا جونز کے ڈیلیوری بوائے پر آ کر رک گئی ہے۔پیزے فون کی تاروں کے ساتھ جھول رہے ہیں۔دنیا کا سب سے بڑا ایماندار شخص پنجاب کے سب سے بڑے ڈاکو کے ساتھ مل کر ہمارے مستقبل کا فیصلہ کرے گا۔اور ہم ہیں کہ مزے سے کونے میں بے فکر بیٹھے دہی کھا رہے ہیں۔(بشکریہ "ہم سب" مورخہ 30 مارچ 2022)



تمہارا آنا بھی تو قسمت کا ہی کرشمہ ہے

محمد کولمبس خاں

انسان اگر چہ زندگی بھر اپنی کامیابی کے لئے جدو جہد کرتا رہتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کو جس قدر کامیابی نصیب ہوتی ہے وہ صرف اتنی ہوتی ہے جتنی اس کی قسمت میں ہوتی ہے۔ ہمارے بزرگ ایک کہانی سنایا کرتے تھے کہ ایک روز قسمت اور عقل میں بحث ہوگئی اور دونوں اپنے اپنے زعم کے مطابق خود کو دوسری سے برتر ثابت کر رہی تھیں۔ بالآخر طے یہ پایا کہ آزمائش کر لیتے ہیں۔ اس کام کے لئے دونوں نے ایک نوجوان دیہاتی کو سلیکٹ کر لیا (اگر آپ کا دھیان کسی اور طرف چلا گیا ہے تو یہ اتفاقی بات ہے) اور عقل نے عیاری سے کام لیتے ہوئے یہ اعلان کر دیا کہ:

''میں اس دیہاتی سے کنارہ کر لیتی ہوں پھر دیکھتے ہیں کہ میرے بغیر یہ کتنی کامیابیاں حاصل کر سکتا ہے۔''

اب قسمت نے اس دیہاتی کو زندگی میں کامیابی سے ہمکنار کرنے کا بیڑا اٹھا لیا تھا۔ جب قسمت ساتھ دے رہی ہو تو انسان کا ہر کام کرشماتی ہوتا جاتا ہے۔ اس دیہاتی نے مکئی بیجی ہوئی تھی۔ اور اس نے جا کر دیکھا تو مکئی کے سٹے دانوں کے بجائے پتھروں سے پُر تھے۔ اس کو فکر لگی کہ وہ بادشاہ کو لگان کیسے ادا کرے گا۔ پریشان حالی میں دربار میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا:

''عالی جاہ! میرے مکئی کے کھیتوں میں سٹے بجائے مکئی کے دانوں کے پتھروں سے پُر ہیں اور میں اس وجہ سے لگان کی ادائیگی سے قاصر ہوں۔''

بادشاہ گرج کر بولا:

''یہ کیسے ممکن ہے ہے۔ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تمہیں لگان کی ادائیگی تو کرنی ہی پڑے گی۔ اب جھوٹ بولنے کی سزا بھی ملے گی۔''

دیہاتی نے درخواست کی کہ حضور والا کسی کو بھیج کر تسلی کر لیں جس پر بادشاہ سلامت نے اپنے معتمد وزیر کو حکم دیا کہ موقع پر جا کر خود ملاحظہ کر کے جلد رپورٹ کرے۔ وزیر نے جا کر کھیت میں کئی سٹے توڑ کر دیکھے۔ واقعتاً سبھی پتھروں سے پُر تھے اور وہ چند ایک ہمراہ لا کر عرض گزار ہوا کہ ''یہ لڑکا جھوٹ تو نہیں بولتا لیکن یہ پتھر بڑے قیمتی لگتے ہیں۔''

فوراً جوہری کو بلایا گیا اور بعد ملاحظہ اس نے بتایا کہ ہیرے اصلی اور بڑے قیمتی ہیں۔ بادشاہ نے لڑکے کا نہ صرف لگان معاف کر دیا بلکہ اسے ایک کثیر رقم سے نوازا اور حکم دیا کہ ساری فصل اب سرکاری ملکیت ہے جسے فوراً خزانہ عامرہ میں محفوظ کر لیا گیا۔

اس دیہاتی لڑکے کی شہرت میں اضافہ ہونا شروع ہو گیا اور لوگ اپنی درانتی یا کلہاڑا لے کر اس سے ہاتھ لگوا لیتے اور وہ سونے کا ہو جاتا۔ قسمت بی بی کا سر فخر سے بلند ہوتا جا رہا تھا۔ گاؤں سے اس کی کرشماتی قوت کے چرچے شہروں میں اور اشرافیہ کے گھروں تک پہنچ چکے تھے۔ بادشاہ بھی اس "ڈیولپمنٹ" سے بے خبر نہیں تھا اور اسے لحظہ بہ لحظہ خبریں مل رہی تھیں۔

بادشاہوں کے مسائل بھی شاہانہ ہوتے ہیں۔ اپنی سلطنت کے استحکام کے لئے ہر مفید مطلب شئے سے فائدہ اٹھانا ان کا حقِ اولین ہوتا ہے۔ بادشاہ کو اپنی نوجوان بیٹی کے لئے ایک اچھے بَر کی تلاش'' تھی۔ دیہاتی کے ساتھ قسمت کا برتاؤ بادشاہ کو بھانے لگا تھا اور قسمت نے ہی بادشاہ کو قائل بھی کر لیا کہ اس میں اتنی کرامات ہیں لہٰذا یہ ''داماد مفید'' ثابت ہو سکتا ہے۔ بادشاہ معظم نے اپنی بیٹی کا رشتہ اس دیہاتی سے طے کر دیا۔ جہاں قسمت دیہاتی کو کامیاب کرنے پر تلی ہوئی تھی وہیں عقل کا اس دیہاتی میں نام و نشان نہ تھا اور یہ کمی محل میں جا کر کسی وقت بھی جان لیوا ثابت ہو سکتی تھی۔

قصہ کوتاہ، رسم شادی ہوگئی اور شب عروس جب اس دیہاتی کو دلہن کے کمرے میں ہانکا گیا تو اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس کا یہاں کام کیا ہے۔

کھرلی میں سو جانے والا تھکا ہوا بے عقل انسان، شہزادی کے پلنگ کے نیچے چلا گیا۔ شہزادی کی سہیلیوں نے اسے مذاق سمجھ کر حسبِ روایت چھیڑ چھاڑ کی لیکن وہ مُجھو پلنگ کے نیچے پڑا رہا۔ لڑکیاں تھک ہار کر چلی گئیں اور شہزادی صاحبہ انتظار کرنے لگیں کہ ان کا سرتاج ابھی شرارت چھوڑ کر آ جاتا ہے اور گھونگھٹ اٹھاتا ہے۔ لیکن اس بیچارے میں اتنی عقل کہاں کہ وہ زندگی کی اہم ترین رات کو یادگار بنا سکتا۔ لمبے انتظار کے بعد شہزادی نے محسوس کیا کہ ان تلوں میں تیل نہیں اور وہ کسی جانور کے ساتھ باندھ دی گئی ہے۔ کافی سوچ بچار کے بعد وہ پلنگ سے نیچے اُتری اور سامنے حسبِ دستورِ شاہاں دیوار پر لٹکی میان میں سے تلوار نکال کر پلنگ کی طرف پلٹی اور دیہاتی کو بازو سے پکڑ کر باہر کھینچ نکالا۔ گردن پر ایک ہی وار میں اپنے شوہر نامدار کا کام تمام کر کے زندگی بھر کی ممکنہ کُڑھت سے نجات حاصل کرنے کے لئے تلوار والا بازو اُوپر کیا ہی تھا کہ اس پینڈو نے شہزادی کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا اور شعر کہہ دیا:

احتیاطاً میری باہوں کا سہارا لے لو
راستے زیست کے ہموار نہیں ہوتے

اس کے بعد صورتحال تبدیل ہو گئی کیونکہ عقل بڑے تفاخر کے ساتھ تشریف لا چکی تھی اور دیہاتی کی جان بچا چکی تھی۔

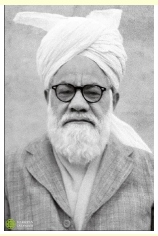
قسمت سے کہنے لگی:

''شکر کرو میں بروقت پہنچ گئی ورنہ تم نے تو اس نوجوان کو مروا ہی دیا تھا۔ اب تو تسلیم کر لو کہ میں تم سے برتر ہوں۔''

قسمت نے تسلیم کر لیا ۔کیونکہ اس کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہ تھا اور واقعاتی طور پر عقل کی اس بات میں بڑا وزن بھی تھا۔

پھر بڑے تحمل سے گویا ہوئی:

''تمہارا آنا بھی تو قسمت کا ہی کارنامہ ہے۔ دیہاتی کی قسمت میں تھا ہی یہی۔ تم ضرور آتیں اُس کی خدمت کے لئے۔''



پند و نصیحت

(کلام حضرت مرزا بشیر احمدؓ)

اپنا غمخوار مجھ کو جان اے دوست
میرا کہنا کبھی تو مان اے دوست
دنیائے دُوں سے مت لگانا دل
چند روزہ ہے یہ جہان اے دوست
پھول جتنے بھی چن سکے چن لے
ہے اجڑنے کو بوستان اے دوست
دین سے پھیرتا ہے تُو منہ کیوں؟
اس پہ لگتا نہیں لگان اے دوست
دین سے جو تجھے کرے غافل
بات اس کی کبھی نہ مان اے دوست
اس سے نکلیں گے بے بہا موتی
ایسی اسلام کی ہے کان اے دوست
لوٹ لے دین کا خزانہ تُو
اس سے غافل ہے سب جہان اے دوست
گر خدا کی طرف جھکے گا تُو
وہ بھی خود ہو گا مہربان اے دوست
کر تُو یادِ خدا، کہ پیری میں
تجھ کو رکھے گی یہ جوان اے دوست

(کلامِ بشیر صفحہ 4۔5 ایڈیشن 1963ء)



ذکرِ خیر مکرم چوہدری عبدالعزیز ڈوگر صاحب

پروفیسر چوہدری حمید احمد صاحب جرمنی

برادرم مکرم ومحترم چوہدری عبدالعزیز ڈوگر صاحب ان انتہائی خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں۔جن کو عین جوانی میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحریک پر لبیک کہتے ہوئے اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف کرنے کی توفیق ملی۔اس وقت جماعت کی مالی حالت آج کے مقابلہ میں نہایت کمزور تھی اور اپنے آپ کو جماعتِ احمدیہ کی خدمت کی خاطر وقف کے لئے پیش کرنا ساری عمر قناعت کی زندگی بسر کرنے کے حلف کے مترادف تھا۔اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ نیت قبول فرمائی اور ان پر الٰہی انعامات کی جو بارش برسائی۔وہ ایک طویل مگر انتہائی ایمان افروز داستان ہے۔جس میں سے بعض کا ذکر انہوں نے اپنی یادوں کے اس مجموعہ میں کیا ہے۔ان کا ایمان ہے کہ سب سے پہلا انعام تو یہ ہوا کہ حضرت مصلح موعودؓ کا قرب حاصل ہوا ان کی خدمت کا شرف نصیب ہوا۔اور ان کی بے پناہ شفقت اور دعاؤں سے حصہّ پایا۔دوسرا انعام یہ کہ انہی دعاؤں کی بدولت اللہ تعالیٰ نے انہیں کئی مواقع پر موت کے منہ سے نکالا۔ان کی آپ بیتی پڑھ کر نہ صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت پر ایمان تازہ ہوتا ہے۔بلکہ خلافتِ احمدیہ کی برکات اور خلافت کی معرفت خلافت کے غلاموں پر ہونے والے انعامات کی بھی ایک روشن جھلک نظر آتی ہے۔ان پر اللہ تعالیٰ کا تیسرا انعام، جس کا وہ انکساری کے ساتھ مختصر ذکر کرتے ہیں اور جس کا میں ذاتی طور پر گواہ ہوں،وہ یہ ہے وہ شخص جس نے خدا کی خاطر غربت میں زندگی گزارنے کا عہد کیا تھا اس کو خدا نے مالی وسعت بھی اس قدر عطا فرمائی جس کا وہ وہم گمان بھی نہیں کرتے تھے۔اور دیگر بے شمار انعامات کے علاوہ چوتھا انعام ان پر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نیکیوں پر قائم فرماں بردار اولاد عطا فرمائی اور میں خود اس بات کا گواہ ہوں کہ ان کی جملہ اولاد ان پر اپنی جان نچھاور کرنے کو تیار رہتی ہے اور ان کی خدمت اور خوشنودی کی خاطر ہر لحظہ کمر بستہ نظر آتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے کئی طریق سے ان کو کئی امتحانوں میں ڈالا مگر ہمیشہ خدا خود ہر آزمائش میں ان کا رہنما اور مددگار بنا۔وہ ہمیشہ بار بار کہتے ہیں اور یہ بات دہراتے نہیں تھکتے کہ ان پر خدا تعالیٰ کے جو افضال بھی ہیں وہ خلافت کی خدمت کی بدولت ہیں۔اپنی عمر اور کمزوریِ صحت کے باوجود ان کی خواہش ہوتی ہے کہ جہاں بھی خلیفہِ وقت تشریف لے جائیں وہاں پہنچیں۔ابھی چند ہی سال قبل اللہ تعالیٰ نے ان کو دو سال کے اندر اپنی اہلیہ محترمہ کا ساتھ بیت اللہ شریف کے دو حج کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔اسی سال کے دوران وہ قادیان کے جلسہ سالانہ کے علاوہ کینیڈا۔جرمنی اور ہالینڈ کے جلسہ ہائے سالانہ میں شریک ہوئے اور انگلستان کا جلسہ تو وہ کبھی miss کر ہی نہیں سکتے۔

ان پر پانچواں انعام اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک نہایت صابر،وفا شعار،نیک سیرت،دعا گو خدمت گزار بیوی سے نوازا ہے اور ڈوگر صاحب بھی اس کو ہر سفر وحضر میں اپنے ساتھ ایسے ہی رکھتے ہیں جیسے اس نے ہر عسر و یسر میں مکمل وفا کے ساتھ ان کا ساتھ نبھایا ہے۔ان کی بیگم صاحبہ نے نہ صرف اپنے بچوں کی بلکہ اپنے خاوند کے چھوٹے بھائیوں کی کی بھی حقیقی ماں کی طرح پرورش کی ہے۔ان کے بھائی بھی ان کے ساتھ بے پناہ محبت اور ادب کیساتھ پیش آتے ہیں۔مکرم محترم ڈوگر صاحب کے ساتھ تعارف تو بچپن سے ہی تھا۔ان کے والد محترم چوہدری چراغ محمد صاحب میرے استاد تھے اور مکرم ڈوگر صاحب موصوف میرے والد ماسٹر حسن محمد صاحب کے شاگرد رہے ہیں۔ہمارے والد تعلیم الاسلام ہائی سکول میں ایک دوسرے کے رفیقِ کار تھے۔ہمارا قریبی تعلق اس وقت سے شروع ہوا جب میری بڑی بیٹی عزیزہ اریبہ ان کے چھوٹے بیٹے عزیزم عبدالحنان سے بیاہی گئی۔اس رشتے کے بعد مجھے مکرم ڈوگر صاحب کی خداداد خوبیوں کو قریب سے مشاہدہ کرنے کا موقع ملا تو مجھے معلوم ہوا کہ کیوں خلفائے احمدیت کا قرب

انہیں حاصل رہا۔لمبا عرصہ تو وہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذاتی دوا خانہ خدمتِ خلق میں کام کرتے رہے۔ وہاں کی ضروریات کے پیشِ نظر حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود انہیں کچھ طبِ بھی سکھائی اور کاروبار کے ڈھنگ بھی۔ اور ان کی کارکردگی سے بہت خوش رہے۔ پھر تعمیرات کا تجربہ انہوں نے خود حاصل کیا۔ اور اس میں ان کو اللہ تعالیٰ نے مالی وسعت عطاء فرمائی۔ جب حضرت خلیفہ المسیح الرابع نے وقف پر واپس بلایا تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ربوہ میں دھونی رمالی مگر اس مرتبہ تعمیرات کے محکمہ میں خدمت کرنے پر مامور ہوئے۔ کئی سال ان کو مغربی افریقہ کے ملک گیمبیا میں جماعت کی مساجد اور سکولوں کی عمارتیں بنوانے کی توفیق ملی۔ جب وہ کام ختم ہوا تو حضرت خلیفہ المسیح رابعؒ نے جرمنی بلا کر مساجد کی تعمیرات کا کام ان کے سپرد کر دیا۔ جرمنی کے پہلے مرکز ناصر باغ کی مسجد اور مرکزی عمارت انہی کی نگرانی میں وقارِ عمل کے ذریعہ تعمیر ہوئی۔ ڈوگر صاحب کو اللہ تعالیٰ نے کئی اور رنگوں میں بھی جماعت کی خدمت کی توفیق دی۔ خدام الاحمدیہ میں لمبا عرصہ مہتمم مقامی رہے۔ اس کے قبل قائد ربوہ تھے۔ صدر محلہ بھی لمبا عرصہ رہے۔ صدر مجلس تاجران ربوہ کے طور پر بھی ان کو خدمت کی توفیق ملی۔ جماعت پر جب بھی مشکل اور نازک وقت آیا تو تو خدماتِ خاص کے لئے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب اور خود حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر اُن پر پڑتی رہی جن میں سے بعض کا ذکر تو انہوں نے اس کتاب میں کیا ہے مگر بعض کا ذکر ان امور کی نزاکت کی وجہ سے نہیں کر سکے۔

برادرم محترم ڈوگر صاحب کو اپنے خدمات کا ذکر کرنے میں بے حد تامل تھا مگر میرا اصرار تھا کہ ہماری نوجوان نسل کو معلوم ہونا چاہئے کہ اسلام اور احمدیت کی برکات صرف قصّے کہانیاں نہیں۔ اسلام کا خدا زندہ خدا ہے جو اس پر توکل کر کے اسی کا ہو جاتا ہے اور دعاؤں کے ذریعہ اس سے رہنمائی اور مدد کا طلب گار ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ضائع نہیں کرتا۔ میری دلیل انہوں نے قبول کر کے اپنی کچھ یادیں جمع کر کے تحریر کی ہیں۔ خدا کرے اس کا قارئین نہ صرف ان کے لئے دعا کریں بلکہ اس کا پڑھنا ان کے ایمان کی ترقی کا باعث بنے۔ ان کے پاس حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ اور حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ رضی اللہ عنہا۔ حضرت



غزل

عاصی صحرائی

ملاؤں نے کی ہے یلغار پاکستان میں
سب کا ہوا جینا دشوار پاکستان میں

وہ ساری زبانیں جن سے پھول برستے تھے
سب ہو گئیں تلوار پاکستان میں

سوچو کہ جو بچے کھلونے بیچتے تھے
کیوں بن گئے بمبار پاکستان میں

حیرت ہے اب بچوں کے مدرسے پڑھنے سے
ڈرتی ہے سرکار سارے پاکستان میں

اک عمر سے بھائی چارہ تھا ہمسایوں سے
اب باہم ہیں بیزار سارے پاکستان میں

حکومت میں جب سے آئے ہیں سب خرکار
ہر نظام ہو ا بیکار سارے پاکستان میں

شکم پری کو جب سے لالچ بنایا ہے
ہر کوئی ہوا منافق و غدار سارے پاکستان میں

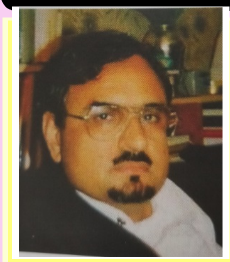
اس قوم کو پاس نہیں کوئی اپنی عزت کا
پہنتے ہیں شلوار کھاتے ہیں نسوار سارے پاکستان میں

مدرسے بازی سے اک ڈھونگ رچایا ہے ملاں نے
لوطی ملاں ہوئے ہیں بدکار سارے پاکستان میں

عاصیؔ کے قبیلے والوں کی رکھوالی کو
ہر سمت ہیں اسلحہ بردار سارے پاکستان میں

❁❁❁❁❁❁❁❁

خلیفہ المسیح الثالث رحمہ اللہ اور حضرت خلیفہ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے خود اپنے مبارک ہاتھوں سے تحریر شدہ نصائح سے بھرے خطوط بھی ہیں۔ افسوس ہے وقت نے ان کی ایسی حالت خراب کر دی ہے کہ ان کا مکمل عکس بھی مشکل ہو گیا ہے۔ تاہم ان میں سے چند ایک کی تصاویر کتاب میں شامل کر دی گئی ہیں۔ میں ممنون ہوں گا اگر قارئین کرام مکرم ڈوگر صاحب کے ساتھ ساتھ خاکسار کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ میری لا تعداد لغزشوں، کوتاہیوں اور نالائقیوں کی ستارّی فرماتے ہوئے میرے گناہ بخشے اور مجھے اس حالت میں موت دے کہ وہ مجھ سے ناراض نہ ہو۔



سائبر کرائم کورٹ: توہینِ مذہب پر 26 سالہ خاتون کو سزائے موت

(کولمبس خان)

اسلام آباد راولپنڈی میں انسدادِ سائبر کرائم کی عدالت نے توہینِ مذہب کے الزام میں 26 سالہ خاتون کو سزائے موت سنا دی ہے۔ انیقہ عتیق کو 24 سال قید اور دو لاکھ روپے جرمانے کی سزا بھی سنائی ہے۔ انیقہ عتیق پر الزام عائد کیا گیا تھا کہ انہوں نے سوشل میڈیا ویب سائٹ فیس بک اور ایپلیکیشن واٹس ایپ سمیت کئی سوشل میڈیا سائٹس پر توہینِ مذہب کی، جو عدالت کی کارروائی میں ثابت ہوئی۔ انسدادِ سائبر کرائم عدالت راولپنڈی کے جج عدنان مشتاق نے اس سلسلہ میں گذشتہ روز محفوظ کیا فیصلہ سنایا۔

انیقہ عتیق کے خلاف محمد حسنات فاروق کی مدعیت میں 13 مئی 2020 کو توہینِ مذہب اور انسدادِ سائبر کرائم ایکٹ کی دفعات کے تحت ایف آئی اے سائبر کرائم ونگ راولپنڈی میں مقدمہ درج کیا گیا تھا جس کے فوری بعد انہیں گرفتار کر لیا گیا تھا۔

مدعی کی جانب سے مذکورہ مقدمے کی پیروی راجہ عمران خلیل ایڈووکیٹ نے کی۔ وائس آف امریکہ سے بات کرتے ہوئے راجہ عمران خلیل نے کہا کہ اس کیس میں انیقہ عتیق نے مذہبی شخصیات کے خاکے بنائے اور واٹس ایپ پر اسٹیٹس لگانے سمیت اس نے اپنے چار موبائل نمبرز سے مختلف لوگوں کو ایسا مواد بھیجا جس میں مذہبی شخصیات کے خاکے بنانے کے علاوہ ان کے لیے توہین آمیز کلمات استعمال کیے گئے جن لوگوں کو یہ مواد بھیجا گیا ان میں سے ایک شخص حسنات فاروق نے ان کے خلاف سائبر کرائم ونگ میں مقدمہ درج کرایا تھا۔

انہوں نے کہا کہ انیقہ عتیق کی طرف سے توہین آمیز مواد پر مشتمل 36 صفحات کی چیٹ اور دیگر دستاویزات عدالت کو فراہم کی گئی تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انیقہ عتیق کا ایک لیپ ٹاپ، موبائل فون، موبائل سمز، میموری کارڈ، راؤٹر، یو ایس بی ڈرائیوز کو بھی قبضہ میں لیا گیا تھا جن میں موجود توہینِ آمیز مواد ثابت ہوا۔ کیس کے دوران ٹیکنیکل انالسز رپورٹ، ڈیجیٹل فرانزک رپورٹ اور دیگر ڈیٹا تمام تکنیکی شواہد کے ساتھ ثابت ہوا۔

اس کیس کا تفصیلی فیصلہ بھی جاری کر دیا گیا ہے جس کے مطابق عدالت میں انیقہ عتیق نے بیان دیا کہ پب جی گیم کھیلنے کے دوران اس کیس کا مدعی اور دیگر دو غیر ملکی افراد ان کے ساتھ کھیلتے تھے۔ اس دوران مدعی خود کو مذہبی آدمی ظاہر کرتا رہا اور جان بوجھ کر اس کو مختلف باتوں پر اکساتا رہا اور مختلف چیزیں جمع کرتا رہا۔

تاہم انیقہ عتیق نے عدالت میں دیے گئے اپنے بیان میں بتایا کہ وہ ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئیں اور ایک مسلمان خاندان میں شادی ہوئی۔ وہ توہینِ مذہب کا سوچ بھی نہیں سکتیں البتہ اگر ان سے دانستہ یا کسی کے اکسانے پر کوئی توہین ہوئی ہے تو وہ خدا سے معافی کی طلب گار ہیں۔ عدالت کا کہنا تھا کہ ملزمہ نے دورانِ مقدمہ اپنے دفاع میں کوئی ثبوت فراہم نہیں کیے۔

تفصیلی فیصلے کے مطابق انیقہ عتیق پر الزام تھا کہ انہوں نے واٹس ایپ پر اپنے اسٹیٹس میں پیغمبرِ اسلام کے خاکے استعمال کیے۔ اس کے علاوہ خاتون نے مزید خاکے اور یوٹیوب کے لنکس بھی مدعی کے ساتھ شیئر کیے جن میں توہین آمیز مواد موجود تھا۔

عدالت نے اس کیس میں ایف آئی اے کی طرف سے درج مقدمے کے بعد تفتیشی افسران کے بیانات بھی ریکارڈ کیے جنہوں نے اس بارے میں تصدیق کی۔

عدالت نے تمام شواہد کی تصدیق کے بعد عنیقہ عتیق کو تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295-سی کے تحت سزائے موت اور 50 ہزار روپے جرمانہ، تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295-اے کے تحت 10 سال قید اور 50 ہزار روپے جرمانہ، تعزیرات پاکستان کی دفعہ 298-اے کے تحت تین سال قید اور 50 ہزار روپے جرمانہ جب کہ انسداد سائبر کرائم ایکٹ کی دفعہ 11 کے تحت سات سال قید اور 50 ہزار روپے جرمانے کی سزائیں شامل ہیں۔

ایڈووکیٹ راجہ عمران خلیل کا کہنا تھا کہ اس کیس کے دوران ملزمہ کے بھارتی شہری کے ساتھ رابطے بھی سامنے آئے تھے تاہم اس بارے میں مکمل تصدیق نہ ہو سکی اور امکان ہے کہ اس میں کئی ملک دشمن عناصر بھی شامل ہیں۔

اس بارے میں انیقہ عتیق کے اہلِ خانہ کے ساتھ رابطہ کی کوشش کی گئی تاہم کوشش کے باوجود کسی شخص سے کوئی رابطہ نہ ہو سکا۔

(23 جنوری 2022۔ بشکریہ ہم سب)

رپورٹ رُونمائی کتاب سپوتِ ایشیا

مکرم منصور احمد شیخ جنرل سیکرٹری اولڈ اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی

کل بروز سوموار بتاریخ 22.05.30 تعلیم اسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی کے زیر اہتمام تقریب رونمائی کتاب سپوت ایشیا سر چوہدری محمد ظفر اللہ خان منعقد ہوئی جس مولانا حیدر علی ظفر صاحب پروفیسر چوہدری حمید احمد صاحب پروفیسر ڈاکٹر عبدالکریم خالد صاحب، چوہدری کولمبس خان صاحب اور چوہدری حمید اللہ ظفر صاحب نے اظہارِ خیال کیا پروفیسر ڈاکٹر عبدالکریم خالد صاحب چونکہ پاکستان تھے ان کا تبصرہ مکرم عثمان خان صاحب نے پڑھا اور چوہدری کولمبس خان صاحب چونکہ ہمبرگ سے تھے ان کا تبصرہ محمد افضل صاحب نے پڑھا پروفیسر چوہدری حمید احمد صاحب موجود تھے مگر طبیعت ناساز تھی اسلئے آپ کا تبصرہ چوہدری حمید اللہ ظفر نے پڑھا پروگرام کے آغاز میں چوہدری عبدالغفور ڈوگر صدر ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی نے رانا عبدالرزاق صاحب جنرل ۔سیکریٹری UK ایسوسی ایشن کا تعارف اور کتاب سپوت ایشیا پر اپنی رائے کا اظہار کیا پروگرام کا دوسرا حصہ مشاعرہ تھا جس کا آغاز کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام (درثمین) سے ہوا جو مرزا منصور احمد صاحب نے ترنم سے سنائی اسکے بعد معروف شعراء نے اپنا اپنا کلام سنا کر خوب داد وصول کی جن شعراء نے پروگرام میں حصہ لیا ان کے اسماء درج ذیل ہیں ۔

مکرم محمد اشرف صاحب ۔مکرم عبدالروف صاحب،مکرم چوہدری مبشر احمد کاہلوں صاحب ۔مکرم عبدالحمید رامہ صاحب ۔مکرم چوہدری حمیداللہ ظفر صاحب۔مکرم صفوان احمد صاحب۔مکرم ڈاکٹر وسیم احمد صاحب۔مکرم چوہدری شریف خالد صاحب اور مکرم رانا عبدالرزاق خاں ناظم مشاعرہ نے اپنا کلام سنایا تمام حاضرین کے لئے ریفرشمنٹ کا بہترین انتظام موجود تھا مکرم عبدالشکور بھٹی صاحب کی طرف سے تعاون شامل تھا سیکرٹری



ضیافت عطاءالعزیز صابر صاحب اور آپ کی ٹیم میں حمیدالدین امینی صاحب اور دوسرے دوستوں نے بھرپور تعاون پیش کیا ریکاڈنگ کے سیکرٹری سمعی اور بصری محمد افضل صاحب بھی ساتھ ساتھ رہے مکرم چوہدری حمیداللہ ظفر صاحب نے تمام انتظامات اور اس پروگرام کو کامیاب بنانے کے لئے بہت تعاون کیا اللہ تعالی تمام دوستوں کو جزا دے آپ سب ہماری دعاؤں کے مستحق ہیں اسی طرح نیشنل جماعت جرمنی کے شعبہ سمعی بصری اور MTA german studio کی ٹیم تمام پروگرام کی ریکاڈنگ کے لئے موجود رہی جس کیلیئے ہم ان کے مشکور ہیں نماز عشاء کی ادائیگی کے بعد یہ پروگرام ختم ہوا۔الحمدللہ



تبصرہ ا

رونمائی کتاب ''سپوتِ ایشیا ''

تبصرہ برکتاب مکرم پروفیسر ڈاکٹر عبدالکریم خالدؔ صاحب لاہور

رانا عبدالرزاق خاں ایک ایسی علم دوست اور ادب نواز شخصیت کا نام ہے جس کے ساتھ میرے لڑکپن اور جوانی کا بیشتر حصہّ جڑا ہوا ہے۔ میں نے سکول اور کالج کی تعلیم کے دوران انہیں بہت قریب سے دیکھا اور انہیں ایک باصلاحیت، مستعد اور حسنِ خلق کا پیکر مشاہدہ کیا۔ایک جوان رعنا کی صورت ان کی شکل خوبصورت اور طرز ادا دلفریب تھی۔جن لوگوں نے انہیں اس زمانے میں دیکھ رکھا ہے وہ میری اس بات پر صاد کریں گے۔تب یہ معلوم نہ تھا کہ وہ اصلاًاور نسلاًراجپوت ہیں۔ لیکن دھیرے جب انہوں نے عملی میدان میں قدم رکھنا شروع کیا تو راجپوت ذات کے اثرات بھی اپنا رنگ دکھانے لگے۔ زندگی کے شدائد کا مقابلہ بڑی ہمت اور جواں مردی سے کیا۔ پاکستان اور

بحرین میں رہ کر بہت سے کام کیے۔نوے کی دہائی میں ان کی قلمی کاوشوں کا آغاز ہوا اور مختلف اخبارات و رسائل میں شخصی تعارفیوں پر مشتمل مضامین لکھنے لگے۔2005 میں وہ لندن میں وارد ہوئے اور پھر گویا دبستان کھل گیا۔لندن میں آمد کے کچھ ہی عرصہ بعد وہ ادبی سطح پر متحرک ہوئے اور شعری ذوق کی تسکین کے لئے ''بزمِ شعروسخن'' کی تشکیل عمل میں لائے۔اس بزم کے تحت انہوں نے مشاعروں کی بنیاد رکھی اور اس عظیم الشان روایت کو زندہ کیا جو برِصغیر پاک وہند کی علمی اور ادبی فضا کا اہم حصہ تھی۔اس سلسلے کا پہلا مشاعرہ 2009 میں منعقد ہوا جس میں ممتاز شعرائے شرکت کی۔اس ابتدائی مشاعرے کو 13 برس بیت گئے ہیں۔ان تیرہ برسوں میں انہوں نے سوشل میڈیا کا حربہ استعمال کر کے زوم کے ذریعے عالمی مشاعروں کا آغاز کیا جس میں گلوبل وِلج سے بڑھ کر گلوبل سیٹ کی اصطلاح کو سچ ثابت کیا۔ان مشاعروں میں دنیا بھر سے نام ور سخنور شرکت کرتے اور شاعری کے نت نئے ذائقوں سے آشنائی بخشتے ہیں۔خاکسار کو بھی کئی مرتبہ ان مشاعروں میں شرکت کا موقع مل چکا ہے۔اور رانا عبدالرزاق خاں صاحب کی شاعری سننے کے ساتھ ساتھ ان کی نظامت اور حسنِ انتظام کی داد دینے کا سامان بہم ہوا ہے۔اردو زبان وادب کی ایسی شاندار خدمت بہت کم لوگوں کے حصے میں آئی ہے جو دیارِ غیر میں رہ کر بھی محدود وسائل کے باوجود یہ کام کئے جاتے ہیں۔قدرت نے ان کی طبیعت میں یہ وصف ودیعت کر رکھا ہے کہ وہ جس کام کا ارادہ کریں وہ کر کے رہتے ہیں۔اسی پر بات ختم نہیں ہوجاتی بلکہ مسلسل محنت اور عزم وعمل سے اس کام میں مداومت اختیار کرتے ہیں۔مثال کے طور پر انہوں نے 2013 میں ایک اہم علمی اور ادبی کام کا بیڑا اٹھایا اور ''قندیلِ ادب انٹرنیشنل'' کے نام سے آن لائن میگزین نکالنا شروع کیا۔ان کے ساتھ اور بھی کئی لوگوں نے بیرونِ ملک سے اسی نوع کے کام شروع کیے لیکن آج ان کی کوئی خبر نہیں جبکہ رانا صاحب اس میدان میں ڈٹے ہوئے ہیں اور ہر ماہ باقاعدگی سے ''قندیلِ ادب'' کا خوبصورت شمارہ لئے موجود ہوتے ہیں۔جو دیدہ زیب لے آؤٹ کیساتھ نوبہ نو موضوعات پر شاندار مضامین نظم ونثر اپنے دامن میں لئے ہوئے قارئین کے ذوقِ نظر کی تسکین کا سامان بہم پہنچاتا ہے۔یہ میگزین دنیا بھر کے لاکھوں قارئین تک ای میل اور ویب سائیٹ کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے۔اور اردو زبان کی ترویج واشاعت میں نمایاں کردار ادا کرتا ہے۔اس کے علاوہ ان کی مضمون نویسی کا وہ سلسلہ بھی ہنوز قائم ہے جو پاکستانی اخبارات سے شروع ہوا تھا۔آج وسعت اختیار کر کے امریکہ، آسٹریلیا اور بھارت کے اخبارات تک محیط ہو چکا ہے۔مزید یہ کہ قندیل ادب کے عالمی مشاعروں نے دنیا بھر میں دُھوم مچا رکھی ہے۔ان سب پر اضافہ ان کا وہ واٹس ایپ چینل ہے جس پر رونق افروز ہو کر وہ عالمی خصوصا پاکستانی سیاست اور یہاں کے حالات کو زیر بحث لاتے اور اپنے سننے والوں کو مفید معلومات سے نوازتے ہیں۔



حیرت کی بات رانا عبدالرزاق صاحب یہ سارے کام تن تنہا انجام دیتے ھیں اور لندن کی طلسماتی تفریحات میں دل لگانے کی بجائے قلم سے راز ونیاز کرتے ہیں۔رانا صاحب کی تصنیف وتالیف کا سلسلہ الگ ہے جس میں وہ اپنی کئی قیمتی کتب شائع کر چکے ہیں۔ان کتابوں پر اہل علم اور ادب پرور شخصیات نے نہایت شاندار تبصرے کئے ہیں اور رانا صاحب کی مرتبہ بصیرت افروز تصنیفات پر کھلے دل سے داد دی ہے۔ان کتابوں کا تحسین آمیز پہلو یہ ہے کہ علم وادب کے بنیادی مراکز سے دُور بیٹھ کر لکھی گئی ہیں جہاں ضروری مواد کی فراہمی اور ماخذات تک رسائی ایک اہم مسئلہ ہے لیکن رانا صاحب کی جُستجو اور تلاش نے نہ صرف اس مسئلے کو حل کر دیا اور مجھ ایسے کئی لکھنے والوں کو آئینہ بھی دکھا دیا جو بڑے بڑے منصوبے باندھ کر اس گٹھڑی کو بغل میں دابے پھرتے ہیں۔اور قیل وقال تک محدود رہتے ہیں۔

اس وقت میں رانا عبدالرزاق خان کی نادر ونایاب کتاب ''سپوتِ ایشیا'' پر نظریں جمائے بیٹھا ہوں جو دیکھنے میں اپنی چھ سو صفحات کی ضخامت سے متوجہ کرتی ہے اور اس کے بعد دنیائے اسلام اور عالمی سیاست کے ایک روشن اور تابندہ کردار چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کی انتہائی فعال اور متحرک زندگی کے دروبست نگاہوں میں لاتی ہے۔چوہدری صاحب کا شمار ان شخصیات میں ہوتا ہے جو صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں لیکن جب وہ اس دنیا میں آتی ہیں تو ساری دنیا کو اپنی جانب متوجہ کرتی ہیں اور اپنی جدوجہد، محنت اور سعی پیہم سے وہ

مقام حاصل کر لیتی ہیں کہ دلوں پر ان کا نام نقش ہو جاتا ہے۔ ان کی راہوں پر پھول ہی نہیں برستے، لوگ دیدہ دل فرشِ راہ کرتے ہیں اور ایک خلقت آنکھیں بچھاتی ہے۔ ان کا حسنِ عمل ان کی شخصیت پر نگران ٹھہرتا ہے اور ان کا ہر اٹھتا ہوا قدم زمین نہیں، آسمان پر پڑتا ہے۔ چوہدری سر محمد ظفراللہ خان اس نادر و نایاب ہستی کا نام ہے، جس جیسا پوری صدی میں دوسرا پیدا نہیں ہوا۔ بقولِ غالبؔ

؎ ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

چوہدری سر محمد ظفراللہ خان ''سپوت ایشیا'' ہی نہیں بلکہ سپوتِ عالم کہلانے کے حق دار ہیں کہ انہوں نے محض ایشیائی اقوام کے حق میں ہی نہیں آواز بلند کی، بلکہ دنیا بھر میں جہاں جہاں ظلم، ناانصافی اور انسانوں پر جبر و تعدّی کے آثار پیدا ہوئے وہاں سر محمد ظفراللہ خان مجبور و مقہور لوگوں کی آواز بن کر سلامتی کونسل کے ایوانوں میں آوازِ حق بلند کرتے نظر آئے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کا کوئی صاحبِ بصیرت سیاست دان، مدبر، دانش ور اور انصاف پسند شخص ایسا نہیں ہے جس نے چوہدری صاحب مرحوم کے حق میں کلمہ تحسین ادا نہ کیا ہو اور آپ کی تعریف و توصیف میں رطب اللسانہ ہوا ہو۔ اہلِ عالم کے یہ کلماتِ تحسین اور اہلِ دانش و بینش کی آراء دنیا بھر کے اخبارات و رسائل میں بکھری پڑی تھی۔ جنہیں رانا عبدالرزاق خان صاحب نے سلیقے سے ترتیب دے کر ایک خوبصورت کتاب کی صورت پیدا کی۔ اس پر رانا صاحب کی قلمی کاوش کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ ان کی محنت اور کدو کاوش کتاب کے ہر صفحے سے جھلکتی ہے۔ چوہدری صاحب کی ذات والا صفات اور شخصیت کے محاسن پر اظہارِ خیال کرنے والوں میں ہر طبقے اور شعبہ ہائے زندگی کے لوگ شامل ہیں۔ ان لوگوں نے محض تکلفاً اپنی رائے نہیں دی بلکہ ان تمام آراء کا ایک ایک لفظ دِل کی گہرائیوں سے نکلا ہے۔ اور حق و صداقت پر مبنی ہے۔ بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ جتنی بڑی شخصیت سامنے ہے اس کے مقابلے میں الفاظ کا دامن تنگ نظر آتا ہے۔ آپ کے فضائل اور خصائل دیکھ کر خامہ انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔ دنیاوی اعتبار سے اعلیٰ اور بلند ترین منصب پر فائز ہو کر آپ عاجزی اور انکساری کا مرقع نظر آتے ہیں اور دنیاوی حیلوں اور ہتھکنڈوں سے بے خوف ہو کر اپنے خالق و مالک کے ساتھ ایک ابدی سلک میں منسلک دکھائی دیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آوازہ خلق کو نقارہ خدا سمجھو تو اس حوالے سے یہ کتاب دنیا بھر سے چوہدری سر محمد ظفراللہ خان کے حق میں اٹھنے والی آوازوں کا مجموعہ ہے۔ یہ وہ گواہی ہے جو بلا تمیز مذہب و نسل اہلِ عالم نے آپ کے حق میں ثبت کی۔ یہ وہ نقارہ خدا ہے جو ڈنکے کی چوٹ پر آج بھی بج رہا ہے اور رہتی دنیا تک بجتا رہے گا۔ رانا عبدالرزاق خان کا یہ ذوق، تصنیف و تالیف ''سپوتِ ایشیا'' کے علاوہ ان کی دیگر کتابوں میں بھی موجود ہے۔ اللہ ان کے ذوق کو جلا بخشے اور مستقبل میں انہیں ایسے قیمتی گوہر اُچھالنے کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ میں ان کی صحت و سلامتی کی دعا کرتا ہوں۔ اللہ اس کارِ ہنر منداں کو سلامت رکھے آمین

۔خاکسار عبدالکریم خالد 28 مئی 202

تبصرہ ۲



تقریب رونمائی کتاب ''سپوت ایشیا'' خطاب مکرم حیدر علی ظفرؔ صاحب، نائب امیر جرمنی 30 مئی 2022

صاحب صدر! میرے لئے یہ اعزاز کی بات ہے کہ کتاب ''سپوت ایشیا'' کی تقریب رونمائی میں شامل ہو رہا ہوں۔ ''سپوت ایشیا'' مکرم چوہدری سر محمد ظفراللہ خان صاحب عالمی شہرت کے حامل سیاستدان، قانون دان اور ایک بہت بڑی روحانی اور علمی شخصیت تھے۔ اس کتاب میں مکرم چوہدری صاحب کے بہت سے خطابات اور اعزازات کا ذکر کیا گیا مگر آپکا اصل اور حقیقی اعزاز یہ ہے کہ حضرت چوہدری صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا:

أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ بِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُم اهْتَدَيْتُمْ

(صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، مسند احمد، ج 4، ص 398.)

میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں۔ ان میں سے جس کی بھی تم اقتداء کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے صحابہؓ کے بارے میں فرمایا ہے: ''صحابہ سے ملا جب مجھ کو پایا'' حضرت چوہدری صاحبؓ کا تعارف تو پوری دنیا میں ہے مگر

جماعت میں ان کا ایک خاص مقام ہے اور صحابی ہونے کی وجہ سے خلفائے حضرت مسیح موعودؑ بھی آپ کو خاص عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ جلسہ سالانہ کے موقع پر بھی آپ کی تقریر ہوتی تھی۔ جماعتی لٹریچر میں آپ کی خدمات اور کارناموں کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ آپ کے مضامین اور تقاریر بھی شائع ہوتی رہیں۔ آپ کی کتاب ''تحدیث نعمت'' ایک غیر معمولی کتاب ہے بظاہر ایک آپ بیتی ہے مگر اسکا رنگ ہی اور ہے جو کچھ بھی ملا اس کو خدا کی عین عطا جانا، نہ اپنے کارناموں پر فخر نہ کسی کی کردار کشی۔ واقعات کا تسلسل سے بیان اس انداز سے کہ چوہدری صاحب رضی اللہ عنہ اس کو صرف اور صرف خدا کا فضل اور اسکی عطاء سمجھتے تھے۔ یہ کتاب جب بھی پڑھی ایمان میں تازگی کی ایک نئی لہر محسوس کی۔ میری حضرت چوہدری صاحب رضی اللہ عنہ سے پہلی ملاقات اس وقت ہوئی جب میں جامعہ احمدیہ ربوہ کا طالب علم تھا۔ آپ جامعہ احمدیہ میں تشریف لائے۔ آج تک مجھے آپ کا لباس یاد ہے۔ آپ سفید شلوار قمیض اور سر پر ترکی ٹوپی زیبِ تن کئے ہوئے تھے۔ بعد میں آپ کو شیروانی پہنے ہوئے اور ہاتھ میں چھڑی لئے ہوئے بھی دیکھا۔ خاکسار لاہور میں تین بار بطور مربی سلسلہ متعین رہا تو ملاقات کے مزید مواقع میسر آئے۔ جب بھی آپ لاہور تشریف لاتے جماعت آپ کے اعزاز میں کوئی نہ کوئی تقریب منعقد کرتی۔ مجھے بھی بعض تقاریب میں شامل ہونے کا موقع ملا۔ ایک تقریب میں مجھے تلاوت قرآن کریم کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ مجھے بتایا گیا کہ تلاوت میں معمولی سی غلطی بھی حضرت چوہدری صاحبؓ گوارا نہیں کرتے لہذا ہم کسی مربی صاحب سے ہی تلاوت کرواتے ہیں۔ آپ کی آخری بیماری اور وفات کے وقت خاکسار لاہور دارالذکر میں مربی سلسلہ تھا۔ اس طرح لاہور میں آپ کی نماز جنازہ ادا کرنے اور پھر ربوہ میں جنازہ و تدفین پر بھی حاضر ہونے کا موقع ملا۔ ہم نے دیکھا کہ حضرت چوہدری صاحبؓ پہلے احمدی ہیں جو ظاہری لحاظ سے خاندان مسیح موعود میں نہ ہونے کے باوجود بہشتی مقبرہ کے احاطہ خاص/قطعہ خاص میں مدفون ہوئے۔

1977 میں انگلستان کے جلسہ پر آپ کی تقریر کو قریب سے سننے کا موقع ملا اسی موقع پر خاکسار کو ایک تصویر بنوانے کی سعادت بھی ملی۔ یہ واحد تصویر میری خودنوشت سوانح کی زینت ہے۔ حضرت چوہدری صاحبؓ کے علاوہ 19 صحابہؓ کو دیکھنے اور ملنے کا مجھے موقع ملا مگر کسی اور صحابی کے ساتھ تصویر میرے ریکارڈ میں نہیں ہے۔ مکرم چوہدری صاحبؓ آسمان احمدیت کا ایک ایسا روشن ستارہ تھے جن کے علم وفراست کی روشنی سے ایک عالم روشن ہوا اور قوموں نے زندگی پائی۔ کئی ایوانوں میں آپ کی صدا گونجی جسکی بازگشت آج بھی سنائی دیتی ہے

اب حال ہی میں ''سپوت ایشیا'' کے نام سے ایک کتاب زیورطبع سے آراستہ ہوکر سامنے آئی ہے جس میں جگہ جگہ ''تحدیث نعمت'' سے حوالے بھی دیئے گئے ہیں جو کہ ماضی میں کئے گئے مطالعہ کو refresh کر دیتے ہیں جس سے اس عظیم الشان شخصیت کی یادیں بھی تازہ ہوجاتی ہیں۔ قارئین کو اس میں



غزل

آدم چغتائی

گردش، دوراں رواں دواں ہے جسکا کوئی انجام نہیں
اہل وفا پہ کچھ بھی گزرے اس سے تمہیں کچھ کام نہیں
میرے لبوں پہ حرف شکایت یہ تو اک مجبوری تھی
دل والوں کو اس دنیا میں چین نہیں، آرام نہیں
صبر کیا ہے برسوں ہم نے اُن کے ایک اشارے پر
ورنہ یوں چُپ سا رہنا اہلِ جنوں کا کام نہیں
یوں بھی اس فانی دنیا کی ہر شہ آنی جانی ہے
موت تو خود اک زیست ہے یارو، زیست کا یہ انجام نہیں
عرصہ فرقت میں بھی ہم کو تیری رفاقت یاد رہی
دل میں جو بس جائے اُس آنکھوں کے کچھ کام نہیں
نُفس کی دوئی ہرگز وحدت والوں کا دستور نہیں
ایک خدا اور ایک پیمبر اس میں کوئی ابہام نہیں
مست شرابِ عشق ہے آدمؔ کیسے اُجڑے عالم میں
موسم کا پیمانہ ویراں، دستِ صبا میں جام نہیں

حضرت چوہدری صاحبؓ کے بارے میں بعض نئی باتیں بھی پڑھنے کو ملیں گی۔مکرم رانا عبدالرزاق خاں صاحب نے آپکی ذات کے بارے میں لکھے گئے تقریباً تمام مضامین کو یکجا کر کے ایک دیدہ زیب گلدستے کی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے انکی یہ کوشش لائق صد تحسین ہے آپ جانتے ہیں کہ مکرم رانا عبدالرزاق خاں صاحب ایک اینکر،شاعر،ادیب،مبصر اور کالم نگار ہیں

یہ کتاب مکرم چوہدری صاحبؓ کے بارہ میں ایک ضخیم دستاویز کی حیثیت رکھتی ہیں۔قارئین کی دلچسپی کے لئے مضمون نگاروں کی تصاویر بھی دی گئی ہیں۔ جس سے کئی وفات یافتہ دوست واحباب کے چہرے بھی آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں۔جب مجھے یہ کتاب ملی تو دس پندرہ دنوں میں ہی میں نے پوری کتاب پڑھ لی۔

''تحدیث نعمت'' تو مکرم چوہدری صاحبؓ کی خودنوشت سوانح تھی۔اس کتاب میں احباب کی نظر میں انکے مقام، مرتبہ اور شخصیت کے مختلف پہلوؤں،خوبیوں اور سیرت کو بیان کیا گیا ہے۔چند بظاہر چھوٹی چھوٹی باتوں و نصائح کو بیان کرتا ہوں جو کہ اعلیٰ اخلاقیات کا درس دیتی ہیں۔مگر اس سے قبل یہ دلچسپ واقعہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ 1953 میں اینٹی احمدیہ فسادات کی تحقیقات کے دنوں میں ایک غیر احمدی وکیل صاحب اپنے ساتھیوں سے بہت کہا کرتے تھے کہ ظفر اللہ خاں کو بیان دینے کے لئے آنے دو میں ایک ہی سوال میں ظفر اللہ خان کو ایسا پھانسوں گا کہ وہ نکل نہ سکے گا۔ جب حضرت چوہدری صاحبؓ تشریف لائے تو وکیل صاحب نے کہا۔ چوہدری صاحب ایک سیدھا سا سوال آپ سے کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں؟ چوہدری صاحب نے فوراً جواب دیا کہ جو آپ مجھے سمجھتے ہیں۔ یہ ایسا جواب تھا کہ وکیل صاحب اس کے بعد کوئی سوال نہ کر سکے۔

حضرت چوہدری صاحبؓ باوجود بیماری کے نماز باجماعت کی پابندی کرتے۔اسلئے کسی نہ کسی خادم کو اپنے پاس رکھتے جو وقت پر آپ کو نماز پڑھا دے۔مکرم چوہدری صاحبؓ بہت قناعت پسند اور سادہ طبیعت رکھتے تھے آپؓ کی عادت تھی کہ جب اپنے سونے والے کمرے سے ساتھ ہی غسل خانہ میں جاتے تو غسل خانہ کی بتی جلا کر اپنے کمرے کی بتی بجھا دیتے اور غسل خانہ سے جب نکلتے تو سونے والے کمرے کی بتی جلا کر غسل خانہ کی بتی بجھا دیتے۔

آپؓ کی خدمت پر مامور خدام نے لکھا ہے کہ چوہدری صاحب ہمیں قمیض کے بٹن بند کرنے جیسی چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف توجہ دلایا کرتے تھے۔ایک خادم نے لکھا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ شرف مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا تو چوہدری صاحبؓ بجائے ہاتھ ملانے کے اپنے دونوں ہاتھ میرے گریبان تک لے گئے اور بٹن بند کرنے لگے اور فرمایا کہ پہلے یہ بٹن بند کر لو اس کے بعد مصافحہ کرو کیونکہ اس طرح بٹن کھلے رکھنا شریف آدمی کا کام نہیں۔ایک اور موقع پر ایک نوجوان جس کی قمیض کے بٹن کھلے ہوئے تھے اُسے فرمایا قمیض کے بٹن بند کر لو۔علاوہ اس کے کہ بٹن کھلے رکھنا مناسب نہیں،بٹن ہوتے ہی اس لئے ہیں کہ بند رکھے جائیں۔آپ نہایت کفایت شعار واقع ہوئے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس طرح رقم کو بچا کر تو میں پاکستان میں کئی طالب علموں کی پڑھائی کا خرچ پورا کرتا ہوں اور اس بچت سے کئی مستحقین کی ضروریات بھی پوری ہو جاتی ہیں۔



آپ وقت کی پابندی کا بہت خیال رکھا کرتے تھے۔کسی کے ہاں مقررہ وقت سے پہلے بھی نہ جاتے اور نہ تاخیر سے۔میں نے دیکھا ہے کہ آپ عین وقت مقررہ پر اپنی تقریر بھی ختم کر دیتے تھے۔اس کتاب میں آپ کی بیشمار خوبیوں کا ذکر ہے۔وقت اجازت نہیں دیتا کہ میں اس مختصر وقت میں اُن کو احاطۂ تحریر میں لاسکوں تاہم یہ ایمان افروز واقعہ بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہندستان میں ایک دریدہ دہن شخص راجپال نے ایک نہایت شرمناک کتابچہ ''رنگیلا رسول'' کے نام سے شائع کیا اور اس طرح وہ نبی پاک ﷺ کی توہین کا مرتکب ہوا۔ مصنف کے خلاف جب عدالت میں مقدمہ چلا تو مسٹر جسٹس دلیپ سنگھ نے قرار دیا کہ رسول اللہ کی توہین قانون کی زد میں نہیں آتی اور ملزم کو بری کر دیا۔

اس فیصلہ سے مسلمانوں کے جذبات بہت مجروح ہوئے۔لاہور سے شائع ہونے والے ایک اخبار نے ایک اداریہ لکھا اور جج صاحب کے فیصلہ پر سخت تنقید کی۔اس پر اخبار کے خلاف توہین عدالت کا نوٹس جاری ہوا۔مسلمانوں کی طرف سے مکرم چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ نے اس کیس کی پیروی کی۔ کیس کی سماعت کے دوران چوہدری صاحب نے پہلے عدالت پر واضح کیا

کہ زیر بحث اداریہ" جائز تنقید" کی حد سے تجاوز نہیں کرتا اور بحث کے آخر میں کہا اگر اس سے متعلقہ جج کی توہین لازم آتی ہے تو رسول کریم ﷺ کی عزت کی حفاظت کی کوشش میں اگر ہائی کورٹ کے جج کی توہین ہوگئی ہے تو یہ امر نا گزیر تھا، جس کی پوری ذمہ داری مسئول علیہم تسلیم کرتے ہیں۔" جب بحث ختم ہوئی تو مسلمانوں کے ایک بڑے لیڈر مولانا ظفر علی خان صاحب سامعین کے حصہ سے کٹہرے کو ہٹا کر چوہدری صاحب کی طرف لپکے اوران کے ہاتھوں کو بوسہ دیکر بلند آواز سے کہا" آج تم نے ان لوگوں کا منہ کالا کر دیا جو کہتے ہیں مسلمانوں میں کوئی قابل وکیل نہیں ملتا" دعا ہے کہ خدا تعالیٰ ہمیں چوہدری صاحبؓ کی نیکیوں کو اپنانے کی توفیق دے اور کتاب کے مصنف کو جزائے خیر دے آمین



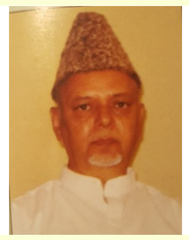
تبصرہ ۳

کتاب سپوتِ ایشیا پر تبصرہ۔عبدالغفور ڈوگر صدر تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی ۳۰ مئی ۲۰۲۲ء۔

آج میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے رانا عبدالرزاق خان کی تصنیف شدہ کتاب سپوتِ ایشیا پر تبصرہ کرنے کا موقع ملا ہے۔موصوف ایک منجھے ہوئے قلمکار، مبصر، کالم نگار، شاعر و ادیب ہیں۔عرصہ بارہ سال سے دیار مغرب کی ادبی دنیا کی خدمت میں مصروف ہیں۔مشاعروں کا انعقاد، ماہنامہ قندیل ادب انٹرنیشنل کا اجرا، قندیل حق سہ ماہی کا نکالنا اور ۶ سے زائد ضخیم کتب کی تصنیف بھی آپ ہی کا کارنامہ ہیں۔اس سے قبل آپ کی مقبول عام کتاب دانشکدۂ عظیم بھی آپ ہی کا شاہکار ہے۔سپوتِ ایشیا دراصل چوہدری سر ظفر اللہ خاں کے متعلق لکھی گئی یا بولی گئی آراء کا مجموعہ ہے۔جو محترم رانا عبدالرزاق خان نے بڑی محنت شاقہ کے ساتھ مختلف اخبارات و رسائل سے اکٹھے کئے ہیں۔جو آنے والی نسلوں کے لئے ایک نعمت عظمیٰ سے کم نہیں۔ایسی منفرد کتاب چوہدری سر ظفر اللہ خاں کی وفات کے بعد

میری نظر سے نہیں گزری۔اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کتاب کے پیش لفظ مکرم و محترم عطاء المجیب راشد امام مسجد فضل لندن نے اور ڈاکٹر سر افتخار احمد ایاز نے تحریر فرمائے ہیں۔تحدیث نعمت جو چوہدری سر ظفر اللہ خاں کی اپنی کتاب ہے اس سے کوئی نقل نہیں کی گئی۔جو عرصہ سو سال میں جماعتی یا غیر جماعت احباب نے چوہدری سر ظفر اللہ خاں کا ذکر کیا ہے۔انکو بھر پور درج کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔باقی چیدہ چیدہ اور اہم تاریخی واقعات کو بھی بہت ہی سلیقے سے جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔یہ کتاب ۶۱۰ صفحات پر مشتمل ہے۔چوہدری سر ظفر اللہ خاں کی کافی بیش قیمت تصاویر بھی دی گئی ہیں۔مسئلہ کشمیر اور مسئلہ فلسطین کے لئے چوہدری سر ظفر اللہ خاں نے جو شب و روز کاوشیں کیں۔اور غلام افریقی و دیگر ممالک کی آزادی کے لئے آپ کی تمام کوششوں کا بھی احوال پیش کیا گیا ہے۔چاہیئے تھا کہ اس اولوالعزم شخصیت کے لئے ہزاروں کتب لکھی جاتیں۔کیونکہ وہ شخصیت اس کی مستحق تھی۔مگر اس دنیا نے کب کسی کو یاد رکھا ہے۔میں اس عظیم کتاب کی تصنیف پر محترم رانا عبدالرزاق خان صاحب کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں اور مبارک باد دیتا ہوں نیز دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمت قبول کرے اور آپ کو صحت والی لمبی عمر سے نوازے۔آمین۔

تبصرہ ۴



سپوت ایشیا پر تبصرہ پروفیسر چوہدری حمید احمد صاحب سابق صدر و نگران تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی

برادرم محترم رانا عبدالرزاق خاں صاحب کی تصنیف سوت ایشیا، ان کی دیگر متعدد تصانیف کی طرح اپنی طرز تحریر میں نہایت پر کشش اور دلچسپ انداز میں مرتب کی گئی ہے۔محترم رانا عبدالرزاق خاں صاحب کو اللہ تعالیٰ نے دل و دماغ کی بے پناہ خوبیوں سے نوازا ہے اور وہ اپنی انتھک محنت کے ساتھ ان خدا داد اوصاف کا حق ادا کرتے ہوئے، انہیں انسانیت کی خدمت کے لئے بالعموم اور احباب جماعت کے لئے بالخصوص بروئے کار لاتے، کسی ذاتی مفاد سے بالا ہو کر، دن رات لگے رہتے ہیں۔میں تو یہ سوچ کر حیران ہوتا ہوں کہ وہ کس

طرح ایک وقت میں کئی محاذوں پر کام کرتے ہیں۔آئے دن مشاعروں کا اہتمام اوران میں کثیر تعداد میں غیراز جماعت شعرااور سامعین کی شمولیت، اس زمانہ میں جب افرادِ جماعت کے ساتھ تعلق رکھنا بھی اسلام سے غداری سمجھی جانے لگی ہے، مجھے حیرت زدہ کر دیتا ہے،اور میں ہمیشہ سوچتا ہوں یہ کیسا انوکھا طرزِ تبلیغ ہے۔دراصل تعارف ہی تو تبلیغ کا پہلا مرحلہ ہوا کرتا ہے۔ مجھے تو حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کا شعر کہ

کچھ شعرو شاعری سے اپنا نہیں تعلق
اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس فیصلہ یہی ہے

شاید یہی رانا صاحب کی کاوشوں کا مقصد ہے۔اس کے ساتھ ساتھ مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی بات یاد آتی ہے جب وہ تعلیم الاسلام کالج کے پرنسپل تھے اور بڑی محنت اور محبت سے باسکٹ بال کے قومی سطح پر ٹورنا منٹ کا اہتمام فرمایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے میرے مدنظر بنیادی مقصد اس کا جماعت کا تعارف، یا درحقیقت تبلیغ ہی ہے ہوتا ہے۔غیراز جماعت دوست جو اس بہانے ربوہ تشریف لاتے ہیں اور خود یہاں کا ماحول دیکھتے ہیں، وہ کیسے معاندین احمدیت کے جھوٹے پراپےگنڈہ پر یقین کریں گے کہ احمدی مسلمان نہیں۔محترم رانا صاحب بھی اس قسم کی تبلیغی خدمت سرانجام سے رہے ہیں۔مشاعروں کے ساتھ ساتھ وہ کئی ماہوار رسالے بھی چلا رہے ہیں۔وہ کالم نگار اور سیاسی تجزیہ نگار بھی ہیں۔

اب میں محترم رانا کی تصنیف سپوت ایشیا کا مختصر ذکر کرتا ہوں جس کی تقریب رُونمائی میں آج کی یہ تقریب منعقد کی جا رہی ہے۔حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان رضی اللہ تعالیٰ کے وجود سے ہم میں سے کون واقف نہیں اور ہم میں سے کون نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے چوہدری صاحب کو دنیا کے کتنے عظیم عہدوں پر فائز فرما کر دنیا کی بالعموم اور مسلمانوں کی بالخصوص خدمت کرنے کی توفیق دی۔ان دنیاوی عہدوں کے علاوہ خدمت دین میں بھی خلافت احمدیہ کے ماتحت ان کو جو مقام حاصل رہا وہ خلفاء کے علاوہ شاید ہی کسی اور کو نصیب ہوا ہو۔ایک وقت تو ایسا بھی آیا کہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ نے یورپ کے لئے آپ کو اپنا نمائندہ مقرر فرمایا۔سپوت ایشیا کے مصنف نے ان تمام خدمات کا ذکر، چوہدری صاحب کے زمانے کے سیاست دانوں، دانشوروں۔ادیبوں



اور اخبار نویسوں کے بے شمار تحریری حوالہ جات دے کر تفصیل کے ساتھ اس کتاب میں کیا ہے۔

چھ سو سے زائد صفحات پر مشتمل اس کتاب کو مصنف نے انڈیکس کے مطابق 89 مختلف موضوعات اور مضامین پر تقسیم کیا ہے۔ان میں اپنوں اور غیروں اور دوستوں اور دشمنوں کے تاثرات اور بیانات درج کئے ہیں مختلف مواقع کی تصاویر بھی شامل کی گئی ہیں۔کتاب کے آخری 33 صفحات پر حوالوں کے ساتھ ساتھ متعلقہ تصاویر بھی شامل اشاعت کی ہیں۔اگرچہ بعض تصاویر کوالٹی کے لحاظ سے زیادہ عمدہ نہیں ہیں۔تاہم آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان تمام تصاویر اور حوالوں کے چناؤ اور تلاش میں کس قدر وقت اور محنت درکار ہے۔مگر محترم رانا عبدالرزاق خاں صاحب تو ایک جن کی طرح کام کرتے ہیں۔اگر مجھے غلط نہ سمجھا جائے تو میں یہاں تک کہنے کی جسارت کروں گا کہ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی غلامی میں محترم رانا صاحب سلطان القلم ہیں۔مجھے خود حضرت چوہدری صاحب کی جلسہ سالانہ کی تقاریر کے علاوہ تعلیم الاسلام کالج میں ان کے خطابات سننے کے علاوہ ان کے ساتھ ذاتی گفتگو کی سعادت حاصل نہیں ہوسکی۔مگر اس وقت حاضرین میں تشریف فرما میرے پیارے دوست برادرم محترم چوہدری محمد شریف خالد صاحب کو یہ اعزاز حاصل ہے ان کو حضرت چوہدری صاحب کے ساتھ بے تکلفی سے گفتگو کے مواقع ملتے رہے۔وہ بتاتے ہیں اور شاید آج بھی موقع ملا تو بتائیں گے کہ چوہدری صاحب عام لوگوں کے ساتھ ان کی سطح پر آ کر پنجابی باتیں کرنا پسند فرماتے تھے اور جن میں لطیف مزاح کا پہلو بھی شامل ہوا کرتا ہے۔اس مختصر تعارف کے ساتھ میں اپنی بات ختم کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ محترم رانا عبدالرزاق خاں صاحب کی یہ قابل ستائیش کاوش قبول فرمائے۔اگرچہ رانا صاحب کسی مالی منافع کی خاطر یہ سب محنت نہیں کر رہے، مگر میری ذاتی رائے ہے کہ کتاب کے مصنف کو کی عرق ریزی کا معاوضہ تو نہیں دیا جا سکتا مگر کم از کم کتاب کے کاغذ، کتابت، روشنائی اور اشاعت کی قیمت تو پیش کرنی چاہیئے۔مجھے معلوم نہیں اس کتاب کی لاگت کیا تجویز کی گئی ہے مگر جو بھی ہے ناشکری ہوگی اگر ہم مصنف کی حوصلہ افزائی کے لئے صرف

مدح سرائی اور دعا تک محدود رہیں۔ اس لئے میری درخواست ہے کہ کتاب کا ہدیہ جو بھی تجویز کیا گیا ہے اس کا یہاں اعلان کر دیا جائے۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔



تبصرہ ۵

تبصرہ بر کتاب سپوتِ ایشیا از مکرم چوہدری محمد کولمبس خان ہمبرگ جرمنی

برادرم مکرم رانا عبدالرزاق خاں صاحب نے مغرب میں مقیم ہوتے ہوئے یہ کتاب مرتب کی اور شائع بھی کی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس کا اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ ہمارے لئے 6 فروری 1893 میں سیالکوٹ میں پیدا ہونے والے حضرت چوہدری ظفر اللہ خاںؓ اپنے گھر کے فرد ہیں جن کی ہمیں خوبیاں ہی دکھائی دینا ایک طبعی امر ہے۔ لیکن دنیا بھر کے مشاہیر کی زبانوں سے آپ کی سیرت کا تذکرہ بہر طور غیر جانبدارانہ ہی شمار کیا جا سکتا ہے۔ محترم چوہدری صاحب چار سال چار ماہ اور چار دن کے تھے جب انہیں سکول داخل کروا دیا گیا۔ آپ نے میٹرک اور پھر بی اے بھی فرسٹ ڈویژن میں کیا۔ ایل ایل بی کے امتحان میں انگلستان میں لندن یونیورسٹی میں بھی اوّل ٹھہرے۔ لیکن اب سب کامیابیوں کے باوجود جس بات کو آپؓ سب سے زیادہ بڑا شرف سمجھتے تھے وہ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دستِ مبارک پر بیعت کر لینے کی سعادت تھی۔ تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب ''تحدیث نعمت'' آپ نے تحریر فرمائی تو اس کی طباعت سے پہلے اس کی دستی لکھائی کی ایک کاپی کاتب کے ہاتھ میں دینے کے لئے تیار کی گئی کیونکہ اس وقت فوٹو کاپی پاکستان میں نہیں ہوا کرتی تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ جو اس وقت وقف جدید کے ناظم تھے ان کے ارشاد پر یہ دستی کاپی تیار کرنے کی سعادت خاکسار کو نصیب ہوئی۔۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ تحدیث نعمت کی طباعت کے لئے محترم حضرت چوہدری صاحب کی ہدایت تھی کہ جلد ایک ہی رہے اس لئے بعض واقعات کو شامل اشاعت نہ کیا گیا۔ کچھ باتوں کا تذکرہ بعد میں محترم پروفیسر پرویز پروازی صاحب نے اپنے مضامین میں بھی کر دیا ہے۔

کتاب ''سپوتِ ایشیا'' اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس کا اسباق کے طور پر مطالعہ کیا جا سکتا ہے اور جہاں سے جی چاہے پڑھنا شروع کر دیں لذت برقرار رہتی ہے۔ اور بار بار بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ یہ چوہدری صاحبؓ کے بارہ میں ایک حد تک ریفرنس بک کا بھی کام دیتی ہے۔ محترم چوہدری صاحبؓ کی کم و بیش ستر سالہ عملی زندگی میں آپ کی صداقت و امانت پر کبھی اُنگلی نہیں اُٹھائی گئی۔ بدقسمتی سے ایک طبقہ پاکستان میں رہا ہے جو بے بنیاد عمومی الزامات لگاتا رہتا ہے جنکی تردید کے لئے آپؓ کی عملی زندگی ہی بہت بڑا ثبوت ہے۔ محترم رانا عبدالرزاق صاحب کے اس کام اور اس کے ساتھ ان کے نام کو رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔



محترم چوہدری صاحب ایک مقدمے کی کاروائی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''1917 میں امرتسر میں ایک شخص بنام سراج دین کے سلسلہ احمدیہ میں بیعت ہونے پر، اسکی بیوی کی طرف سے دعویٰ دائر کیا گیا کہ میرا خاوند سلسلہ احمدیہ میں بیعت ہونے کی وجہ سے مرتد ہو گیا ہے اس لئے قرار دیا جائے کہ میرا نکاح فسخ ہو گیا ہے۔ مدعیہ کی طرف سے مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب ایڈیٹر اہل حدیث مختار خاص پیروی کرتے تھے اور ڈاکٹر سیف الدین کچلو صاحب بیرسٹر ایٹ لاء وکیل تھے۔ مقدمے کی سماعت مسٹر سیمور سب جج درجہ اوّل امرتسر نے کی۔ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ارشاد پر مدعا علیہ کی طرف سے پیروی کے لئے امرتسر جایا کرتا تھا۔ مدعیہ کے گواہان کے زُمرے میں مولانا عبد الاحد غزنوی صاحب (والد ماجد مولانا اسمٰعیل غزنوی صاحب) بھی اپنے تحریری فتویٰ کی تصدیق کے لئے پیش ہوئے۔ ان کا فتویٰ تھا: مرزائے قادیان کفراست و ہمہ مریداو کافرانند۔ ہر کہ در کفر ایشان شک آرد او ہم کافر است'' اس پر چوہدری صاحب نے ان پر جرح کی:

ظفر اللہ خاں: جناب مولانا اگر کوئی شخص ایسے شخص کو کافر نہ شمار کرے جو جناب مرزا صاحب کے مریدان کے کفر میں شک کرتا ہو تو اس کے حق میں کیا ارشاد ہے؟ مولانا عبدالاحد غزنوی وہ بھی ویسا ہی کافر ہے۔



ظفر اللہ خاں: اور جو اس کے کفر میں شک کرے اس کے متعلق ارشاد ہے؟

جناب مولانا صاحب: وہ بھی ویسا ہی کافر ہے

اس پر سب جج صاحب نے فرمایا ''چلو اب سب کافر ہو چکے قصہ تمام ہوا''

اس کیس کی مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے محترم چوہدری صاحب فرماتے ہیں:

ہماری طرف سے سلسلہ احمدیہ کے کچھ علماء پیش ہوئے جنہوں نے شہادت دی کہ جماعت احمدیہ کے عقائد عین اسلام ہیں اور جرح میں جو اعتراضات پیش کئے گئے ان کے مناسب جواب دیئے۔ اور کچھ غیر از جماعت معززین پیش ہوئے جنہوں نے جماعت احمدیہ کے افراد کے متعلق شہادت دی کہ ان کا عمل عین ارکانِ اسلام کے مطابق ہے اور ہم انہیں مسلمان سمجھتے ہیں۔ ان میں مرزا بدرالدین صاحب بیرسٹر ایٹ لاء اور سردار محمد اکبر خاں صاحب بیرسٹر ایٹ لاء بھی شامل تھے۔ جب ان گواہوں کی شہادت ہو چکی جنہیں ہماری طرف سے بذریعہ عدالت طلب کیا گیا تھا تو جج صاحب نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ شہادت ختم ہے؟۔ میں نے کہا۔'' جناب ایک گواہ باقی ہے''۔ پوچھا۔''وہ کون ہے''۔ میں نے کہا۔''جناب مدعیہ کے مختار مولانا ثناء اللہ صاحب''۔ اس پر مولانا ثناء اللہ صاحب نے فرمایا: ''مجھے تو طلب نہیں کیا گیا''میں نے کہا۔''آپ عدالت میں موجود ہیں طلبی کی ضرورت نہیں''۔ مولانا نے فرمایا:۔''لیکن مجھے خرچ خوراک ملنا چاہیئے''میں نے کہا:

''عدالت میں موجود ہونے کی صورت میں آپ خرچ خوراک کا مطالبہ کرنے کے مجاز تو نہیں لیکن مجھے آپ کے ساتھ بحث مقصود نہیں لیجیئے تین روپے حاضر ہیں قبول فرمائیے اور اقرار صالح کیجیئے''۔

جناب مولانا صاحب شہادت دینے کھڑے ہوئے تو میں نے ان کے اخبار اہلحدیث کا ایک پرچہ جیب سے نکالا اور اس میں مندرجہ ایک نوٹ کی طرف مولانا کو توجہ دلائی اور دریافت کیا:

''کیا یہ آپ کا لکھا ہوا ہے؟ فرمایا:۔''میرا لکھا ہوا ہے''۔ میں نے پوچھا:۔''درست ہے؟''فرمایا:''درست ہے''۔ میں نے وہ پرچہ بطور شہادت پیش کر دیا۔ اس نوٹ کا مضمون یہ تھا۔ ایک صاحب نے ہم سے سوال کیا ہے کہ آپ نے انجمن احمدیہ اشاعت اسلام سے مل کر اشاعت اسلام کا ادارہ قائم کیا ہیا گر اس ادارے کی تبلیغی سرگرمیوں کے نتیجے میں کوئی غیر مسلم مرزائی ہو جائے تو کیا آپ کے نزدیک وہ مسلمان ہوگا؟ ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمان ہونا دو لحاظ سے ہے۔ ایک اخروی نجات کے لحاظ سیا س کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے اور فیصلہ اس کے ہاتھ میں ہی ہم اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے۔ دوسرے عرف عام کے لحاظ سے، اس لحاظ سے ہم ہر کلمہ گو کو مسلمان سمجھتے ہیں، مرزائی بھی کلمہ گو ہیں اسلئے کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوتا۔'' محترم چوہدری صاحب لکھتے ہیں:



اس دن کا اجلاس متواتر کئی گھنٹے جاری رہا تھا۔ جج صاحب اور وکلاء سب تھکے ہوئے تھے۔ عدالت کے کمرے سے سب اکٹھے باہر آ گئے۔ تین روپے ابھی مولانا کے ہاتھ میں ہی تھے۔ انہوں نے انہیں چھنکایا اور مسکرا کر مجھے فرمایا:

''مرزا صاحب سے ہمیں کچھ نہ کچھ حاصل ہوتا ہی رہتا ہے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔''(مرسلہ کولمبس خان صاحب)

❁❁❁❁

صبح کی نماز

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ فرماتے ہیں۔''صبح کی نماز کو چھوڑنا اس مرکزی نیکی کو چھوڑنا ہے جس پر باقی نیکیاں قائم ہیں۔ اگر یہ ہاتھ سے جاتی رہے تو باقی سب نمازیں ہاتھ سے جاتی رہیں۔''(خطبہ جمعہ 10/اکتوبر 1997ء)

صبح کے وقت کی گہری نیند سے بیدار ہو کر رب کے حضور کھڑے ہو جانا گویا تمام دن کی عبادات کے لیے تیاری کا اہتمام کرنا ہے اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے دن کے آغاز میں دعا سے تمام دن کی عبادات کے لیے توفیق مانگنا افضل قرار دیا گیا ہے۔

❁❁❁❁

محترم وزیر اعظم! کیا میری لاش کو پاکستان میں رہنے کی اجازت ہوگی؟

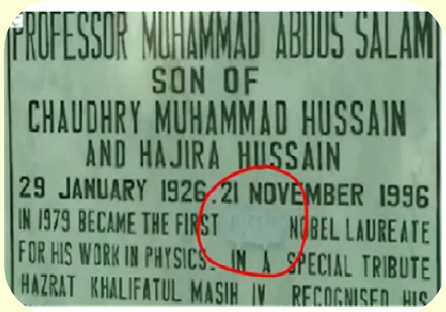
الم نگار

محترم وزیر اعظم میاں محمد شہباز شریف صاحب

اُمید ہے کہ آپ بخیر وعافیت ہوں گے۔ میں اس خط کو السلام علیکم سے شروع کر کے نیک تمناؤں کا اظہار کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس نازک دور میں ہمارے پیارے پاکستان کے وزیر اعظم کو ہم سب کی نیک تمناؤں کی ضرورت ہے لیکن ایک انجانے خوف نے میرے ہاتھوں کو اپنی گرفت میں لے لیا کیونکہ یہ عاجز پاکستان کا شہری ہونے کے علاوہ عقیدہ کے اعتبار سے ایک احمدی بھی ہے۔ اور آپ جانتے ہیں ہوں گے کہ پاکستان میں بہت سے احمدیوں پر صرف اس پاداش میں مقدمہ درج کیا گیا ہے کہ انہوں نے السلام علیکم کہہ کر یا لکھ کر اپنی نیک تمناؤں کا اظہار کیا تھا۔ بہرحال یہ خط لکھنے کا مقصد احمدیوں کے متعلق قوانین کا شکوہ کرنا نہیں ہے اور نہ ہی اپنی زندگی کی ان ساٹھ سالوں کا رونا رونا ہے جو اس قسم کے خوفوں کی بھینٹ چڑھ گئے۔ سوداؔ نے یہ کہہ کر سب شکووں کا دفتر لپیٹ دیا تھا:

جو گزری مجھ پہ مت اس سے کہو ہوا سو ہوا
بلا کشانِ محبت پہ جو ہوا سو ہوا
کہے ہے سن کے مری سرگزشت وہ بے رحم
یہ کون ذکر ہے جانے بھی دو ہوا سو ہوا

اس خط کا مقصد تو صرف آپ سے ایک سادہ سا سوال پوچھنا ہے جو کہ خاکسار اس خط کے آخر میں پوچھنے کی جسارت کرے گا۔ شاید آپ کو خبر ملی ہو کہ دو ہفتہ قبل ضلع سرگودھا کے ایک گاؤں گھوگھیاٹ میں احمدیوں کی کچھ قبروں کی بے حرمتی کی گئی۔ ان کی قبروں کے کتبے مسمار کئے گئے۔ پیغام واضح تھا کہ مر کر یہ نہ سمجھو کہ تم محفوظ ہو گئے ہو، اسلامی جمہوریہ پاکستان میں تمہاری لاشوں کو بھی یہ احساس دلایا جائے گا کہ تم احمدی ہو اور تمہاری قبر کو بھی وہ حقوق حاصل نہیں ہوں گے جو کہ مہذب دنیا میں کسی انسان کی لاش کو حاصل ہوتے ہیں۔



اس کے چند روز بعد 17 مئی 2021 کو اوکاڑہ کے ایل پلاٹ میں ایک احمدی عبد السلام کو ان کے بچوں کے سامنے چاقو سے وار کر کے قتل کر دیا گیا۔ قتل کرنے والا حال ہی میں ایک قریبی مدرسہ سے فارغ التحصیل ہونے والا علی رضا تھا۔ جب علی رضا مدرسہ سے فارغ ہوا تھا تو مدرسہ کے استاد نے اپنی الوداعی تقریر میں احمدیوں کی سرکوبی کرنے کی نصیحت کی تھی۔ چنانچہ چند ہی روز میں علی رضا نے ایک احمدی کو بہیمانہ انداز میں قتل کر کے بزعم خود اپنے لئے جنت کا ٹکٹ حاصل کر لیا۔ پیغام واضح ہے کہ ہم تمہیں پاکستان میں جینے کا حق بھی نہیں دیں گے۔

ابھی عبد السلام صاحب کی لاش ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی کہ 19 اور 20 مئی کی درمیانی رات کو پشاور کے قریب ایک گاؤں سانگو میں ایک احمدی اشفاق احمد صاحب ولد ڈاکٹر سرور کی قبر کو کھود کر اشفاق احمد کے جسد خاکی کے باقی ماندہ ٹکڑے باہر پھینک دیئے گئے۔ اشفاق احمد صاحب کا انتقال 1995 میں یوکرین میں ہوا تھا۔ ان کے ورثاء سے یہ غلطی ہوئی کہ وہ ان کے جنازے کو مادرِ وطن لے کر آئے اور یہاں دفن کر دیا۔ تاکہ اشفاق احمد کا جسدِ خاکی اس خاک میں آرام کرے لیکن افسوس عزیز اہل وطن کو یہ بھی گوارا نہیں ہوا۔ پیغام واضح ہے کہ ہم تمہاری لاش کو بھی اس ملک کی زمین میں آرام سے نہیں رہنے دیں گے۔

یہ سلسلہ ایک طویل عرصہ سے چل رہا ہے۔ 3 دسمبر 2012 کو ماڈل ٹاؤن لاہور میں احمدیوں کی قبرستان میں پندرہ کے قریب نقاب پوش حملہ آور داخل

ہوئے اوران میں سے کئی حملہ آوروں نے ہتھیار اٹھائے ہوئے تھے۔انہوں نے وہاں پر موجود افراد کو ایک کمرہ میں بند کیا اور سو سے زائد قبروں کے کتبے مسمار کر دیئے۔ یہ حملہ آور فون پر ہدایات بھی وصول کر رہے تھے کہ یہ کارنامہ کس طرح سرانجام دینا ہے۔محترم وزیر اعظم اس وقت آپ پنجاب کے وزیر اعلیٰ تھے اور یہ مقام آپ کے گھر سے زیادہ فاصلہ پر نہیں ہے۔شاید آپ کو یہ سانحہ یاد نہ ہو لیکن جن کے عزیزوں کی قبروں کی بے حرمتی کی گئی تھی ،کم از کم وہ اسے ابھی تک نہیں بھولے۔

گذشتہ دو سال کے دوران پہلے سے زیادہ احمدیوں کی قبروں پر حملے کئے گئے ہیں۔فروری 2020 میں فتح دریا جھنگ میں دو احمدیوں کی قبروں کی بے حرمتی کی گئی۔اور اسی مہینے کے دوران خود پولیس کے اہلکاروں نے چک 2 ٹی ڈے اے ضلع خوشاب میں احمدیوں کی قبروں کی بے حرمتی کی۔مئی 2020 میں پچاس مولوی صاحبان اور کچھ پولیس اہلکاروں نے شوکت آباد ننکانہ صاحب میں احمدیوں کی قبروں کو مسمار کیا۔جون 2020 میں چک 79 نواں کوٹ ضلع شیخوپورہ میں احمدیوں کی قبروں کے خلاف مہم چلائی گئی اور آخر کار خود پولیس والوں نے احمدیوں کی درجنوں قبروں کے کتبوں کو مسمار کر دیا۔اس سے اگلے ماہ ایک شکایت پر عمل کرتے ہوئے گوجرانوالہ کینٹ کے پولیس سٹیشن کے اہلکاروں نے ایک گاؤں کے احمدی قبرستان پر دھاوا بول کر 69 احمدیوں کی قبروں کو مسمار کیا۔دسمبر 2020 میں پولیس سٹیشن کلر کہار کی حدود میں ایک گاؤں میں احمدیوں کے قبرستان میں تین قبروں کی بے حرمتی کی گئی۔

2021 شروع ہوا تو تھانہ گوجرہ صدر ٹوبہ ٹیک سنگھ کی حدود میں احمدیوں کے ایک قبرستان میں داخل ہو کر خود ایس ایچ او، پٹواری اور تحصیلدار نے ایک احمدی کی قبر کا کتبہ مسمار کیا۔اسی مہینے میں بھوئیوال ضلع شیخوپورہ میں تین احمدیوں کی قبروں کے کتبے توڑ دیئے گئے۔ یہ واقعہ تھانہ شرقپور کی حدود میں پیش آیا۔ فروری 2021 میں 565 گ ب جڑانوالہ ضلع فیصل آباد میں خود پولیس افسران نے 25 احمدیوں کی قبروں کو مسمار کروایا۔مارچ میں پولیس نے ایک مرتبہ پھر ایک شکایت پر چابکدستی دکھاتے ہوئے کوٹ دیالداس ضلع ننکانہ میں 16 احمدیوں کی قبروں کو مسمار کیا۔

اسی طرح اپریل 2021 میں چک 604 ضلع مظفر گڑھ میں پولیس کے اہلکاروں نے ایک احمدی کی قبر کے کتبہ سے کچھ عبارتیں مٹائیں۔یہ چند مثالیں ظاہر کرتی ہیں کہ عزیز از جان وطن میں اب دل کی دھڑکن رکنے کے بعد بھی احمدی محفوظ نہیں رہ سکتے۔ان کی قبریں بھی دل آزاری کا باعث بن جاتی ہیں۔ ان کی لاشوں اور ان کی قبروں سے بھی انتقام لیا جائے گا۔اور خود حکومتی ادارے اس بربریت میں دل کھول کر اپنا حصہ ڈالیں گے۔

اور یہ تاریخ میں پہلی مرتبہ نہیں ہو رہا کہ مذہبی تعصب میں قبروں کو نشانہ بنایا جا رہا ہو۔بربریت کی یہ تاریخ بار بار دہرائی گئی ہے۔اور اگر اس سلسلہ کو جاری رہنے دیا جائے تو کسی کی بھی قبر محفوظ نہیں رہتی۔مثال کے طور پر جب سپین میں پہلے مسلمانوں اور پھر یہودیوں کو نشانہ بنایا گیا تو قبریں بھی اس نام نہاد کی تطہیر کے عمل سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ 1580 میں Seville میں یہودیوں کی قبروں کو بھی اکھیڑ دیا گیا۔ اور ان میں موجود قیمتی اشیا کو لوٹا گیا۔اور ایسے واقعات بار بار ہوئے۔ اس وقت کیتھولک چرچ قبروں کی اس بے حرمتی کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا۔

لیکن 1936 میں اسی سپین میں خود کیتھولک چرچ اسی بربریت کا شکار بنا۔ سپین کی خانہ جنگی کے دوران بہت سے چرچوں میں قبرستانوں کو نشانہ بنایا گیا۔اور ایسے بہت سے واقعات ہوئے۔مثال کے طور پر بارسلونا میں 19 کیتھولک ننز کی لاشوں کو ان کی قبروں سے نکال کر کئی روز کے لئے باہر نمائش پر رکھ دیا گیا۔اور ہزاروں لوگ ان کے سامنے سے گذر کر انہیں دیکھتے اور بعض تو ان لاشوں پر تحقیر آمیز جملے بھی کستے۔اور آپ اس حقیقت سے واقف ہوں گے کہ پیرس کے قریب مسلمانوں کی قبروں کی بے حرمتی کے اندوہناک واقعات منظر عام پر آ چکے ہیں۔ ہر صاحب ضمیر کو ایسے واقعات کی مذمت کرنی چاہیے۔

میں نے اس خط کے شروع میں عرض کی تھی کہ اس خط کے آخر میں آن مکرم سے ایک سادہ سا سوال کرنے کی جسارت کروں گا۔ خاکسار کو جیتے جی تو اس ملک میں برابر کے شہری بننے کا موقع نہیں ملا۔ نثار میں تیری گلیوں پر اے

وطن ۔۔۔مگر مجھے یہ اعزاز نہیں ملا کہ وطن کی گلیاں مجھے قبول کرتیں لیکن اب میں عمر کے اس حصہ میں ہوں جب موت زیادہ دور نہیں ہوتی۔ مجھے اب اپنی زندگی سے زیادہ اپنی لاش کی فکر ہے۔ میرا سوال یہ ہے کہ کیا اسلامیہ جمہوریہ پاکستان میں میری لاش کو سکون سے دفن رہنے کی اجازت ہوگی؟ کیا مجھے یہ تسلی دلائی جا سکتی ہے کہ جب میں دفن ہو جاؤں گا تو کوئی پولیس کا اہلکار یا تحصیلدار میری قبر کو مسمار کرنے یا میرے کتبہ کو توڑنے کے فرائض سرانجام نہیں دے گا۔ یا کوئی جنت کے حصول کے لئے میری لاش کی باقیات کو اکھیڑ کر باہر نہیں پھینکے گا۔ اگر حکومت پاکستان یہ سہولت نہیں مہیا کر سکتی تو کوئی بات نہیں۔ میں اسے بھی قسمت کا لکھا سمجھ کر قبول کرلوں گا اور اپنے ان بچوں کو جو ملک سے باہر رہائش پذیر ہیں یہ وصیت کر دوں گا کہ میری موت کی خبر سن کر خاموشی سے پاکستان آئیں اور میری لاش کو اسی خاموشی سے ملک سے باہر لے جائیں۔ اور اس وقت کا انتظار کریں جب وطن کی خاک اس غریب الوطن لاش کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو۔ آدمی جیتے جی اپنے سے ہونے والے امتیازی سلوک کا بوجھ اٹھا کر زندہ تو رہ سکتا ہے لیکن مرنے کے بعد اپنی لاش کو خود اپنے کندھوں پر اٹھا کر کہیں نہیں لے جا سکتا۔ محترم وزیراعظم مجھے آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔

میں جس طرح خط شروع کرتے ہوئے ایک الجھن کا شکار تھا، اسی طرح خط کو ختم کرتے ہوئے بھی ایک الجھن کا شکار ہوں کیونکہ میرے نام کا آخری حصہ ایسا ہے جس پر اسلام آباد ہائی کورٹ ایک تفصیلی فیصلہ میں اس تحفظ کا اظہار کیا گیا ہے کہ یہ کسی احمدی کے نام کا حصہ ہونا چاہیے۔ شاید ان کے نزدیک یہ بھی قانون شکنی اور دل آزاری ہے۔ بہرحال اتنی جلدی نام تو تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے

سب باتوں کے باوجود خیر اندیش

(بشکریہ ہم سب"29 مئی 2022)



حرفِ تعارف تاریخ احمدیت کاٹھگڑھ

کسی بھی خطۂ ارض کی تاریخ لکھنا بہت مشکل کام ہے۔ ایسے تاریخی موضوع پر قلم اٹھانا اور بھی مشکل ہو جاتا ہے جب اس بارہ میں تاریخی مواد بھی بہت کم ہو اور اس علاقہ کے قدیم باسی بھی داغِ مفارقت دے چکے ہوں۔ پھر اس تاریخنویسی کا کام اس پہلو سے اور بھی مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ موضوع بہت گہری تحقیق اور احتیاط کا تقاضا کرتا ہے۔

الحمدللہ کہ رانا عبد الرزاق صاحب میں یہ دونوں خوبیاں پائی جاتی ہیں اور مستقل مزاجی کی خوبی اس کے علاوہ ہے۔ آپ نے متعدد تالیفات کے بعد اپنے آباو اجداد کے علاقہ غوث گڑھ کی تاریخ لکھنے کے لئے قلم اٹھایا تو انہیں احساس ہوا کہ یہ کوئی معمولی اور آسان کام نہیں۔ لیکن مستقل مزاجی کی خوبی نے ان کو اس مشکل راہ پر گامزن رہنے کا حوصلہ دیا اور باوجود گونا گوں مشکلات اور مصروفیات کے وہ تحقیقات میں دن رات مصروف رہے اور ان کی منزل قدم بقدم ان کو قریب نظر آنے لگی۔ آپ اس کام کو ایک مقدس فریضہ سمجھ کر اپنے خاندان کی تاریخ جمع کرنے میں ہمہ تن مصروف رہے۔ جماعتی اخبارات و رسائل اور دیگر مآخذ سے استفادہ کرتے رہے اور بالآخر وہ اس وسیع اور گمشدہ تاریخ کو مدون کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

اس لمبی عرق ریزی کے دوران وہ مجھے اپنے آباءواجداد کے بارہ میں ایمان افروز واقعات بتاتے رہے۔ اپنے بزرگوں کی ہمت و جرأت اور قربانیوں کا ذکر کرتے رہے۔ مجھے پوری امید ہے کہ یہ ساری تحقیق جب پوری طرح مدون ہو کر کتابی شکل میں آئے گی تو جماعتی لٹریچر میں گرانقدر اضافہ کرنے والی ہوگی اور کاٹھ گڑھ کے بزرگوں کی نیک یادیں قارئین کے لئے ایمان افروز ثابت ہوں گی۔ انشاءاللہ

کئی سالوں کی مسلسل محنت اور کوشش کے بعد ''تاریخ جماعت احمدیہ کاٹھگڑھ'' پر مشتمل گرانقدر کتاب کے منصہ ءمشہود پر آنے کے حوالہ سے میں مکرم رانا صاحب موصوف کو مبارکباد بھی دیتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی بے لوث محنت کو قبول فرمائے آمین۔

خاکسار

عطاءالمجیب راشد

امام مسجد فضل۔ لندن 2022 اپریل 5



میرے ماموں میرے استاد پروفیسر ڈاکٹر سید سلطان محمود شاہد

چیف سید معین شاہ



جب بھی ہم چند دوست جن کا تعلق تعلیم الاسلام کالج ربوہ سے ہے مل بیٹھتے ہیں اور اپنی اپنی پرانی یادیں اور پروفیسر کرام کا ذکر کرنا شروع کرتے ہیں تو اکثریت کی زبان پر ایک ایسی شخصیت جو ہر ایک کے دل میں بستی ہے اور جن کے شاگرد دنیا میں کوئی ایسی جگہ نہ ہوگی جہاں نہ پائے جاتے ہوں، ان کا ذکر خیر ہوتا ہے۔وہ ہیں پروفیسر ڈاکٹر سید سلطان محمود شاہد جو میرے ماموں بھی تھے اور میرے قابلِ صد احترام استاد بھی۔میں نے ان سے نہ صرف علمی میدان میں کچھ حاصل کیا بلکہ اخلاقی میدان میں بھی بہت کچھ سیکھا۔گھر میں بھی اگر ہم سے کوئی غلطی یا گستاخی ہوتی تو بلا کر بغیر ڈانٹے ڑے پیار سے سمجھاتے۔میں بھی ان سے متعلق کچھ ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا اور زبان قلم پر لا رہا ہوں۔آپ کی پیدائش حضرت سید سردار احمد شاہ صاحب صحابی حضرت مسیح موعود کے ہاں اکتوبر 1923 کو اپنے آبائی گاؤں شاہ مسکین میں ہوئی جو لاہور سے 40 کلومیٹر کی دوری پر لاہور۔جڑانوالہ روڈ پر واقع ہے۔سادات خاندان کے چار مربع زرعی اراضی کے وسط میں اس خاندان نے اپنی رہائش گاہ بنا رکھی اور خاندان سادات کے علاوہ کسی اور کا کوئی گھر نہیں ہے۔خاندان کے کچھ افراد خود کاشت کاری کرتے ہیں اور کچھ ملازمت میں ہونے کی وجہ سے مزارعین سے کرواتے ہیں۔موضع شاہ مسکین پہلے ضلع لاہور کا حصہ تھا لیکن ۲۲۹۱ میں شیخوپورہ کو لاہور سے علیحدہ کر کے ایک ضلع کا درجہ دے دیا اور ننکانہ صاحب کو اس ضلع کی ایک تحصیل بنا دیا گیا۔اس طرح موضع شاہ مسکین، تحصیل ننکانہ میں ضلع شیخوپورہ کا حصہ بن گیا۔میرے نانا جان حضرت سید سردار احمد شاہ صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا خطبہ سن رکھا تھا کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے تین بیٹوں کی نعمت سے نوازا ہو وہ ایک جماعتی خدمت کے لیے وقف کر دے۔آپ کی پیدائش سے پہلے آپ کے دو بھائی تھے۔محترم نانا جان مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ اس خطبہ کے سننے کے بعد وہ ہمیشہ یہ دعا کرتے تھے

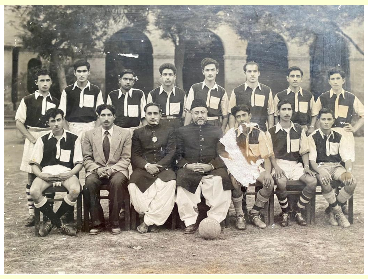


کہ اللہ تعالیٰ انہیں ایک اور بیٹے سے نوازے تا کہ وہ امام وقت کی آواز پر لبیک کہہ سکیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا سن لی اور جب میرے ماموں شاہد صاحب کی پیدائش ہوئی تو میرے نانا جان فوراً حضرت خلیفۃ المسیح الانی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری دعاؤں کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے مجھ کو بیٹے کی نعمت سے نوازہ ہے اور میں آپ کے حکم کی تعمیل اس کو جماعتی خدمت کے لیے پیش کرتا ہوں جسے حضور نے قبول فرمایا۔شاہد صاحب اپنے بھائیوں میں سے سب سے چھوٹے اور میری والدہ محترمہ ان سے چھوٹی تھیں۔میرے نانا جان کبھی کبھی اپنے بچوں کے بارہ میں بتاتے تو ان کے بارہ میں یہی بتاتے کہ سلطان شروع سے ہی اپنی پڑھائی میں بہت دل چسپی رکھتا اور بہت ہی ذہین تھا۔اس وجہ سے بہت ہی چھوٹی عمر 1937 میں میٹرک کا امتحان مسلم ماڈل ہائی اسکول، دہلی گیٹ لاہور سے بہت ہی اچھے نمبروں سے پاس کیا اور مزید تعلیم کے لیے اسلامیہ کالج لاہور میں داخل ہوئے جہاں سے انہوں نے 1941 میں بی ایس سی کا امتحان پاس کر لیا۔

دوسری جنگ عظیم کی وجہ سے تعلیم جاری رکھنے کی بجائے ملازمت اختیار کر لی۔حالات بہتر ہونے پر حضرت مصلح موعود کی ہدایت پر 1943 میں علی گڑھ یونیورسٹی میں ایم ایس سی کیمسٹری میں داخلہ لے لیا اور 1946 میں ایم ایس سی کی ڈگری حاسل کر لی۔چونکہ آپ کی پیدائش سے ہی آپ کے والد صاحب نے آپ کو جماعت کے لیے وقف کر دیا ہوا تھا جس کی وجہ سے آپ نے ایم ایس سی کا امتحان پاس کرنے کے بعد تعلیم السلام کالج میں

تدریس کا کام شروع کر دیا۔آپ کالج کے اولین استازہ میں شمار کیے جاتے تھے۔آپ کی اعلیٰ کارکردگی کی وجہ سے جماعت نے آپ کو 1956 میں اعلیٰ تعلیم کے لیے لندن بھجوادیا اور اس طرح لندن یونیورسٹی سے 1959 میں اپنی پڑھائی مکمل کی اور پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کر کے واپس آئے اور تعلیم السلام کالج میں سلسلہ کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔آپ کی خواہش ہوتی تھی کہ وہ علم کے میدان میں ایک نمایاں حیثیت حاصل کریں اور اس سلسلہ میں 1963 میں پوسٹ گریجویٹ ریسرچ کے لیے دوبارہ لندن آ گئے اور کوئین میری کالج یونیورسٹی سے ریسرچ مکمل کر کے A.R.I.C ڈپلومہ حاصل کیا اور رائل انسٹیٹیوٹ کے عمر بھر کے لیے ممبر منتخب ہوئے۔آپ تعلیم السلام کالج ربوہ میں کیمسٹری ڈیپارٹمنٹ کے سربراہ رہے۔اس کیعلاوہ آپ نے کالج کالج سٹوڈنٹس یونین کے سربراہ کی حیثیت سے ڈیوٹی بہت ہی احسن طریق اور خوش اصولی سے انجام دی۔

1978 میں جب تعلیم السلام کالج گورنمنٹ نے اپنے اختیار میں لیا تو ان کی تبدیلی گارڈن کالج راولپنڈی کر دی گئی لیکن کچھ وقت کے بعد وہاں سے گورنمنٹ گورونانک ڈگری کالج ننکانہ صاحب بحیثیت پرنسپل بھیج دئے گئے۔کالج کے تمام اسٹاف ممبرز آپ کے اخلاق، پیار اور ہمدردی کی وجہ سے آپ کے بہت معترف تھے۔آپ اسی کالج سے 1986 میں ریٹائر ہوئے۔آپ بہت ہمدرد اور سادہ طبیعت کے مالک تھے۔بلاتفریق ہر کسی کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔آپ نہ صرف میرے ماموں بلکہ تعلیم السلام کالج میں میرے استاد بھی تھے۔آپ کے پڑھانے کا انداز بہت ہی سادہ اور دوسرے اساتذہ سے بلکل مختلف جب بھی کلاس روم میں آتے تو ان کے رویہ سے ہم یہ فرق نہ کر سکتے کہ سارے سامنے جو شخص ہم سے کلام کر رہا ہے وہ استاد ہے یا باپ۔بہت ہی آسان طریق سے پڑھاتے جس سے طلباء ان کے مضمون میں دلچسپی رکھتے اور کبھی ان کیم کلاس سے غیر حاضر نہ ہوتے سوائے اشد مجبوری کے۔اگر کوئی ایسا ٹاپک ہوتا جس میں طلباء قدرے کم دلچسپی لیتے اور بوریت محسوس کرتے تو طلباء کو چہروں کو دیکھ چند ایک لطائف سنا کر محفوظ کر دیتے اور پھر سے اصل مضمون کی طرف آ کر پڑھانا شروع کر دیتے۔اس



طرح باتوں ہی باتوں ایک ہی پیریڈ میں دو چیپٹر ضرور پڑھا دیتے۔طبیعت میں انتہائی سادگی تھی۔کبھی بھی آپ نے کسی یہ ظاہر کرنے کی کوشش نہ کی کہ وہ پی ایچ ڈی ہیں۔ایک بار جلسہ سالانہ کے موقع پر آپ کے گھر کافی مہمان تشریف لے آئے اور جو کھانا لنگر کھانے سے منگوایا ہوا تھا کم پڑ گیا۔اس پر بجائے کسی کو بھیجنے کین آپ خود لنگر کانہ چلے گئے۔تاکہ مہمانوں کے لیے کھانا لاسکیں۔وہاں پہنچ کر جب آپ نے روٹی کا مطالبہ کیا تو افسر صاحب لنگر خانہ نے روٹی منگوا کر آپ کے سامنے رکھتے ہوئے کہا کہ روٹی ڈالنے کے لیے کپڑا کہاں ہے (جو آپ گھر سے لانا بھول گئے تھے) آپ نے فوراً اپنے کرتے قمیض کی جھوی آگے کر دی سادگی سے کہا اس میں ڈال دیں۔

ان کے ایک بہت ہی پرانے شاگرد مکرم بشیر احمد صاحب سابق پرنسپل احمدیہ سیکنڈری سکول سیرالیون بیان کرتے ہیں کہ جب وہ 1962 میں بی ایس سی کے پہلے سال میں تھے تو شاہد صاحب کی قیادت کالج کا ایک وفد جس میں بشیر صاحب بھی شامل تھے لنڈی کوتل جانے کا اتفاق ہوا۔یوں میں سفر کے دوران شاہد صاحب کا تمام طلباء سے رویہ بالکل ایک بڑے بھائی جیسا تھا۔اگر کوئی غلطی کرتا تو بہت ہی پیار سے اسے سمجھاتے۔وہاں چند طلباء بازار سے کچھ اشیاء خرید کرنے لگا تو انہیں محسوس ہوا کہ دوکاندار چیزیں بہت فروخت کر رہا ہے۔طلباء نے دوکاندار کو کہا وہ غصے سے بھرآیا اور ان کے پیچھے مارنے کو بھاگا۔جس پر شاہد صاحب نے درمیان میں آ کر دوکاندار کو ٹھنڈا کیا اور وہ آپ کے اخلاق سے بہت متاثر ہوا۔پھر تمام طلباء کو اکٹھا کر کے بالکل باپ اور بڑے بھائی کی طرح سمجھایا اور نصیحت کی انسان کی عزت اس کے اپنے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ابھی آپ عملی زندگی میں داخل نہیں ہوئے اور آپ کو اس کا تجربہ نہیں ہے۔جب بھی کسی سے بات کریں تو تحمل اور صبر کا پیانہ کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔

دعا کے اثرات کے معترف

2008ء میں آپ کو السر کی شکایت تھی جس کا مسلسل علاج جاری تھا۔ ایک دن اچانک السر پھٹ جانے کی وجہ سے پیشاب کے ساتھ بہت خون بہتا رہا۔ اور جسم میں خون کی کمی کی وجہ سے کافی کمی واقع ہوگئی۔ کئی بار جسم میں خون دیا گیا لیکن افاقہ نہ ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی طرف سے مایوسی کا اظہار ہو رہا تھا۔ حضور انور کو دعا کی درخواست دی گئی تو آپ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کے فضل سے جلد صحت یاب ہو جائیں گے۔''

حضور کی جانب سے جس دن یہ جواب ملا اسی ہی دن ان کے ایک ماموزاد بھائی نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے نسخہ کی ہومیوپیتھی دوائی ان کو استعمال کے لئے بھجوائی۔ اس کے استعمال سے خدا تعالیٰ نے اپنا خاص فضل فرمایا اور چند گھنٹوں میں ہی خون کا بہنا کم ہو گیا۔

اور اگلے دن بالکل ہی ختم ہو گیا۔ اس کے بعد ٹسٹ کروائے گئے تو سب ٹھیک تھے۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے بہت ہی حیرانگی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد آپ کئی سال زندہ رہے۔

مارچ 2013ء میں لاہور میں اپنی بیٹی کے ساتھ مقیم تھے۔ اور ان کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی۔ آپ کو فوراً ہسپتال داخل کروا دیا گیا۔ ہسپتال جانے سے پہلے آپ نے بچوں کو کہا کہ میری دل خواہش ہے کہ میری وفات ربوہ میں ہو اور پھر تدفین اپنے آبائی گاؤں شاہ مسکن میں کی جائے۔

پھیپھڑوں میں کمزوری کی وجہ سے فوراً آکسیجن لگائی گئی اس کے ساتھ ہی جسم کے دوسرے اعضا نے بھی کام کرنا چھوڑ دیا ہوا تھا۔ ڈاکٹروں نے مایوسی کا اظہار کرتے ہوا کہا کہ ان کی چند آخری لمحات ہیں آپ آخر انہیں مل لیں۔

بچوں نے فوراً حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں سب حالات بیان کئے اور دعا کی درخواست کی۔

حضور نے فرمایا کہ ''زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے اس لئے آپ فوری طور پر آکسیجن اتروا دیں۔ آپ کے حکم کی تعمیل کی گئی تو ناقابل یقین واقع رونما ہوا۔ آکسیجن اتارتے ہی آپ بغیر کسی کا سہارا لئے خود خود ہی اٹھ کر بیٹھ گئے اور باتیں شروع کر دیں۔ ڈاکٹر صاحب یہ دیکھ کر بچوں سے کہا کہ انہوں نے



زندگی میں کبھی بھی ایسا نہیں دیکھا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل میں ایک خواہش ہے جو ابھی پوری ہونی باقی ہے۔ اس پر انکے بچوں نے کہا کہ انہوں نے یہاں آنے سے پہلے یہ خواہش کی تھی کہ ان کی وفات ربوہ میں ہی ہو جہاں انہوں نے اپنی زندگی کا زیادہ قیمتی وقت گزارا ہے اور پھر تدفین کے لئے انہیں ان کے آبائی گاؤں لے جایا جائے۔ جس پر ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ انہیں فوراً ربوہ لے جائیں۔ اسی وقت ایمبولینس کا انتظام کیا گیا اور اسی وقت ہی انہیں ربوہ لے گئے۔ راستہ میں انہوں نے اپنے داماد سے وقت پوچھا تو بتایا گیا کہ رات کے 11 بجے ہیں۔ آپ نے وقت کی مناسبت سے کہا کہ ہم پنڈی بھٹیاں پہنچ چکیں ہیں۔ اس پر آپ کے داماد نے اثبات میں جواب دیا۔ ربوہ پہنچے پر فضل عمر ہسپتال میں داخل کروا دیا گیا۔ ربوہ کے اکثر معززین آپ کی عیادت کو آئے جن سے آپ کچھ باتیں بھی کرتے رہے۔

3 مارچ 2013ء کو 11 بجے صبح آپ کی روح جسم خاکی سے پرواز کر گئی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

اگلے دن 4 مارچ 2013ء کو ربوہ میں نماز جنازہ جماعتی انتظام کے تحت میاں خورشید احمد صاحب کی امامت میں کی گئی جس میں ربوہ کے احباب نے ایک کثیر تعداد میں شرکت کی اور پھر جنازہ تدفین کے لئے اپنے آبائی گاؤں شاہ مسکین لے جایا گیا۔ اور آبائی قبرستان میں اپنے بزرگوں کے ساتھ جا ملے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرماتے ہوئے انہیں اپنے پیاروں کے قرب میں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے۔ اور ہمارے حق میں ان کی ہوئی دعائیں قبول فرمائے۔ آمین

پاکستان میں احمدیوں کا قتل

(علی شہزاد)

ضلع اوکاڑہ میں احمدی جماعت سے تعلق رکھنے والے نوجوان عبدالسلام کو تیز دھار آلے سے قتل کر دیا گیا۔منگل کی شام ہونے والی اس واردات کی تفصیلات کے مطابق مقتول کو مذہبی منافرت کی وجہ سے قتل کیا گیا ہے۔مقامی مدرسہ سے ایک ہی روز قبل فارغ التحصیل ہونے والے نوجوان علی رضا کے خلاف مقدمہ درج کر دیا گیا ہے۔ملزم علی رضا نے مقتول کو اس کی گلی میں شام کے ساڑھے پانچ بجے تیز دھار آلے کے وار کر کے قتل کیا ہے۔یہ اس نوعیت کا کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے، پاکستان میں ایسی مذہبی منافرت کے وجہ سے سینکڑوں بے گناہ شہری قتل کئے جا چکے ہیں۔اوکاڑہ رینالہ خورد ایل پلاٹ فوجیاں والا جس کی آبادی ساڑھے آٹھ ہزار کے قریب ہے اس میں پہلے چالیس سے پچاس احمدی خاندان آباد تھے۔جو مذہبی منافرت اور مقامی لوگوں کے رویوں سے تنگ آ کر گاؤں چھوڑ چکے ہیں، اس وقت مقتول عبدالسلام کے خاندان سمیت آٹھ سے دس خاندان رہائش پذیر ہیں۔

مقتول زمیندار تھا، دو بیٹوں اور ایک کم سن بیٹی کا باپ تھا۔احمدی کمیونٹی کے ساتھ اس نوعیت کے بیسیوں واقعات پیش آ چکے ہیں، لیکن روک تھام کی بجائے ایسے واقعات بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔جس کی ایک بڑی وجہ علم کی کمی، جنونیت اور اشتعال پر مبنی تقاریر جو کہ کم علم ملاؤں کی جانب سے کی جاتی ہیں۔یاد رہے اس واقعہ میں مقامی مدرسہ کے مہتمم پر الزام ہے کہ انہوں نے ایک روز قبل اشتعال انگیز تقریر کی جسے سن کر ملزم علی رضا نے جنونیت میں آ کر مقتول کو قتل کر دیا۔سابق آمر جنرل ضیاالحق مرحوم کے دورِ حکومت میں 26 اپریل 1984 کو حکومت پاکستان نے آرڈیننس 20 کا نفاذ کیا جس کے تحت 1974 میں سرکاری سطح پر غیر مسلم قرار دی گئی احمدی کمیونٹی پر اسلامی شعائر اپنانا اور ان پر عمل کرنا بھی قابل تعزیر جرم پایا۔احمدی برادری کے افراد پر خود کو مسلمان کہلانے پر بھی پابندی عائد کر دی گئی تھی۔

جماعت احمدیہ کے مطابق احمدی کمیونٹی کی ہلاکتوں کا سلسلہ یکم مئی 1984 سے شروع ہوا تھا۔جماعت احمدیہ کے مطابق گذشتہ 38 برس میں احمدی برادری کے 273 سے زائد افراد قتل ہو چکے ہیں۔اور اس دوران احمدیوں پر 379 حملے ہوئے ہیں جن میں 27 عبادت گاہوں کو تباہ اور 33 کو بند کر دیا گیا ہے۔ہلاکتوں میں پہلے نمبر پر صوبہ پنجاب ہے جہاں ہلاکتیں 69 فیصد جبکہ 23 فیصد ہلاکتوں کے ساتھ سندھ دوسرے نمبر پر ہے۔خیبر پختونخوا میں 5 فیصد اور بلوچستان میں 3 فیصد ہلاکتیں ہوئی ہیں۔گذشتہ کچھ عرصہ سے خیبر پختونخوا میں حملوں میں اضافہ ہوا ہے۔

2017 کے اعداد و شمار کے مطابق پاکستان سے پچاس فیصد سے زائد احمدی کمیونٹی ہجرت کر گئی ہے۔ 1998 میں پاکستان کی کل آبادی کا 22.0 فیصد احمدی طبقہ تھا۔جبکہ 2018 میں 9.0 فیصد رہ گئے ہیں۔یاد رہے کہ اس کے علاوہ ہندو، مسیحی اور دیگر اقلیتوں کے ساتھ بھی یہ ناروا سلوک برتا جاتا ہے۔اور کئی کیسز رجسٹرڈ ہو چکے ہیں۔آخر حکومت پاکستان اقلیتوں بالخصوص احمدی جماعت کو تحفظ فراہم کرنے میں ناکام کیوں ہے؟

اخلاق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جنگ احد میں جب مسلمانوں کو نقصان پہنچا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی زخمی ہو گئے تو کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مخالفین اسلام کے خلاف بددعا کرنے کی درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے لعنت ملامت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا بلکہ اس نے مجھے خدا کا پیغام دینے والا اور رحمت کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کے حضور یہ دعا کی کہ اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے دے کیونکہ وہ حقیقت سے ناآشنا ہیں۔

(شعب الایمان للبیہقی)

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کے حضور یہ التجا کی کہ اے اللہ! میری قوم کو بخش دے کیونکہ وہ لاعلمی کی وجہ سے اسلام کی مخالفت کر رہی ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی)

خراجِ تحسین



عزت مآب سر افتخار احمد ایاز-KBE

جناب Chris Cotton صاحب-ڈپٹی لیفٹیننٹ

(مورخہ 19 مئی 2022ء بمقام لندن)



عزت مآب سر افتخار احمد ایاز-KBE, OBE, PhD تنزانیہ میں پلے بڑھے اور برطانیہ و امریکہ میں اپنی یونیورسٹی کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد دارالسلام یونیورسٹی، The Centre on Integrated Rural Development for Africa، Commonwealth Fund for Technical Cooperation، UNDP اور UNESCO میں اعلیٰ عہدوں پر کام کیا۔ آپ نے United Nations Human Rights Council میں اقلیتوں کے حقوق کے حوالہ سے بھی خدمات سرانجام دیں نیز مذہبی آزادی اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے بارہ میں UNHRC کے اجلاسات میں رونق افروز ہوتے ہیں۔ آپ امن کے سفیر ہیں اور انسانی فلاح و بہبود، غربت کے خاتمہ نیز تنازعات کے حل کیلئے اپنے ماہرانہ مشورہ جات پیش کرتے ہیں۔ آپ International Human Rights Committee کے چیئرمین بھی ہیں۔ آپ 1996ء سے برطانیہ میں طوالو کے اعزازی قونصل کے طور پر خدمات پیش کر رہے ہیں۔ آپ کامن ویلتھ میں طوالو کے ہائی کمشنر اور UN Human Rights Council میں طوالو کے سفیر کے عہدہ پر فائز ہیں۔ سر افتخار ایاز نے متعدد اعزازات حاصل کئے ہیں جن میں:

Role Model of the Year 2016, O.B.E. (Officer of the Most Excellent Order of the British Empire)

K.B.E. (Knight Commander of the Most Excellent Order of the British Empire)

شامل ہیں۔ 2020ء میں آپ کو انسانی خدمات کیلئے ملکہ کے تمغہ (Queen's Medal) سے نوازا گیا اور امسال بھی آپ کو Queen’s Medal for Platinum Jubilee کا اعزاز دیا گیا ہے۔ آپ احمدیہ مسلم کمیونٹی کے ایک ممتاز و معروف فرد ہونے کے ساتھ ساتھ برطانیہ میں کمیونٹی کے سابق نیشنل امیر بھی رہے ہیں۔ آپ طوالو میں جماعت احمدیہ کے پہلے نمائندہ کی حیثیت میں خدمات بجا لارتے رہے ہیں۔ آپ ایک انمول و بار آور مصنف و مقرر کے طور پر متعدد کتب و مضامین شائع فرما چکے ہیں نیز کئی اعلیٰ سطحی فورمز بشمول Peace and Climate Change Conferences وغیرہ میں مختلف ممالک میں مؤثر تقاریر فرما چکے ہیں۔ سر افتخار کو یہ اعزازات آپ کی غیر معمولی خدمات و اقدامات کے نتیجہ میں دئے گئے ہیں خاص طور پر آپ کی خدمت جو طوالو کے مفاد میں بہتر ثابت ہوئیں نیز اس چھوٹی سی ریاست کی ترقی و بہبودی اور عالمی پہچان بنانے میں ممد و مددگار بنی۔ تقریباً 40 سال سے سر افتخار Small Island States میں تعلیم و بنیادی ڈھانچے کی ترقی کیلئے ایسی پالیسیوں پر کام کر رہے ہیں جو کہ معیشت کی بہبودی نیز تعلیم و صحت کے نظام کو معیاری بنانے میں مددگار ثابت ہوئی ہیں۔ کامن ویلتھ کے ایک فیلڈ ایکسپرٹ ہونے کے طور پر آپ نے ایک جدید پروگرام Education For Life کو متعارف کرایا جو کہ جزائر میں رہنے والوں کو پیشہ وارانہ اعلیٰ تعلیم مہیا کر رہا ہے۔ یہ آپ کی اس پُرجوش فلاسفی کا نتیجہ ہے کہ انسانی زندگی کی ترقی، بہبودی اور معیار کی بلندی کیلئے ہمیشہ جد و جہد کرتے رہنا چاہئے۔ یہ جذبہ آپ کی طرف سے پیش کی گئی بے لوث خدمات کے نتیجہ میں ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ برطانیہ میں طوالو کے اعزازی قونصل کے طور پر سر افتخار کا یہ طے شدہ مستحکم نظریہ رہا ہے کہ طوالو کی وراثت اور کامن ویلتھ میں طوالو کی قابل فخر پہچان پروان چڑھے۔ اس کیلئے سر افتخار نے کمال کی مستقل مزاجی سے اپنا غیر معمولی کردار ادا کرتے ہوئے عالمی سطح پر طوالو کے مضبوط روابط استوار کئے ہیں۔ یہ سب کچھ انہوں نے رضا کارانہ طور پر اپنے اخراجات پر کیا۔ حال ہی میں آپ نے طوالو اور St. Kitts Island کے مابین کامیاب سیاسی روابط قائم کئے ہیں۔ سن 2000ء میں کامن ویلتھ کے فیلو کے طور پر سر افتخار نے طوالو کی حکومت سے بار بار پُرزور درخواستیں کیں اور بالآخر حکومت کو قائل کر لیا کہ ملکہ معظّمہ کی دولت مشترکہ کی مکمل ممبر شپ کیلئے درخواست کی جائے۔ دولت مشترکہ کی مکمل ممبر شپ کو حاصل کرنے میں آپ نے کلیدی کردار ادا کیا۔ بعدہٗ یونائیٹڈ نیشنز کی مکمل ممبر شپ حاصل کرنے میں رہنمائی کی اور نتیجۃً یونائیٹڈ نیشنز میں طوالو کا مستقل مشن قائم ہوا۔ یہ حصولیابی ایک سنگ میل ثابت ہوئی اور طوالو عالمی دنیا کے ایک اہم اور قابل قدر ممبر کے طور پر اُبھر کر سامنے آیا۔ ان ممبر شپس کی وجہ سے دنیا میں طوالو کی عزت و وقار میں گراں قدر اضافہ ہوا اور دنیا کے مختلف ممالک سے طوالو کے دوطرفہ تعلقات قائم ہوئے۔ ان تعلقات کو قائم کرنے میں سر افتخار نے فعال اور مؤثر کردار ادا کیا۔ سر افتخار نے یوروپین یونین، نیدرلینڈ، ترکی، UAE، مورکو، مالٹا، اٹلی اور انڈیا سے مضبوط روابط استوار کئے۔ اب آپ حکومت طوالو کو کامن ویلتھ فاؤنڈیشن کا مکمل ممبر بننے کیلئے قائل کرنے میں فعال کردار ادا کر رہے ہیں۔ سر افتخار نے اہم مسائل جیسے کہ ماحولیاتی تبدیلی پر بھی بات کی ہے۔ ماحولیاتی تبدیلی، ان کئی موضوعات میں سے ایک موضوع ہے، جس کے حوالہ سے سر افتخار نے پُرجوش اور مستحکم رنگ میں ان ریاستوں کی بات پیش کی ہے جن کو اس سے خطرہ ہے۔ اس تعلق سے اُٹھائے گئے آپ کے ذاتی اقدامات کے نتیجہ میں آپ نے یوروپ کے مختلف ممالک کا دورہ کیا اور ان ممالک کی یونی ورسٹیز نیز برطانیہ کے مختلف ادارہ جات میں ماحولیاتی تبدیلی پر سیر حاصل لیکچرز دئے جن میں ماحولیاتی تبدیلی سے متعلقہ کئی ادارے و تنظیمیں بھی موجود تھیں۔ ان کاوشوں کا زبردست اثر ہوا اور کئی ممالک نے اس چیلنج سے نپٹنے کیلئے مطلوبہ ذرائع فراہم کئے۔

آپ نے Caribbean اور South Pacific کی Small Island States میں باہم تعاون و روابط کو فروغ دینے کیلئے پُرزور کاوشیں کیں۔ جس کے نتیجہ میں پچھلے ماہ اکتوبر میں COP 26 کے دوران طوالو، Antigua اور Barbados میں ایک تنظیم کا قیام عمل میں آیا۔ سر افتخار اب برطانیہ میں Small States APPG کے قیام کیلئے کام کر رہے ہیں۔ رفیوجیز کی بھلائی و بہبودی نیز سلطنت ملکہ معظّمہ برطانیہ کی چھوٹی ریاستوں کی فلاح و ترقی کیلئے آپ کی انسانی خدمات قابل ستائش ہیں۔ اسی طرح دنیا کے مختلف ممالک میں حقوق انسانی کے قیام اور مختلف انسانی خدمات آپ کو ان اعزازات و میڈلز کا حقیقی مستحق بناتی ہیں جن سے آج آپ کو نوازا جا رہا ہے۔

منجانب: قندیل ادب انٹرنیشنل لندن



CITATION

His Excellency Sir Iftikhar Ahmad Ayaz, KBE



His Excellency Sir Iftikhar Ayaz, KBE, OBE, PhD, grew up in Tanzania and following his University education in the UK and USA worked in senior positions at the University of Daressalam, the Centre on Integrated Rural Development for Africa, Commonwealth Fund for Technical Cooperation, UNDP and UNESCO.



He has also served on the United Nations Human Rights Council Committee for the rights of minorities and continues to participate in meetings on freedom of religion and infringements of the Human Rights Charter. He is an Ambassador of Peace and Consultant for Human Development, Poverty alleviation and Conflict Resolution. He is also the incumbent Chairman of the International Human Rights Committee. He has been Tuvalu's Honorary Consul in the UK since 1996 and has been designated as Tuvalu's High commissioner to the Commonwealth and Ambassador to the UN Human Rights Council.

Sir Iftikhar Ayaz is a recipient of several honours including Role Model of the year 2016, O.B.E. (Officer of the most Excellent Order of the British Empire) and K.B.E. (Knight Commander of the most Excellent Order of the British Empire). In 2020, he received the Queen's Medal for Humanitarian service and this year he has been awarded the Queen's Medal for Platinum Jubilee. He is an eminent member of the Ahmadiyya Muslim Community and a former National President of the UK Chapter. He was the pioneer representative of the Community in Tuvalu. He is a prolific writer and speaker, having published several books and spoken at several high level forums including numerous Peace and Climate Change Conferences in several countries of the world.

Sir Iftikhar has been commended for these awards for his exceptional initiatives and services. These have benefitted Tuvalu and the Queen's realms considerably in their endeavours for development and global recognition. For almost 40 years Sir Iftikhar has served Small Island States to follow policies for the development of such education and infrastructure that would enhance the generation of economy and the quality of education and health services. As a field expert of the Commonwealth he introduced an innovative programme of Education For Life to provide skills based education to Island communities. It underlies his passionate philosophy; that the progress, development and enhancement of the quality of human life must be availed at any and every opportunity. That passion has manifested itself in his selfless services. As Tuvalu's Honorary Consul in the United Kingdom it has been Sir Iftikhar's determined view that Tuvalu's glorius heritage and the proud people of Tuvalu's contribution to the Commonwealth should be recognised internationally. In doing so, Sir Iftikhar has consistently acted beyond his role establishing important relationships for Tuvalu at international level. He has done so on an unpaid and voluntary basis at his own expense. Recently he was able to establish diplomatic relations between Tuvalu and St.Kitts Island.

As a fellow of the Commonwealth in the year 2000, Sir Iftikhar approached the government of Tuvalu and submitted repeated, vociferous and ultimately convincing representations that an application for full membership of Her Majesty's Commonwealth be progressed. His involvement was instrumental in full Commonwealth membership being achieved. This led to full membership of United Nations and subsequently the opening of Tuvalu's permanent mission to the United Nations. This was a milestone achievement which led to Tuvalu being recognised as an important and valuable member of the international Community. These memberships have furthered Tuvalu's image and prestige in the World Community. As a result, Tuvalu has been able to establish bilateral relationships with a number of countries throughout the world. Sir Iftikhar has been active and influential in establishing those relationships. For example, Sir Iftikhar has established strong links with the European Union, Netherlands, Turkey, UAE, Morocco, Malta, Italy and India. He is now actively persuading the government of Tuvalu to become a full member of the Commonwealth Foundation.

Sir Iftikhar has also taken the initiative in speaking on important issues that affect Climate Change. Climate Change, is one of those areas in which Sir Iftiikhar has enthusiastically and determinedly represented the States under threat. His personal initiative has resulted in him visiting and speaking at several Universities in Europe and in Institutions in the United Kingdom at which various Climate Change Organisations were present. This has made an overwhelming impact upon the World Community and prompted several countries to provide resources to cope with the challenges of rising Sea levels.

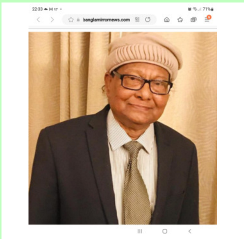
He has also vociferously tried to promote cooperation and collaboration between the small Island States in the Caribbean and the South Pacific. As a result during the COP 26 last October an association was established between Tuvalu, Antigua and Barbados. Sir Iftikhar is now working to establish a Small States APPG in the UK. His Humanitarian services for the Welfare of the Refugees and the Realms of Her Majesty the Queen are adorable and he truly deserves the Medals he is going to receive today.

courtesy: Qindeel Adub International London



کراچی محترم اقبال مجیدی بھی ہم سے جدا ہو گئے۔

(عاصی صحرائی لندن)



ہم سب نے ایک دن رُخصت ہونا ہے۔جس طرح ہمارے محترم اقبال مجیدی صاحب اچانک ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔اللہ غریق رحمت کرے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اقبال مجیدی ایک مشہور اور مقبول شاعر و ادیب تھے۔مکرم مبارک مونگھیری صاحب کے فرزند جو کہ خود ایک بڑے شاعر تھے۔مبارک مونگھیری پر در بھنگہ یونیورسٹی نے مقالہ لکھوایا ہے جو کہ کتاب کی شکل میں منظر عام پر آچکا ہے۔یہ خاندان بہت ہی ادب پرور اور خادم اردو تھا۔کراچی میں بھی مشاعروں کی رونق تھے اقبال مجیدی لندن آکر بھی مشاعروں کی رونق رہے۔آپ کے دو مجموعہ کلام چھپ چکے ہیں۔آپ کی شاعری میں روانی اور مقصدیت بھر پور تھی۔اچھے شعر پر داد دیئے بغیر نہیں رہتے تھے۔باقی تفصیل ملاحظہ ہو۔

رودادِ ذات

نام:اقبال مجیدی۔۔والد

مبارک مونگیری (مرحوم) پیدائش:10 جون 1955

تعلیم:ایم۔اے(اردو) کراچی یونیورسٹی 1985

ملازمت:شعبہ انجیرنگ اے۔سی۔ای پرائیوٹ لمیٹڈ۔کراچی

شریک حیات:پروین مجیدی

اولاد:رامز مجیدی،امامہ جبین،رفعت جبین

اعزازات: 1) T h e ‘poet passionate’’ award’ presented by Oil educator course.

2) Solidarity award at clyde Cameron college Australia in1994.

۳) گیلیکسی ایوارڈ برائے شاعری (نظم منشیات۔۱۹۹۲) کراچی

۴) گولڈ میڈل جشن عالی برائے ادبی خدمت،پیش کردہ امارات اردو سوسائٹی ۱۹۸۹۔ابوظہبی ادبی مصروفیات:

(۱) سابق معاون مدیر عالمی ڈائجسٹ کراچی ۱۹۸۵۔۱۹۸۷

(۲) سابق معاون مدیر علامت کراچی ۱۹۸۵۔۱۹۸۸

(۳) سابق ایگزیکٹو ایڈیٹر۔ینگ چینل کراچی ۱۹۹۰۔۱۹۹۳

(۴) ۲۰۰۷ میں حکومت پاکستان کے جانب سے ملی نغمے پر ایوارڈ سے اور ایک لاکھ سے نوازا گیا۔

بین الاقوامی۔

ا۔امریکا: مشاعرہ بہ سلسلہ ۲۳ مارچ ۲۰۰۱ یوم پاکستان نیو یارک۔مشاعروں میں شرکت: نیو جرسی،میریلینڈ،واشنگٹن،کیلی فورنیا،اور سان فرانسکو ۔۲۔پاکستان: سکنان شہر قائد عالمی مشاعرہ ۱۹۷۹ کراچی۔ ۳۔UAE: مشاعرہ بہ سلسلہ جشن عالی زیر اہتمام۔۔امارات اردو سوسائٹی دبئی اور ابو ظہبی ۱۹۸۹ عالمی مشاعرہ محبان پاکستان دوحا۔قطر ۱۹۹۵۔مشاعرہ بہ سلسلہ جشن پیر زادہ قاسم قطر،دبئی ۱۹۹۶۔(۴)۔بھارت: مشاعری جنگ آزادی (۱۸۵۷) کی یاد میں دہلی ۱۹۹۰۔سالانہ مشاعرہ شام بہار ٹرسٹ انبالہ بھارت ۱۹۸۹۔انجینر نگ۔ا۔آسٹریلیا: IFBWW کی ایجوکیٹر سیمینار آسٹریلیا میں ۱۹۹۴۔۲۔ملائیشیا: کوالا لمپور ۱۹۹۷ پنا نگ ۱۹۹۸۔۔3۔بھارت: آگرہ۔۔۔۱۹۹۹۔۔۔نیپال ۲۰۰۰ تنظیمی وابستگی: ا۔جنرل سیکریٹری ’’حلقۂ فکر جدید‘‘ کراچی ۱۹۷۷ تا حال۔۲۔سیکریٹری جنرل مبارک مونگیری میموریل اکیڈمی ۱۹۸۹ تا حال۔۳۔رکن آرٹس کونسل آف پاکستان کراچی ۱۹۹۴ تا حال۔

شعری مجموعے:

ا۔’’ذات‘‘ مجموعہ غزلیات ۱۹۹۶ کراچی۔۲۔’’تمازت کا سفر‘‘ مجموعہ غزلیات و نظم ۲۰۰۵ کراچی

۳۔''آسٹریلیا کا سفرنامہ'' زیرِ طبع ۔''مبارک کدہ'' آر، ۲۷ ۳ سیکٹر ۱۴ بی شادمان ٹاؤن

مستقل سکونت:

آف شارع مبارک مونگیری۔ نارتھ کراچی۔ میرے بہارے پن کو اختیار کرنے کا انجام دیکھنے کے باوجود اپنے بہاری پن سے باز نہیں آوٗ گے؟

یہ غزل حضرت شاہ عظیم آبادی کی اس شہرہ آفاق غزل کی زمین میں کہی گئی ہے جس کا قیامت خیز مطلع یہ ہے۔

تمناؤں میں اُلجھایا گیا ہوں
کھلونے دے کر بہلایا گیا ہوں

اس زمین میں حضرت حفیظ جالندھری نے بھی غزل کہی ہے اور بڑے بھائی (حضرت رئیس امروہوی) نے بھی۔ بڑے بھائی کی غزل اپنی ماہیت میں غزل نہیں بلکہ ایک طویل نظم ہے۔ ان دو شاعروں کے سوا میں نے اس زمین میں کسی اور شاعر کی غزل نہیں پڑھی۔ اقبال کی یہ غزل پڑھ کر میں گم ہو کر رہ گیا ہوں۔ میں یعنی جون ایلیا۔ آپ بھی یہ غزل پڑھئے، پوری غزل۔

جب اس محفل میں بلوایا گیا ہوں
میں لے کر جاں کا سرمایہ گیا ہوں
نشاط انگیز سی دھڑکن ہے دل میں
میں شاید یاد فرمایا گیا ہوں
جدائی ہو توجہ ہو ادا ہو
بہر صورت میں تڑپایا گیا ہوں
تری محفل سے کیا شکوا ہے مجھ کو
نہ بیٹھا ہوں نہ اٹھوایا گیا ہوں
مرا قصہ ہی کیا میں زندگی بھر
فقط باتوں سے بہلایا گیا ہوں
ہے یکسر خواب کا عالم مجیدی
میں اس محفل میں بلوایا گیا ہوں

تو یہ ہے اقبال مجیدی ولد حضرت مبارک مونگیری اور اس کی شاعری اچھی یا بری شاعری۔ لیکن ایک بات ہے اور وہ یہ کہ اس کی شاعری کے بارے میں ہرایرے غیرے کو کوئی فیصلہ صادر کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ میں اپنی بات تمام کو پہنچا چکا تھا کہ اچانک اس کی ایک غزل میرے سامنے آگئی ہے۔ یہ غزل اس نے مجھے نہیں دکھائی تھی۔ اس کو پڑھنے کے بعد میں بڑی مشکل میں پڑ گیا ہوں۔ یہ غزل اردو کی صفِ اول کی غزل کی زمین میں کہی گئی ہے۔ اگر وہ اس زمین میں غزل کہنے کا آغاز کرنے سے پہلے مجھ سے یہ کہتا کہ جون بھائی میں اس زمین میں غزل کہہ رہا ہوں تو میں اس سے اپنی انتہائی محبت اور شفقت کے باوجود یہ کہے بغیر نہ رہتا کہ بوہک ہو گئے ہو، بولیا گئے ہو، دماغ چل گیا ہے کیا۔

❁❁❁❁❁❁❁

مرحوم کی طرف سے صدقہ دینا

فقہ کیا کہتا ہے؟

میت کی طرف سے اسے ثواب پہنچانے کی خاطر اگر صدقہ کیا جائے تو یہ جائز ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:۔

ایک شخص نے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میری ماں کی جان اچانک نکل گئی ہے اور مجھے یقین ہے کہ اگر وہ بولتی تو ضرور صدقہ کرتی۔ اب اگر میں اپنی ماں کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اس کا ثواب اسے ملے گا؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ہاں۔

(بخاری کتاب الجنائز باب موت الفجاۃ البغتۃ)

حضرت حنش رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔

حضرت علیؓ عید الاضحیہ کے موقع پر دو دنبے قربان کیا کرتے تھے۔ ایک آنحضرت ﷺ کی طرف سے اور دوسرا اپنی طرف سے۔ ان سے اس بارہ میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے ایسا کرنے کی تاکید فرمائی تھی اس لیے میں اس کام کو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔

(سنن الترمذی کتاب الاضاحی باب فی الاضحیۃ بکبشین، ابوداوٗد کتاب الضحایا باب الاضحیہ عن المیت)

ان احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ وفات یافتہ بزرگوں کی طرف سے صدقہ یا

قربانی کرنے کا ثواب اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے۔ جو شخص ایصالِ ثواب کی غرض سے مرحومین کی طرف سے صدقہ یا قربانی کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کو قبول فرماتے ہوئے اس کا ثواب ان کو پہنچا دے گا بغیر اس کے کہ صدقہ کرنے والے کے اجر میں سے کچھ کم ہو۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سوال ہوا کہ دیہات میں دستور ہے شادی غمی کے موقعہ پر ایک قسم کا خرچ کرتے ہیں۔ کوئی چوہدری مر جاوے تو تمام مسجدوں، دواروں و دیگر کمینوں کو بحصہ رسدی کچھ دیتے ہیں اس کی نسبت حضور کا کیا ارشاد ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ

''طعام جو کھلایا جاوے۔ اس کا مردہ کو ثواب پہنچ جاتا ہے۔ گو ایسا مفید نہیں جیسا کہ وہ اپنی زندگی میں خود کر جاتا۔''

عرض کیا گیا۔ حضور وہ خرچ وغیرہ کمینوں میں بطور حق الخدمت تقسیم ہوتا ہے۔

فرمایا: ''تو پھر کچھ حرج نہیں۔ یہ ایک علیحدہ بات ہے۔ کسی کی خدمت کا حق تو دے دینا چاہئے۔''

عرض کیا گیا: ''اس میں فخر و ریاء تو ضرور ہوتا ہے۔ یعنی دینے والے کے دل میں یہ ہوتا ہے کہ مجھے کوئی بڑا آدمی کہے۔''

فرمایا: ''بہ نیت ایصال ثواب تو پہلے ہی وہ خرچ نہیں، حق الخدمت ہے۔ بعض ریاء شرعاً بھی جائز ہیں۔ مثلاً چندہ وغیرہ نماز با جماعت ادا کرنے کا جو حکم ہے تو اسی لئے کہ دوسروں کو ترغیب ہو۔ غرض اظہار و اخفاء کے لئے موقع ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ شریعت سب رسوم کو منع نہیں کرتی۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر ریل پر چڑھنا تار و ڈاک کے ذریعہ خبر منگوانا سب بدعت ہو جاتے۔''

(بدر 17 جنوری 1907ء صفحہ 4)

ایک شخص کا تحریری سوال پیش ہوا کہ محرم کے دنوں میں امامین کی روح کو ثواب دینے کے واسطے روٹیاں وغیرہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:۔

''عام طور پر یہ بات ہے کہ طعام کا ثواب میّت کو پہنچتا ہے لیکن اس کے ساتھ شرک کی رسومات نہیں چاہئیں۔ رافضیوں کی طرح رسومات کا کرنا جائز نہیں۔'' (الحکم 17 مئی 1901ء صفحہ 12)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں سوال پیش ہوا کہ کیا میّت کو صدقہ خیرات اور قرآن شریف کا پڑھنا پہنچ سکتا ہے؟

جواباً فرمایا: ''میّت کو صدقہ خیرات جو اس کی خاطر دیا جائے پہنچ جاتا ہے لیکن قرآن شریف پڑھ کر پہنچانا حضرت رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے ثابت نہیں ہے۔ اس کی بجائے دعا کی جائے جو میّت کے حق میں کرنی چاہئے۔ میّت کے حق میں صدقہ خیرات اور دعا کا کرنا ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی کی سنت سے ثابت ہے لیکن صدقہ بھی وہ بہتر ہے جو انسان اپنے ہاتھ سے دے جائے کیونکہ اس کے ذریعہ سے انسان اپنے ایمان پر مہر لگا دیتا ہے۔'' (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 1)

حضور علیہ السلام سے ایک شخص نے سوال کیا کہ میّت کے ساتھ جو لوگ روٹیاں پکا کر یا اور کوئی شے لے کر باہر قبرستان میں لے جاتے ہیں اور میّت کو دفن کرنے کے بعد مساکین میں تقسیم کرتے ہیں اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

فرمایا:۔ ''سب باتیں نیت پر موقوف ہیں۔ اگر یہ نیت ہو کہ اس جگہ مساکین جمع ہو جایا کرتے ہیں اور مردے کو صدقہ پہنچ سکتا ہے۔ ادھر وہ دفن ہو اُدھر مساکین کو صدقہ دے دیا جاوے تا کہ اس کے حق میں مفید ہو اور وہ بخشا جاوے تو یہ ایک عمدہ بات ہے۔ لیکن اگر صرف رسم کے طور پر یہ کام کیا جاوے تو یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا ثواب نہ مردے کے لئے اور نہ دینے والوں کے واسطے اس میں کچھ فائدے کی بات ہے۔''

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 6، بدر 16 فروری 1906ء صفحہ 2)

حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

''ہماری جماعت کے بعض لوگوں کو غلطی لگی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مردہ کو کوئی ثواب وغیرہ نہیں پہنچتا۔ وہ جھوٹے ہیں۔ ان کو غلطی لگی ہے۔ میرے نزدیک دعا 'استغفار' صدقہ' خیرات بلکہ حج، زکوٰۃ، روزے، یہ سب کچھ پہنچتا ہے۔ میرا یہی عقیدہ ہے اور بڑا مضبوط عقیدہ ہے۔

ایک صحابی نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری ماں کی جان اچانک نکل گئی ہے۔ اگر وہ بولتی تو ضرور صدقہ کرتی۔ اب اگر میں صدقہ کروں تو کیا اسے ثواب ملے گا؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ ہاں۔ تو اس نے ایک باغ جو اس کے پاس تھا' صدقہ کر دی۔''

(الفضل 3 دسمبر 1913ء صفحہ 15)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ پر غیروں کے تاثرات

مغربی مفکرین ومستشرقین نے آپ ؐ کو جدید دور کا مصلح قرار دیا

کیرن آرمسٹرانگ کہتی ہیں کہ اگر ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دنیا کی اور تاریخی ہستیوں پر پرکھتے تو یقیناً ہم انہیں دنیا کی کئی بڑی شخصیتوں کے برابر پاتے۔(خیر یہ تو اس کی غلط بات ہے۔بہت بالا پاتے،جس طرح کہ پہلے انہوں نے لکھا ہے)ایک کامل ادبی شاہکار کی تخلیق اور ایک بڑے مذہب کی بنیاد اور دنیا کے نظام نو کی بنیاد کوئی معمولی کارنامے نہیں ہیں۔کہتی ہیں کہ میں نے یہ کتاب اس لئے لکھی ہے کہ جب رشدی نے کتاب لکھی تھی تو مجھے یہ بات از حد قابل رحم لگی رشدی کا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بیان ایک ایسا بیان تھا جسے مغربی دنیا کے لوگ پڑھنا چاہتے تھے۔اس لئے مجھے یہ بہت اہم لگا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اصلی وسچی کہانی بھی لوگوں تک بہم پہنچائی جائے کیونکہ وہ دنیا کی ایک ایسی قابل ذکر ہستی تھی جو دنیا میں زندہ رہی یا اس دنیا میں پیدا ہوئی۔

پھر کہتی ہیں کہ یہ خیال ہی کر لینا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی ایسی چیز کی بنیاد رکھیں گے جس میں وہ خوشی محسوس کریں کہ ان کے نام پر اس طرح خون بہایا جائے (11 ستمبر والے واقعہ کی طرف اشارہ ہے) ان کے خلاف ایک غیر واضح الزام ہے کیونکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی تمام زندگی اس قسم کے بلا تفریق عام خون بہانے کے انسداد کے لئے گزاری ہے۔پھر کہتی ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاد کے عام معنوں کا پرچار کرنے والوں کی بجائے وہ تو امن کا شہزادہ تھا۔

Muhammad a Biography of the Prophet by Karen)
book readers international ,52,14,12,Armstrong page 11
(Quatta 2004

مائیکل ایچ ہارٹ (Hart,Michael H) کہتے ہیں کہ دنیا کے سب سے زیادہ اثر ورسوخ رکھنے والی شخصیات میں میرا سب سے پہلے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو انتخاب کرنا بعض قارئین کو ضرور حیران کر دے گا اور کچھ لوگ سوال کریں گے لیکن تاریخ انسانی میں صرف وہی ایک شخص تھا جو دینی اور دنیاوی ہر



دو اموروں کی سطح پر سب سے زیادہ کامیاب تھا۔

A ranking of the most influential The 100)
Hart ,persons in history by Michael H
(New York 2008page 33

پھر سیزر ای فرح (Farah,Caesar E) نے لکھا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعی طور پر تاریخ کی بڑی ہستیوں میں سے ایک ہیں۔دس سال کے مختصر عرصہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اپنے مشن میں کامیاب ہو جانا آپ کے مذہب اور آپ کے حسن اخلاق پر آپ کو خراج عقیدت ادا کرنے کا مستحق بنا دیتا ہے۔آپ کی زندگی اور آپ کا کام آپ کی ذہانت کی زندہ گواہ ہے۔آپ نے اتنی بنیادی اور ضروری تبدیلیاں ایسی قوموں اور لوگوں میں پیدا کر دیں جو اپنی کبھی نہ مٹنے والی خود ستائی اور تکبر اور سرکشی کا ازل سے شکار تھے۔

Edition7th Farah Ph.D page 61,Islam by Caesar E)
(USA 2003

کیرس وڈی (Charis Waddy) اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیشہ اس بات پر قائم رہے کہ وہ بھی تمام دوسرے انسانوں کی طرح ایک بشر ہیں سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا پیامبر بنایا اور اپنا کلام قرآن مجید ان پر الہام فرمایا ہے۔محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پُر تاثیر کامیابی کا راز اپنے مولیٰ کی اطاعت اور اپنی ذات کو مکمل طور پر اس کے احکامات وہدایات کے مطابق ڈھال لینے میں ہے۔انہوں نے یہ تمام کارنامہ اپنی ذاتی طاقت سے نہیں کیا بلکہ وہ عظیم الٰہی طاقت کے آلہ کار بنے۔ان کو کوئی ذاتی خواہش ترقی کی طرف نہیں لے کر گئی۔اپنے مشن کی کامیابی کے لئے بار بار آپ کو اپنی ایگو (Ego) میں کشمکش کا سامنا رہتا اور تسخیر نفس کے لئے کوشاں رہتے۔اگرچہ وہ اس دنیا میں ہماری طرح ہی کاموں میں مصروف رہتے تھے لیکن مکمل خدا کے لئے تھے اس طریق سے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک سچے انسان کا مقدس فریضہ انجام دیا جو انسانیت کا اصل مقصد ہے اور اسی لئے آپ کو انسان کامل کہا جاتا ہے۔

The Muslim Mind by Charis Waddy page 36)
(New York 1976Longman London



گلدستہ

مرتبہ اے آر خان۔



حاصل مطالعہ

حدیث نبویؐ

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا سید الاستغفار یہ ہے کہ یوں کہو: ”اے اللہ! تو میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو نے ہی مجھے پیدا کیا اور میں تیرا ہی بندہ ہوں میں اپنی طاقت کے مطابق تجھ سے کیے ہوئے عہد اور وعدہ پر قائم ہوں، ان بری حرکتوں کے عذاب سے جو میں نے کی ہیں تیری پناہ مانگتا ہوں۔ مجھ پر جو تیری نعمتیں ہیں ان کا اقرار کرتا ہوں، اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ میری مغفرت کردے کہ تیرے سوا اور کوئی بھی گناہ معاف نہیں کرتا۔“

(صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب اُفضل الِا ستغفار)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ افضل ترین شخص کون ہے؟ فرمایا: مخموم القلب یعنی متقی اور پاک دل اور صدوق اللسان یعنی زبان کا بہت سچا اور کھرا شخص۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کی غرض

آپ کے اپنے الفاظ میں:

”اس وقت بھی چونکہ دنیا میں فسق و فجور بہت بڑھ گیا ہے اور خداشناسی اور خدارسی کی راہیں نظر نہیں آتی ہیں اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے اور محض اپنے فضل و کرم سے اس نے مجھ کو مبعوث کیا ہے تا ئیں ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ سے غافل اور بیخبر ہیں اس کی اطلاع دوں اور نہ صرف اطلاع بلکہ جو صدق اور صبر اور وفاداری کے ساتھ اس طرف آئیں انہیں خدا تعالیٰ دکھلا دوں۔ اس بناء پر اللہ تعالیٰ نے مجھے مخاطب کیا اور فرمایا۔ اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَامِنْكَ“

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 5 ایڈیشن 2003ء)

وفاتِ مسیحؑ کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کے چند اچھوتے نکات

(انصر رضا۔)

فرشتے اور انسان ایک دوسرے کی جگہ آباد نہیں ہوسکتے:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دو مرتبہ یہ حقیقت بیان فرمائی ہے کہ فرشتوں اور انسانوں کا الگ الگ مستقر ہے اور وہ ایک دوسرے کی جگہ پر آباد نہیں ہوسکتے۔ سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اگر انسانوں کے پاس کوئی فرشتہ بطور رسول آتا تو وہ بھی انسان کا ہی وجود اختیار کرکے آتا۔ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ (الانعام:10)

ترجمہ: اور اگر ہم اُس (رسول) کو فرشتہ بناتے تو ہم اسے پھر بھی انسان (کی صورت میں) بناتے اور ہم ان پر وہ (معاملہ) مشتبہ رکھتے جسے وہ (اب) مشتبہ سمجھ رہے ہیں۔

اسی طرح سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا کہ اگر زمین میں فرشتے آباد ہوتے تو ان پر رسول بھی فرشتہ ہی آتا۔ چونکہ زمین پر انسان بستے ہیں اور ان میں مبعوث ہونے والے رسول کو ان کے درمیان ہی بسنا ہے لہٰذا ان میں فرشتہ بطور رسول مبعوث نہیں ہوسکتا کیوں کہ فرشتے زمین پر آباد نہیں ہوسکتے۔

قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا

(بنی اسرائیل:96)

ترجمہ: تُو کہہ دے کہ اگر زمین میں اطمینان سے چلنے پھرنے والے فرشتے ہوتے تو یقیناً ہم ان پر آسمان سے فرشتہ ہی بطور رسول اُتارتے۔

قرآنِ کریم کی اس دلیل اور اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ اس سُنّت کی روشنی میں سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''انسان کا آسمان پر جا کر مع جسم عنصری آباد ہونا ایسا ہی سنّت اللہ کے خلاف ہے جیسے کہ فرشتے مجسم ہوکر زمین پر آباد ہوجائیں۔ وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبۡدِيۡلًا۔''

(تذکرۃ الشہادتین، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 24)

رفع عیسیٰ علیہ السلام خدا کی طرف یا دوسرے آسمان کی طرف؟

'پھر آیت میں تو یہ صاف لکھا ہے کہ عیسیٰ کا رفع خدا کی طرف ہوا۔ یہ تو نہیں لکھا کہ دوسرے آسمان کی طرف رفع ہوا۔ کیا خدائے عزّ وجلّ دوسرے آسمان پر بیٹھا ہوا ہے؟''

(لیکچر سیالکوٹ، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 217)

آمدِ مسیح موعود نزول یا رجوع؟

دنیا کی تمام زبانوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے والے کے لئے جو لفظ استعمال کیا جاتا ہے وہ اس لفظ سے مختلف ہوتا ہے جو اُس دوسری جگہ جا کر دوبارہ پہلی جگہ آنے والے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اگر ایک شخص نقطہ الف سے نقطہ ب تک سفر کرے تو اُردو زبان میں اسے ایک مقام سے دوسرے مقام تک جانے والا کہتے ہیں۔ لیکن اگر وہی شخص نقطہ الف سے نقطہ ب تک پہنچ کر دوبارہ نقطہ الف تک آئے تو اسے ایک مقام سے دوسرے مقام تک جانے والا نہیں بلکہ واپس آنے والا کہتے ہیں۔ اسی طرح عربی زبان میں ایک مقام سے دوسرے مقام تک جانے کو ''نزول'' جبکہ دوسرے مقام سے لوٹ کر پہلے مقام تک آنے کو ''رجوع'' کہتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ عقیدہ رکھا جاتا ہے کہ وہ زمین سے آسمان پر تشریف لے گئے ہیں اور اب قُربِ قیامت میں آسمان سے زمین پر تشریف لائیں گے۔ زبان و بیان کے مذکورہ بالا قواعد کی رُو سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آسمان سے زمین پر آمد کو اُردو زبان میں ''واپسی'' اور عربی زبان میں ''رجوع'' کے لفظ سے ظاہر کیا جانا چاہئے تھا۔ لیکن اس کے برعکس احادیثِ نبوی میں جس جگہ بھی مسیح ابن مریمؑ کی قربِ قیامت میں آمد کی خبر دی گئی ہے وہاں ''رجوع'' کی بجائے ''نزول'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے زمین پر محض آ نہیں رہے بلکہ واپس آرہے ہیں کیونکہ وہ آسمان پر زمین سے ہی گئے تھے۔ نزول اور رجوع میں فرق کی روشنی میں سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کو اس طرح ثابت فرمایا ہے:

''حضرت مسیحؑ کی آمد کے واسطے جو لفظ آیا ہے وہ نزول ہے اور رجوع نہیں ہے۔ اوّل تو واپس آنے والے کی نسبت جو لفظ آتا ہے وہ رجُوع ہے اور رجُوع کا لفظ حضرت عیسیٰؑ کی نسبت کہیں نہیں بولا گیا۔ دوم نزول کے معنے آسمان سے آنے کے نہیں ہیں۔ نزیل مسافر کو کہتے ہیں۔''

(ملفوظات جلد اول صفحہ 5 تاریخ اشاعت 20 اگست 1960ء)

''أتظنون أنَّ المسيح ابن مريم سيرجع الى الأرض مِن السّماء ولا تجدون لفظ الرجوع في كَلِمِ سيّد الرسل و أفضل الأنبياء۔ أَأُلْهِمْتم بهذا أو تنحِتون لفظ الرجوع مِن عند أنفسِكم كَالخَائنين؟ وَمِنَ الْمَعلُوم أن هٰذا هُو اللفظ الخَاص الذى يُستعمل لرَجُل يأتى بَعْد الذَّهاب۔ و يتوجّه من السَّفر الى الاياب، فهذا أبعدُ مِن أبلَغِ الخَلقِ و امام الأنبياء أن يترك هُهنا لفظ الرجوع و يَسْتَعْمل لفظ النزول ولا يتكلم كالفصحاء والبلغاء۔''

(مکتوب احمد، روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 150۔151)

ترجمہ: ''کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ مسیح ابن مریم آسمان سے زمین پر واپس آئیں گے؟ حالانکہ سیّد الرسلؐ اور افضل الانبیاءؐ کے کلام میں رجوع کا لفظ پایا ہی نہیں جاتا۔ کیا تمہیں یہ الہام ہوا ہے یا خیانت کرنے والوں کی طرح تم نے اس لفظ رجوع کو اپنے نفس سے گھڑ لیا ہے؟ اور معلوم ہونا چاہئے کہ یہ لفظ خاص طور پر اُس شخص کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو سفر کے بعد واپس آئے۔ پس یہ تمام مخلوقات میں سب سے فصیح و بلیغ شخص اور امام الانبیاءؐ سے بعید ترین ہے کہ وہ رجوع کا لفظ ترک کر کے نزول کا لفظ استعمال کریں اور فصیح و بلیغ لوگوں کی طرح کلام نہ کریں۔''

حضرت عمرؓ کے مندرجہ ذیل بیان سے بھی ظاہر ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی وفات پر یہ نہیں کہہ رہے کہ رسول اللہ ﷺ موسیٰؑ کی طرح اپنے رب سے ملنے گئے ہیں اور پھر نازل ہوں گے بلکہ یہ کہہ رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اُسی طرح واپس آئیں گے جس طرح حضرت موسیٰؑ واپس آئے تھے:

"ان رجالا من المنافقين يزعمون أن رسول الله ﷺ قد توفى، و ان رسول الله ما مات، ولكنه ذهب الى ربه كما ذهب موسى بن عمران، فقد غاب عن قومه أربعين ليلة، ثم رجع اليهم بعد أن قيل مات، ووالله ليرجعن رسول الله ﷺ كما رجع موسى، فليقطعن أيدى رجال و أرجلهم زعموا أن رسول الله ﷺ مات۔"

(السیرۃ النبویۃ لابن اسحٰق جلد 1-2 صفحہ 713، السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد 4 صفحہ 306)

ترجمہ: منافقوں میں سے کچھ لوگ یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فوت ہوگئے ہیں۔ حالانکہ وہ مرے نہیں بلکہ وہ اپنے رب کی طرف گئے ہیں جیسا کہ موسیٰ بن عمران گئے تھے۔ پس وہ اپنی قوم سے چالیس راتیں غائب رہے تھے پھر ان کی طرف واپس آگئے تھے پھر اس کے بعد مرے تھے۔ اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ بھی ضرور واپس آئیں گے جس طرح موسیٰ واپس آئے تھے۔ اور ضرور ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ مر گئے ہیں۔"

حضرت عیسیٰؑ کے مصلوب ہونے کا اقرار

"چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بالاتفاق عبرانی النسل تھے اپنے زمانے کی قوم کے مطابق عبرانی زبان رکھتے تھے چنانچہ مصلوب ہونے کے وقت بھی بلند آواز سے عبری زبان میں رائج اس کلمہ کو "ايلى ايلى لما شبقتانى" اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے کس وجہ سے مجھے چھوڑ دیا ہے زبان پر لائے۔"

(ازالۃ الاوہام جلد اول صفحہ 113-114 از مولانا رحمت اللہ کیرانوی)

حیات و وفاتِ مسیحؑ کا اقرار یا انکار کفر تو کیا گمراہی بھی نہیں!

"قادیانی صدہا وجہ سے منکر ضروریاتِ دین تھا اور اس کے پس ماندے حیات و وفات سیدنا عیسیٰ رسول اللہ علی نبینا الکریم وعلیہ صلوات اللہ وتسلیمات اللہ کی بحث چھیڑتے ہیں، جو خود ایک فرعی سہل خود مسلمانوں میں ایک نوع کا اختلافی مسئلہ ہے جس کا اقرار یا انکار کفر تو درکنار ضلال بھی نہیں۔"

(الجراز الدیانی علی المرتد القادیانی مصنف احمد رضا خان بریلوی صفحہ 5 سن تصنیف 1340ھ)

بڑے بڑے علماء کا وفاتِ مسیحؑ کے قائل ہونے کا اقرار

"آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں وہ بڑا ہی پُرفتن دور ہے، نسل انسانیت عمومًا اور مسلمان خصوصًا قسم قسم کے فتنوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ مسلمان بحیثیت مسلمان آج جتنے خطرناک حالات سے دوچار ہیں شاید ماضی کی تاریخ ایسی مثالوں سے خالی ہو، ہر سمت سے قصر اسلام پر فتنوں کی ایسی یلغار ہے کہ الامان والحفیظ! طرح طرح کے فتنے ظاہر ہو رہے ہیں، اعتقادی، عملی ظاہری اور باطنی، ہر ایک دوسرے سے بڑھتا جا رہا ہے، مگر سب سے خطرناک فتنے وہ ہیں جن کا تعلق اعتقاد سے ہو، ان اعتقادی فتنوں میں سے ایک فتنہ عقیدۂ نزولِ مسیح علیہ السلام سے یکسر انکار کرنا یا کم از کم اس کی اساسی حیثیت تسلیم کرنے سے اعراض کرنا اور اس کو غیر ضروری ماننا بھی ہے حتیٰ کہ بعض ایسے اہل علم وقلم بھی جن کی رفعت شان کی طرف اگر ہم نگاہ اٹھا کر دیکھتے ہیں تو ان کے علم وعمل، فضل و کمال اور ان کی عظمت کو اپنی بے پناہ بلندی کی وجہ سے ہماری نگاہیں سر نہیں کر سکتیں وہ بھی اس رو میں بہہ گئے ہیں۔۔۔ مولوی ابوالکلام آزاد صاحب، مولوی جار اللہ صاحب، مولانا عبیداللہ صاحب سندھی وغیرہ کی تحریرات میں یہ چیز آئی اور مولانا آزاد نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ: "اگر یہ عقیدہ نجات کے لیے ضروری ہوتا تو قرآن میں کم از کم (واقیموا الصلاۃ) جیسی تصریح ضروری تھی اور ہمارا اعتقاد ہے کہ کوئی مسیح اب آنے والا نہیں"

(مقدمہ از سلیمان یوسف بنوری۔ عقیدہ نزولِ مسیح علیہ السلام قرآن، حدیث اور اجماع امت کی روشنی میں۔ مصنف یوسف بنوری)

دیوبندی عالم کا اقرار "توفی" کا مطلب روح کو پورا پورا واپس لے لینا

"اس سلسلے میں یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ ہم اپنی بول چال میں موت

کے لئے جو ''وفات'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں وہ قرآن کریم کے ایک لفظ ''توفی'' سے ماخوذ ہے۔قرآن کریم سے پہلے عربی زبان میں یہ لفظ ''موت'' کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا تھا۔عربی زبان میں موت کے مفہوم کو ادا کرنے کے لئے تقریباً چوبیس الفاظ استعمال ہوتے تھے لیکن ''وفاۃ'' یا ''توفی'' کا اس معنی میں کوئی وجود نہ تھا۔قرآن کریم نے پہلی بار یہ لفظ موت کے لئے استعمال کیا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ زمانہ جاہلیت کے عربوں نے موت کے لئے جو الفاظ وضع کئے تھے وہ سب ان کے اس عقیدے پر مبنی تھے کہ موت کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے۔قرآن کریم نے ''توفی'' کا لفظ استعمال کر کے لطیف انداز میں ان کے اس عقیدے کی تردید کی کہ ''توفی'' کے معنی ہیں کسی چیز کو پورا پورا وصول کر لینا اور موت کے لئے اس لفظ کو استعمال کرنے سے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ موت کے وقت انسان کی روح کو اس کے جسم سے علیحدہ کر کے واپس بلا لیا جاتا ہے۔اسی حقیقت کو واضح الفاظ میں بیان کرتے ہوئے ''سورۃ زمر'' میں قرآن کریم نے ارشاد فرمایا۔''اللہ تعالیٰ انسانوں کی موت کے وقت ان کی روحیں قبض کر لیتا ہے اور جو لوگ مرے نہیں ہوتے ان کی روحیں ان کی نیند کی حالت میں واپس لے لیتا ہے وہ پھر جن کی موت کا فیصلہ کر لیتا ہے ان کی روحیں روک لیتا ہے اور دوسری روحوں کو ایک معین وقت تک چھوڑ دیتا ہے، بیشک اس میں ان لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں'' (الزمر:42)''

(دنیا کے اس پار صفحہ 25-26 از مفتی محمد تقی عثمانی ناشر ادارہ اسلامیات)

بشارت کے لئے مفصل اور بالکل واضح ہونا ضروری نہیں

''اکثر لوگوں کے رسالوں میں حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت یہ اعتراض لکھا دیکھا ہے کہ حضرت کا ذکر اگلے انبیاؤں نے نہیں کیا۔سو پہلے میں پوچھتا ہوں کہ حضرت موسیٰ کا ذکر کس کتاب میں ہے جو اُن سے پہلے کی ہو۔آپ ہی لوگوں کے اظہار سے ثابت ہے کہ موسیٰ سے پہلے کی کوئی کتاب دنیا میں نہیں ہے۔پھر یہ کہتا ہوں کہ دوسرے نبی کی نبوت کے ثبوت کے لیے پہلے نبی کا کہہ جانا کس برہان عقلی کی رو سے ضروری سمجھا جاتا ہے۔اگر کوئی اس کی ضرورت کی دلیل ہو تو بیان کیجئے۔بلکہ برہان تطبیق اس امکان کو باطل ٹھہراتی ہے۔اس لیے کہ اس میں تسلسل لازم آتا ہے۔بعد اس کے میں کہتا ہوں کہ پہلے نبی کو دوسرے نبی کی خبر دینا کس طرح سے چاہئے۔آیا اس طرح کہ تمام خصوصیات دوسرے نبی کی بیان کرے جس طرح قبالجات وغرہ اور چہرہ نویسی میں لوگوں کے لکھا جاتا ہے یا اس طرح کہ فہمیدہ آدمی اپنی الف اور عادت سے کنارے ہو کر جب غور کرے تو مطابق پاوے۔پس اگر پہلی طرح کا خبر دینا مراد ہے تو ہمارا سوال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ وغیرہ انبیاء کے لیے ایسی خبریں اگر کہیں سے نکلتی ہوں تو ہمیں بتا دیجئے۔اور اگر دوسری طرح کی خبر مراد ہے تو ہم سے لیجئے۔''

(کتاب الاستفسار تالیف سیّد آل حسن مُہانی صفحہ 323 ناشر دار المعارف اردو بازار لاہور)

''اگر کوئی سابقہ پیغمبر آنے والے نبی کے متعلق کوئی خبر اور پیشینگوئی کر بھی دے تو اس میں آنے والے نبی کے جملہ عادات و شمائل بیان نہیں کرتا تا کہ خواص و عوام کو کوئی اشتباہ باقی نہ رہے اور علامِ مذکورہ کی بناء پر سب لوگ اس کو پہچان لیں۔بلکہ اگر وہ یہ دعویٰ کرے کہ میں وہی نبی ہوں جس کی نبی سابق نے خبر دی اور وہ خود بھی اپنے ہم عصر یا بعد میں آنے والے نبی کی پیشینگوئی کرے تو عوام کا تو کیا ذکر خواص بھی اس کو جلدی سے نہیں پہچانتے۔''

(ازالۃ الاوہام جلد دوم صفحہ 185 تالیف مولانا رحمت اللہ کیرانوی،اردو ترجمہ و تقدیم شرح و تحقیق مولانا ڈاکٹر محمد اسماعیل عارفی ناشر مکتبہ دار العلوم کراچی)

1884ء میں تحریر کردہ سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک بات جسے آج ہم پورا ہوتا دیکھ رہے ہیں۔

''آج کل ہمارے دینی بھائیوں مسلمانوں نے دینی فرائض کے ادا کرنے اور اخوت اسلامی کے بجا لانے اور ہمدردی قومی کے پورا کرنے میں اس قدر سستی اور لا پروائی اور غفلت کر رکھی ہے کہ کسی قوم میں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی۔بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ان میں ہمدردی قومی اور دینی کا مادہ ہی نہیں رہا۔اندرونی فسادوں اور عنادوں اور اختلافوں نے قریب قریب ہلاکت کے ان کو پہنچا دیا ہے اور افراط تفریط کی بے جا حرکات نے اصل مقصود سے ان کو بہت دور ڈال دیا ہے جس نفسانی طرز سے ان کی باہمی خصومتیں برپا ہو رہی ہیں۔اس سے نہ صرف یہی اندیشہ ہے کہ ان کا بے اصل کینہ دن بدن ترقی کرتا جائے گا اور کیڑوں کی طرح بعض کو بعض کھائیں گے اور اپنے ہاتھ سے اپنے استیصال

کے موجب ہوں گے بلکہ یہ بھی یقیناً خیال کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی دن ایسا ہی ان کا حال رہا۔ تو ان کے ہاتھ سے سخت ضرر اسلام کو پہنچے گا۔ اور ان کے ذریعہ سے بیرونی مفسد مخالف بہت سا موقعہ نکتہ چینی اور فساد انگیزی کا پائیں گے۔''

(براہین احمدیہ حصہ چہارم، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 315)

قرآن کی طرف توجہ کریں

''یہ تباہی جو عملی اور اعتقادی لحاظ سے مسلمانوں پر آئی اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ انہوں نے قرآن کریم کو چھوڑ دیا اور اس پر عمل کرنا ترک کر دیا۔ اگر وہ قرآن کریم پر عمل کرتے تو جس طرح صحابہؓ ساری دنیا پر غالب آگئے تھے اسی طرح وہ بھی غالب آجاتے اور کفر اور شیطنیت کا نشان تک دنیا سے مٹ جاتا۔ میں نے اپنی جماعت کے دوستوں کو بھی بارہا توجہ دلائی ہے کہ وہ اپنی اپنی جماعتوں میں قرآن کریم کے درس کا باقاعدہ انتظام کریں۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ ابھی تک جماعتوں نے اس طرف پوری توجہ نہیں کی حالانکہ قرآن کریم اپنے اندر اتنی برکات رکھتا ہے کہ قیامت کے دن رسول کریم ﷺ خدا تعالیٰ کے حضور کھڑے ہو کر کہیں گے کہ اے میرے خدا مجھے اپنی قوم کے افراد پر انتہائی افسوس ہے کہ میں نے تیرا محبت بھرا پیغام ان تک پہنچایا مگر بجائے اس کے کہ وہ تیرے پیغام کو سُن کر شادیٔ مرگ ہو جاتے، بجائے اس کے کہ وہ اسے سن کر ممنون ہوتے، بجائے اس کے کہ اسے سن کر ان کے جسم کا ہر ذرّہ اور ان کے دل کی ہر تار کانپنے لگ جاتی، بجائے اس کے کہ وہ اس مژدۂ جانفزا کو سن کر عقیدت اور اخلاص سے اپنے سر جھکا دیتے اِتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا انہوں نے تیرے پیغام کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا اور کہا کہ جاؤ ہم اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ بیشک اندھی دنیا خدا تعالیٰ کے پیغام کے ساتھ یہی سلوک کرتی چلی آئی ہے مگر وہ دنیا جو یہ جانتی نہیں کہ خدا تعالیٰ کیا ہے اور اس کا رسول کتنی بڑی شان رکھتا ہے وہ جو کچھ کرتی ہے اسے کرنے دو۔ میں اس مومن سے پوچھتا ہوں جو کہتا ہے کہ خدا ہے، جو جانتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے کلام کی کیا عظمت ہے، جو سمجھتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا بندے کو مخاطب کرنا خواہ وہ بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ ایک عظیم الشان انعام ہے کہ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے کلام کو سُنتا اور پھر اس کا جواب نہیں دیتا اور اس پر عمل کرنے لئے اس کے دل میں کوئی ولولہ پیدا نہیں ہوتا۔ حالانکہ بسم اللہ کی ب سے لے کر والناس کے س تک قرآن کریم کا ایک ایک کلمہ، اس کا ایک ایک لفظ اور اس کا ایک ایک حرف خدا تعالیٰ کی طرف سے بندے کے لئے سلام کا پیغام لے کر آیا ہے اور اپنے اندر اتنی طاقت رکھتا ہے کہ اگر اب بھی مسلمان خدا تعالیٰ کے پیغام کے جواب کے لئے تیار ہو جائیں اور اس کی اطاعت کے لئے اپنے دلوں کے دروازے کھول دیں تو یقیناً اُن کی دنیا بدل سکتی ہے۔''

(تفسیر کبیر جلد 6 صفحہ 484-485)

ایک ہی آیت میں پانچوں نمازوں کے اوقات کا ذکر

''اس آیت میں پانچوں نمازوں کے اوقات بتائے گئے ہیں۔ دلوک کے تین معنی ہیں۔ اور ہر ایک معنی کی رو سے ایک ایک نماز کا وقت ظاہر کر دیا گیا۔ (1) مالت وزالت عن کبد السماء یعنی زوال کو دلوک کہتے ہیں۔ اس میں ظہر کی نماز آگئی (2) صفرت۔ جب سورج زرد پڑ جائے تو اس کو بھی دلوک کہتے ہیں۔ اس میں نماز عصر کا وقت بتا دیا گیا۔ (3) تیسرے معنی غرَبت یعنی غروب شمس کے ہیں اس میں نماز مغرب کا وقت بتایا گیا ہے (4) غسق اللیل کے معنی ظلمۃ اول اللیل کے ہیں یعنی رات کے ابتدائی حصہ کی تاریکی۔ اس میں نماز عشاء کا وقت مقرر کر دیا گیا۔ (5) قرآن الفجر کہہ کر صبح کی نماز کا ارشاد فرمایا۔ اس کے سوا کوئی اور تلاوت صبح کے وقت فرض نہیں ہے۔''

(تفسیر کبیر تفسیر آیت 79)

''قرآنِ کریم میں ہے اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ (بنی اسرائیل: 78) اس کا عام ترجمہ یہ ہوگا ''صلوٰۃ قائم کرو دلوک شمس سے غسق لیل تک۔ اور فجر کا قرآن''۔ یہاں اگر دُلُوْک کے معنی عام حرکت کے لئے جائیں تو اس میں طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک کا سارا وقت آجاتا ہے۔ اور قُرْاٰنَ الْفَجْرِ طلوع آفتاب سے پہلے، اور غَسَقِ الَّيْلِ غروب آفتاب کے بعد۔ یعنی اس طرح اس آیت میں سونے کا وقت نکال کر باقی دن رات کا سارا وقت آجاتا ہے۔ مفہوم ظاہر ہے کہ صلوٰۃ کے لیے یہ سارا وقت تمہارے لئے کھلا رکھا ہے۔ اور اگر دُلُوْک کو زوالِ آفتاب سے غروب تک مقید کر دیا جائے تو پھر (اوپر کے مفہوم کی رو سے) طلوع آفتاب سے لے کر اس کے نصف النہار تک پہنچنے کا وقت خارج ہو جائے گا۔ دوسری جگہ صلوٰۃ کے

لئے طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيۡلِ (ہود:115) کے الفاظ آئے ہیں۔ یعنی دن کے دونوں کناروں اور رات کے (ابتدائی) حصوں میں۔ دن کے دونوں کنارے فجر اور مغرب ہیں اور رات کے ابتداء حصے غَسَقِ الَّيۡلِ سورۃ نور میں صَلٰوةُ الۡفَجۡرِ اور صَلٰوةُ الۡعِشَآءِ (النور: 59) کا خصوصیت سے نام لیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ نزول قرآن کریم (رسول اللہ) کے زمانے میں ان دونوں اوقات میں اجتماعات صلوٰۃ ہوتے تھے۔'' (لغات القرآن زیر لفظ دلک از غلام احمد پرویز)

تبلیغ میں کوتاہی شرک کا رنگ رکھتی ہے

''اللہ تعالیٰ نے اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ آیاتِ الٰہیہ کا انکار اور تبلیغ میں کوتاہی بھی اپنے اندر شرک کا ہی ایک رنگ رکھتی ہے۔ کیونکہ آیاتِ الٰہیہ کا انکار وہی شخص کرتا ہے جو ڈرتا ہے کہ اگر میں نے اپنے ایمان کا اظہار کیا تو لوگ میری مخالفت کے لیے کھڑے ہو جائیں گے۔ اسی طرح تبلیغ سے وہی شخص بھاگتا ہے جو لوگوں کی مخالفت اور ان کی ایذا رسانی سے گھبراتا ہے اور یہ دونوں چیزیں اپنے اندر شرک کا ایک رنگ رکھتی ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے نصیحت فرمائی کہ تم مشرکوں میں سے مت بنو۔ دلیری سے آیاتِ الٰہیہ پر ایمان لاؤ۔ اور پھر دلیری سے اُن کی دنیا میں اشاعت کرو۔ اور اپنی نگاہیں ہمیشہ آسمان کی طرف بلند رکھو۔ زمینی لوگوں سے مت ڈرو کہ یہ بھی ایک مخفی شرک ہے۔''

(تفسیر کبیر جلد ہفتم صفحہ 565 زیر تفسیر سورۃ القصص آیت 88)

مرزا غلام احمدؑ نے ختم نبوت کا انکار نہیں کیا!

''مرزا غلام احمد قادیانی نے ختم نبوت کے عنوان سے انکار نہیں کیا نہ کہیں یہ کہا کہ وہ اور اس کی جماعت حضورؐ کو خاتم النبیین نہیں مانتے۔ اس نے ختم نبوۃ کا یہ معنی بیان کیا کہ حضورؐ نبوت کا مرکز ہیں جن سے آگے نبوت پھیلتی ہے اور جو بھی نبوت پائے گا اس پر آپؐ کی نبوت کی مہر ہوگی۔ مرزا غلام احمد اپنی تشریح میں ختم نبوت مرتبی کا عقیدہ رکھتا تھا اور ختم نبوت مرتبی کو ختم نبوت زمانی کے متوازی سمجھتے ہوئے ختم نبوت مرتبی کا اقرار اور ختم نبوت زمانی کا انکار کرتا تھا۔ اس کے ذہن کے مطابق یہ دو متقابل نظریات تھے۔ چنانچہ مرزا غلام احمد کے پیرو ختم نبوت مرتبی کا اقرار اور ختم نبوت زمانی کے منکر ہیں۔''

(مقدمہ تحذیر الناس از علامہ ڈاکٹر خالد محمود صفحہ 16 ناشر ادارہ العزیز گوجرانوالہ جنوری 2001ء)

ختم نبوت مرتبی میں ختم نبوت زمانی سے عقیدت زیادہ ہے

''مسلم عوام حضور اکرم ﷺ کے مرتبہ وشان سے والہانہ عقیدت رکھتے ہیں۔ جب وہ قادیانی مبلغین سے سنتے ہیں کہ ختم نبوت کا اصل مفہوم یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ پر سارے کمالات ختم مانے جائیں اور یہی حضورؐ کی ختم نبوت ہے تو کئی عوام جوشِ عقیدت میں قادیانیوں کے پنجۂ الحاد میں آجاتے ہیں۔ ختم نبوت زمانی کتنا پختہ عقیدہ کیوں نہ ہو ختم نبوت مرتبی میں عقیدت بہرحال زیادہ ہے اور وہ ظاہر میں لوگوں کو زیادہ کھینچتی ہے۔''

(ایضاً صفحہ 17)

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ختم نبوت زمانی کا اقرار

''چونکہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کا زمانہ قیامت تک ممتد ہے اور آپ خاتم الانبیاء ہیں اس لیے خدا نے یہ نہ چاہا کہ وحدت اقوامی آنحضرت ﷺ کی زندگی میں ہی کمال تک پہنچ جائے کیونکہ یہ صورت آپؐ کے زمانے کے خاتمہ پر دلالت کرتی تھی۔ یعنی شبہ گزرتا تھا کہ آپؐ کا زمانہ وہیں تک ختم ہو گیا۔ کیونکہ جو آخری کام تھا وہ اس زمانہ میں انجام تک پہنچ گیا۔ اس لیے خدا نے تکمیل اس فعل کی جو تمام قومیں ایک قوم کی طرح بن جائیں اور ایک ہی مذہب پر ہو جائیں زمانہ محمدی کے آخری حصہ پر ڈال دی جو قرب قیامت کا زمانہ ہے۔ اور اس کی تکمیل کے لئے اسی امت میں سے ایک نائب مقرر کیا جو مسیح موعود کے نام سے موسوم ہے اور اس کا نام خاتم الخلفاء ہے۔ پس زمانہ محمدی کے سر پر آنحضرت ﷺ ہیں اور اس کے آخر میں مسیح موعود ہے۔''

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 90-91)

مولانا قاسم نانوتویؒ صاحب کی ختم نبوت زمانی سے مراد

''غرض خاتمیت زمانی سے یہ ہے کہ دینِ محمدیؐ بعد ظہور منسوخ نہ ہو۔ علوم نبوت اپنی انتہاء کو پہونچ جائیں۔ کسی اور نبیؐ کے دین یا علم کی طرف پھر بنی آدم کو احتیاج باقی نہ رہے۔'' (مناظرہ عجیبہ صفحہ 58 ناشر مکتبہ قاسم العلوم کراچی)

سوادِ اعظم سے مراد بیاضِ اعظم

''ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ مدرسہ میں ممبران کی کمیٹی قائم ہے اور کثرت رائے سے فیصلہ ہوتا ہے اور اس کو سوادِ اعظم سے تعبیر کرتے ہیں اس ہی معنی کو بنا جمہوریت قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا سوادِ اعظم سے مراد تو بیاضِ اعظم ہے یعنی نور شریعت جس جماعت میں ہو (اگرچہ وہ قلیل ہو) مگر لوگوں کو ایسی ہی باتوں میں سواد (مزہ) آتا ہے۔''

(ملفوظات حکیم الامت اشرف علی تھانوی صفحہ 70 ناشر ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان سن اشاعت جمادی الاولیٰ 1423ھ)

دو چار متبع سنت ہی مقبول ہوں گے ہزاروں بدعتی نہیں

''مؤلف نے الفاظ ہی یاد کر لئے ہیں معنی تو کسی سے پڑھے ہی نہیں یہ سمجھ لیا کہ جس کام میں بہت سے مسلمان جمع ہو گئے تو وہ امر جائز ہو گیا حالانکہ مبتدعین فسق متبعین سنت سے زائد ہیں اس زمانہ میں ہزار گنا کی نسبت ہو گئی اور حدیث لا یزال طائفۃ من امتی جو ابھی لکھی گئی ہے اور حدیث بدء الاسلام غریبا وسیعو دکما بدء فطوبی للغرباء اور مثل اس کی سب کو پس پشت ڈال دیا ہے کہ ان احادیث میں طائفہ اور غرباء کی مدح ہو رہی ہے۔ اب اپنے حسب بدعت ان کو رد کر دے تو اس سے عجب نہیں سو سنو کہ ان احادیث سے تو یہ مراد ہے کہ جس وقت میں تمام دنیا میں حب دنیا و جاہ و اتباع ہویٰ ہو جاویگا اس وقت میں وہی دو چار متبع سنت مقبول ہوویں گے ان کو طوبیٰ ہو۔''

(براہین قاطعہ صفحہ 170 از خلیل احمد سہارنپوری ناشر دار الاشاعت کراچی اشاعت اول مارچ 1987ء)

حضرت عیسیٰؑ جہاں فوت ہوں گے وہاں دفن نہیں ہوں گے

''بعض روایات میں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اس دنیا میں اپنی عمر کے آخری حصے میں پہنچیں گے تو حج بیت اللہ کے لئے مکہ معظّمہ تشریف لے جائیں گے۔ وہاں سے واپس آ رہے ہوں گے کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان انتقال فرما جائیں گے۔ چنانچہ ان کی نعش مبارک مدینہ منورہ لائی جائے گی اور روضۂ اقدس میں حضرت عمرؓ کے پہلو میں دفن کئے جائیں گے۔''

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح از علامہ شیخ القاری علی بن سلطان محمد القاری۔ اردو ترجمہ از مولانا راؤ محمد ندیم جلد دہم۔ حاشیہ صفحہ 709 باب فضائل سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم)

لازم نہیں کہ نبی وہیں دفن ہو جہاں فوت ہو

''پھر دفن میں کلام ہوا تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کی روح اسی جگہ قبض کرتے ہیں جہاں انبیاء دفن ہونا پسند کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جگہ دفن کرو جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر تھا۔ (ترمذی)۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر نبی کا مدفن ان کی وفات کی جگہ ہی ہو بلکہ صرف وفات کی جگہ میں دفن کی جگہ پسندیدہ ہونا ثابت ہوتا ہے اگر دوسرے لوگ اپنے ارادہ یا کسی عذر کی وجہ سے دوسری جگہ دفن کر دیں تو اور بات ہے۔''

(نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب صلی اللہ علیہ وسلم۔ تالیف مولانا اشرف علی تھانوی صفحہ 263۔264۔ ناشر زمزم پبلشرز کراچی، اکتوبر 2003ء)

(بحوالہ الفضل آن لائن لندن)

کائنات کی وسعت اور روشنی کی رفتار

ڈاکٹر مطلوب حسین اپنے کالم دل آئینہ ساز (مطبوعہ ایکسپریس 24 اکتوبر 2008ء) میں لکھتے ہیں۔

سائنسدانوں کی ریسرچ یہ ہے کہ روشنی کی سپیڈ ایک لاکھ 82 ہزار 2 سو میل فی سیکنڈ ہے۔ سائنسدان روشنی کی سپیڈ کو سب سے تیز رفتار چیز مانتے ہیں۔ اُن کی بات میں وزن بھی ہے۔ وزن اس لئے ہے کہ روشنی کی یہ سپیڈ اتنی سریع ہے کہ روشنی کی ایک لہر ایک سیکنڈ میں زمین کے گلوب کے گرد آٹھ مرتبہ گھوم جاتی ہے۔

جیسا کہ عرض کیا کہ روشنی کی رفتار ایک لاکھ بیاسی ہزار دو سو میل فی سیکنڈ ہے۔ اگر روشنی کی ایک لہر اپنی پوری رفتار سے ایک سال تک چلتی رہے، تو ایک سال میں جتنا فاصلہ طے ہوگا اسے ''ایک نوری سال کہیں گے''۔ اگر حساب کیا جائے تو ایک سال میں یہ فاصلہ 57 کھرب، 39 ارب میل ہوگا، جو کلومیٹروں میں 91 کھرب، 82 ارب کلومیٹر بنتا ہے۔ آئن سٹائن کا کہنا ہے کہ اگر روشنی کی ایک لہر ایک لاکھ بیاسی ہزار دو سو میل فی سیکنڈ کی رفتار سے کائنات کے ایک سرے سے دوسرے کی جانب سفر کرتی ہے تو وہ اپنا سفر کم و بیش 3 ارب نوری

سال میں مکمل کر سکے گی۔ یہاں سے کائنات کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اب آپ ایک نوری سال کے دوران طے کئے گئے 57 کھرب، 39 ارب میل کے فاصلے کو 3 ارب نوری سال سے ضرب دیں۔ ہمارا شعور اتنی لمبی چوڑی گنتی کو گن ہی نہیں سکتا۔ یہاں آ کر انسان کا ذہن مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے، اور اپنے آپ پر اترانے والا انسان پھر یہ خوب جان لیتا ہے کہ اتنی زیادہ وسیع و عریض کائنات میں اس کی اپنی حیثیت کیا ہے؟ پھر خدا کا وجود تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں۔ آئن سٹائن بھی یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ اتنی بڑی منظم کائنات کو چلانے والا کوئی تو ہے۔

آئن سٹائن کے مفروضے کے مطابق کائنات کا قُطر تین ارب نوری سال کے برابر ہے۔ آئن سٹائن نے یہ بھی کہا کہ اگر اس عظیم کائنات کے کسی گوشے میں کھربوں ستاروں پر مشتمل کوئی کہکشاں کریش ہو جائے یا دفعتاً بکھر جائے تو کائنات میں موجود ایک قوت ''قوت جاذبہ کی لہریں'' آناً فاناً اپنا ردعمل ظاہر کرتی ہیں اور نظام کائنات کا بیلنس قائم رہتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو کائنات کے کسی گوشے میں اپنی عمر پوری کر کے فنا ہونے والا ستارہ یا سیارہ اپنی موت کے ساتھ کائنات میں ایسا ارتعاش پیدا کر دے کہ جس کی بناء پر یہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔ سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ قوت جاذبہ کی لہروں کی رفتار اتنی زیادہ ہے کہ یہ کائنات کے ایک سرے سے دوسرے تک ''سڈن لی'' پہنچ جاتی ہیں۔ دنیا کے موجودہ سائنسدان اب تک اسی قوت جاذبہ کی لہروں کو کائنات کی سب سے تیز رفتار چیز مان رہے ہیں......لیکن کچھ لہریں ایسی بھی ہیں کہ جو قوت جاذبہ کی لہروں سے بھی انتہائی زیادہ سریع السیر اور بہت زیادہ تیز رفتار ہیں۔ ان کی سپیڈ اتنی زیادہ اور تیز ہے کہ کائنات کے بہت دور دراز زمانی و مکانی فاصلے نہ صرف ان کی گرفت میں ہیں بلکہ یہ لہریں ان فاصلوں کو درخورِ اعتناء ہی نہیں سمجھتیں۔ ان لہروں کا منبع انسانی ذہن ہے۔ عرف عام میں انہیں ''انا کی لہریں'' بھی کہا جا سکتا ہے۔

انسان کو ایک صلاحیت دی گئی ہے کہ جسے ''تجسس'' کی صلاحیت کہتے ہیں۔ تجسس کی صلاحیتیں اس قدر زیادہ ہیں کہ دنیا کا کوئی انسان جب انہیں استعمال کرتا ہے تو اس کا ذہن ایک سیکنڈ کے دسویں حصے میں کائنات کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ جاتا ہے۔ انسانی تجسس اور ذہن کی قوت پرواز اتنی زیادہ ہے کہ ماورائے کائنات بھی انسانی ذہن اور تجسس کی گرفت میں ہے۔ بہت زیادہ قابل غور بات یہ ہے کہ قرآن میں تقریباً ساڑھے سات سو آیات ایسی ہیں کہ جن میں کائنات پر تفکر، تسخیر، سوچ بچار اور غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے...... کیونکہ جب ہم ریسرچ، تفکر اور تجسس کی صلاحیتیں استعمال کرتے ہیں تو لامحالہ، ہمارا ذہن ماورائے کائنات میں موجود ورئ الوریٰ ہستی ''اللہ تعالیٰ'' کی طرف چلا جاتا ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁

حضرت مسیح موعودؑ کی ذات پر اعتراض

''مرزا صاحب ''ابن مریم'' کس طرح ہو گئے آپ کی والدہ کا نام تو چراغ بی بی تھا۔''

جواب: بخاری میں آنحضرت ﷺ کی حدیث ہے:

مَا مِنْ مَوْلُوْدٍيُّوْلَدُ إِلَّا وَ الشَّيْطَانُ يَمَسُّهُ حِيْنَ يُوْلَدُ، فيستهلُّ صارخًا من مسِّ الشيطان، ايَّاه الَّا مريم وابنها

(بخاری کتاب التفسیر باب و انی اعیذھا بک۔۔۔ کتاب بدء الخلق باب قول اللہ تعالیٰ واذکر فی الکتاب مریم)

کہ ہر چیز پیدا ہونے والے بچے کو بوقتِ ولادت شیطان مس کرتا ہے اور بچہ جب اسے مسِ شیطان ہوتا ہے تو وہ چیختا ہے، چلاتا ہے مگر مریم اور ابن مریم کو مسِ شیطان نہیں ہوتا۔

اس پر طبعًا سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب صرف مریمؑ اور ابن مریمؑ ہی مسِّ شیطان سے پاک ہیں تو پھر کیا باقی انبیاء کو عموماً اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصاً مسِّ شیطان ہوا تھا؟ اس کا جواب علامہ زمخشری نے اپنی تفسیر کشاف میں یہ دیا ہے:

مَعْنَاهُ أَنَّ كُلَّ مَوْلُوْدٍ يَّطْمَعُ الشَّيْطَان فِي إِغْوائِهِ إِلَّا مَرْيَم وَابْنَهَا، فَإِنَّهُمَا كَانَا مَعْصُوْمَينِ، وَ كَذٰلِكَ مَنْ كَانَ فِي صِفَتِهِمَا

(تفسیر کشاف زیر آیت واذکر فی الکتاب مریم)

کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ شیطان ہر بچہ کو گمراہ کرنا چاہتا ہے۔سوائے مریم اور ابن مریم کے۔ کیونکہ وہ دونوں پاک تھے اور اسی طرح ہو وہ بچہ(بھی اس میں شامل ہے) کو مریم اور ابن مریم کی صفت پر ہے۔ گویا آنحضرت ﷺ کی حدث میں ''مریم'' اور ''ابن مریم'' سے صرف 2 انسان ہی مراد نہیں بلکہ 2 قسم کے انسان مراد ہیں۔ گویا جو مریمی صفت میں اور ابن مریمی صفت میں مومن اور انبیاء ہوں وہ سب ''مریم'' اور ''ابن مریم'' کے نام سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر یاد کئے گئے ہیں۔

ان صفات کی مزید تشریح قرآن مجید میں ہے:

وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ وَ نَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَ عَمَلِهٖ وَ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ وَ مَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِیْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَ صَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَ كُتُبِهٖ وَ كَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِیْنَ (التحریم:12-13)

ترجمہ: اور اللہ نے اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لائے فرعون کی بیوی کی مثال دی ہے۔ جب اس نے کہا اے میرے ربّ! میرے لئے اپنے حضور جنت میں ایک گھر بنادے اور مجھے فرعون سے اور اس کے عمل سے بچالے اور مجھے ان ظالم لوگوں سے نجات بخش۔

اور عمران کی بیٹی مریم کی (مثال دی ہے) جس نے اپنی عصمت کو اچھی طرح بچائے رکھا تو ہم نے اس (بچے) میں اپنی روح میں سے کچھ پھونکا اور اس (کی ماں) نے اپنے ربّ کے کلمات کی تصدیق کی اور اس کی کتابوں کی بھی اور وہ فرمانبرداروں میں سے تھی۔

ان آیات سے ماقبل کی ملحقہ آیات میں کافر مردوں کو 2 عورتوں نوحؑ اور لوطؑ کی بیویوں سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ ان کے خاوند مومن تھے مگر وہ دونوں کافرہ تھیں۔ مندرجہ بالا آیات سے ثابت ہوا کہ مومن 2 قسم کے ہوتے ہیں: (1) آسیہ (زوجہ فرعون) صفت (2) مریمی صفت۔ پہلے وہ مومن جو کفر کے غلبہ کے نیچے دب چکے ہوں اور وہ اس سے نجات پانے کے لئے دست بدعا ہوں۔ اور دوسرے وہ مومن جن پر روزِ ازل سے ہی بدی غلبہ نہ پاسکی۔

وَ الَّتِیْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (الانبیاء: 92) یہ دوسری قسم کا مومن قرآنی اصطلاح میں ''مریم'' کہلاتا ہے۔ پھر وہ مریمی حالت سے ترقی کر کے فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا (الانبیاء:92) کے مطابق "ابن مریم" کی حالت میں چلا جاتا ہے کیونکہ مقام مریمی صدیقیت ہے اور مقامِ ابنِ مریم مقامِ نبوت۔ گویا ہر نبی پر 2 زمانے آتے ہیں۔ پہلے وہ مقامِ مریمی میں ہوتا ہے اور اسی حالت کے متعلق قرآن مجید نے اشارہ کیا۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ

''پس میں اس (رسالت) سے پہلے بھی تمہارے درمیان ایک لمبی عمر گزار چکا ہوں۔''

اور ان دونوں حالتوں یعنی صدیقیت اور نبوت کی حالتوں میں وہ مسِّ شیطان سے پاک ہوتا۔

سورۃ تحریم کی آیات سے ثابت ہوا کہ جس طرح حضرت مریم صدیقہؑ اپنی پاکیزگی کے انتہائی مقام پر پہنچ کر حاملہ ہوئیں اور اس حمل سے حضرت عیسیٰؑ جو خدا کے نبی تھے پیدا ہوئے۔ اسی طرح ایک مومن مرد بھی پہلے مریمی حالت میں ہوتا ہے اور پھر ایک روحانی اور مجازی حمل سے گزرتا ہوا مجازی ''ابن مریم'' کی ولادت کا باعث ہوتا ہے۔ وہ مومن مرد مجاز اور استعارہ کے رنگ میں ''مریم'' ہوتا ہے اور اور مجاز اور استعارہ ہی کے رنگ میں حمل سے گزرتا ہے۔ اور مجاز اور استعارہ ہی کے رنگ میں ''ابنِ مریم'' کی ولادت کا باعث ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے تمام کافروں اور مومنوں کو 4 عورتوں ہی سے تشبیہ دی ہے۔ مرد عورتیں تو نہیں ، ہاں استعارہ اور مجاز کے رنگ میں ان کو عورتیں قرار دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ نے حضرت عباسیہ طوسیؒ کا یہ قول نقل کیا:

''قیامت کے دن جب آواز آئے گی کہ اے مردو! تو مردوں کی صفت میں سے سب سے پہلے حضرت مریمؑ کا قدم پڑے گا۔''

(تذکرۃ الاولیاء ذکر حضرت رابعہ بصری نواں باب صفحہ 51 شائع کردہ شیخ برکت علی اینڈ سنز لاہور و ظہیر الاصفیاء ترجمہ اردو تذکرۃ الاولیاء صفحہ 55)

جواب نمبر 2

اِطْلَاقُ اِسْمِ الشَّیْءِ عَلٰی مَا یُشَابِهُهٗ فِیْ اَكْثَرِ خَوَاصِه جَائِزٌ حَسَنٌ" (تفسیر کبیر جلد 2 صفحہ 689)

کہ ایک چیز کا نام دوسری چیز کو (جو اکثر خواص میں اس سے ملتی ہو) دینا جائز

ہے۔

جواب نمبر 3

اسم علم بھی بطور مجاز دوسرے کے لئے بولا جاتا ہے۔ چنانچہ بلاغت کی کتاب تلخیص المفتاح صفحہ 59، 60 میں لکھا ہے ’’وَلَا تَکُوْنُ عَلَمًا۔۔۔ اِلَّا اِذَا تُضَمَّنَ نَوْعٌ وَّ صَفِيَّةٌ كَحَاتِمٍ ...... کہ علم استعارہ استعمال نہیں ہوتا ہاں جب کوئی صفت پائی جائے تب اسم علم بھی استعمال ہوسکتا ہے۔ جیسے حاتم ہے۔‘‘

(تلخیص المفتاح از محمد عبدالرحمٰن قزوینی صفحہ 59 مطبع مجتبائی دہلی)

جواب نمبر 4

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’مَنْ اَحَبَّ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ فِیْ زُھْدِہٖ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی اَبِی الدَّرْدَاءِ‘‘ (منصب امامت صفحہ 53 مصنفہ سید اسمٰعیل شہیدؒ)

کہ تم میں سے جو شخص عیسیٰ بن مریم کو زہد کی حالت میں دیکھنا چاہے وہ حضرت ابودرداء کو دیکھے۔

(تمام جوابات کے حوالہ جات از مکمل تبلیغی پاکٹ بک صفحہ 504۔602 اور صفحہ 807، مرتبہ: جناب ملک عبدالرحمٰن خادم)

حضرت راجہ عطا محمد صاحبؓ کشمیر کے اوّلین صحابہ میں سے تھے جو اپنی اعلیٰ علمی وانتظامی صلاحیتوں کی بنا پر ریاست میں وزیر بھی رہے۔ آپؓ اُن چند صحابہؓ میں سے تھے جنہیں حضورؑ نے اپنے نام پر بیعت لینے کی خصوصی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ آپؓ نے 14 اپریل 1904ء کو وفات پائی۔

آپؓ جب پہلی بار قادیان حاضر ہوئے تو آپؓ کی آنکھوں میں موتیا بند کی تکلیف تھی۔ حضورؑ نے آپؓ کو لاہور جا کر علاج کروانے کا مشورہ دیا اور فرمایا: آپ کی آنکھیں انشاءاللہ بالکل اچھی ہوجائیں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

آنکھیں اچھی ہونے کے بعد آپؓ دوبارہ قادیان آئے اور پھر کچھ عرصے بعد کشمیر روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک رئیس خان محمد حسین خان کے ہاں مقیم ہوئے تو وہاں کے ملّاؤں نے پہلے ہی احمدیوں کے خلاف قتل کا فتویٰ دے رکھا تھا۔ ملّاؤں نے رئیس کو اپنے ساتھ ملا کر آپؓ کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ آپؓ کو اس منصوبے کی کچھ خبر نہ تھی لیکن رات خواب میں حضرت مسیح موعودؑ نے آکر فرمایا کہ ’’راجہ صاحب! آپ کے قتل کا منصوبہ کیا گیا ہے، آپ اسی وقت اٹھ کر یہاں سے چلے جائیں۔‘‘ چنانچہ آپؓ نے اپنے ساتھیوں کو جگایا اور خاموشی سے روانہ ہوگئے۔ صبح نماز کے بعد دیکھا کہ رئیس کا وزیر گھوڑا دوڑائے آرہا ہے اور کھانا بھی ساتھ لایا ہے۔ اُس نے آپؓ کو جان کی سلامتی کی مبارکباد دی اور ملّاؤں کی شرارت کا سارا قصہ سنایا اور تعجب سے پوچھا کہ آپؓ کو اس منصوبے کا کیسے علم ہوا۔ آپؓ نے سارا واقعہ سنایا۔ چنانچہ بعد میں خان محمد حسین نے بھی اپنے فعل پر ندامت کا اظہار کیا اور معافی مانگی اور آئندہ جب بھی آپؓ اُس کے پاس ٹھہرے تو اُس نے آپؓ کی عزت و مدارات میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔



چند قطعات

(عبدالکریم قدسیؔ۔ امریکہ)

چھوٹے بن کر رہو گے تو قدرت
عزتیں بے شمار دیتی ہے
بچہ خود کو اگر بڑا سمجھے
گود سے ماں اتار دیتی ہے

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

تا دیر کہیں جبر کا سکّہ نہیں چلتا
دل جیت نہ پائے کوئی طاقت بدولت
شُہرت کی الگ بات زمانے میں ہے لیکن
عزت کبھی ملتی نہیں دولت کی بدولت

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

پہلے لڑتے تھے اگر دو آدمی
تیسرا آتا چُھڑانے کے لئے
تیسرا آتا تو اب بھی ہے مگر
دونوں کی ویڈیو بنانے کے لئے

تقریب رونمائی کتاب ''سپوت ایشیا''















ملکہ برطانیہ کی پلاٹینم جوبلی کے موقع پر مکرم سرافتخار احمد ایاز صاحب کو میڈل دیئے جانے کی تصاویر

بتاریخ 19 مئی 2022ء بمقام Borough of Merton لندن







